شجرة الأشراف

سیّد نفیس الحسینی

شجرة الأشراف

سید نفیس الحسینی

اشاعت اوّل

۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲م

صفحات : ۴۹۶

نام کتاب : شجرة الاشراف

تالیف : سید نفیس الحسینی

ناشر : مکتبۂ معارف گیسودراز
نفیس منزل۔ کریم پارک لاہور

مطبع : اولمپیا آرٹ پریس...... لاہور

به آفتابِ نبوت رسانده ایم نسب
توان ز ذرّۂ ما دید نورِ خوش نسبی
آزاد بلگرامیؒ

شجرۃ الاشراف

سیّد نفیس الحسینی

حلقہ معارفِ گیسو درازؒ
نفیس منزل ○ کریم پارک ○ لاہور

انتساب

والدِ بزرگوارم

خطاطُ القرآن سیّد محمّد اشرف علیؒ کے نام

جن کا قلمِ مُعجز رقم عمر بھر قرآن مجید کی خطاطی میں مشغول رہا۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

سید نفیس الحسینی

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جدة ، ١٢ شوال المکرم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فہرست

شجرۃ الاشراف

۱ سید الاولین والآخرین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین مُحمّد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ ۲۳
تحریر مولانا قاضی مُحمّد سلیمان منصور پوری، مؤلف رحمۃ للعالمین : تلخیص: سید نفیس الحسینی

۲- امام المشارق والمغارب امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ۲۹
زوج سیدۃ النساء اہل الجنّۃ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا
تحریر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: تلخیص: سید نفیس الحسینی

۳- سید شباب اہل الجنہ سبط رسول اللہ ﷺ سیدنا الحسین بن علی رضی اللہ عنہما ۱۸۱
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

۴- سیدنا الامام علی زین العابدین رضی اللہ عنہ (مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی)

۵- امام المجاہدین سیدنا زید بن علی الشہید رضی اللہ عنہ ۲۲۹
تالیف الشریف صالح الخطیب : ترجمہ ۰ مولانا مختار احمد ندوی : تلخیص: سید نفیس الحسینی

۶- سیدنا الحسین بن زید رضی اللہ عنہ (ابوالفرج اصبہانی) ۳۲۰

۷- سید یحییٰ المحدّث رحمہ اللہ تعالیٰ ۳۲۶

۸- سید عُمر الاعلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ ″

۹- سید ابوالمنصور مُحمّد الاکبر رحمہ اللہ تعالیٰ ۳۲۷

۱۰- سید ابو عبداللہ الحسین الغدّان رحمہ اللہ تعالیٰ ″

۱۱- سید المجاہدین ابوالحسن زید الجندی الشہید (دہلی) رحمہ اللہ تعالیٰ ۳۲۸
تحریر سید نفیس الحسینی

۱۲- سید داوٗد بن زید الجندی رحمہ اللہ تعالیٰ ۳۲۹

۱۳- سیّد حمزہ بن داوَد رحمہ اللہ تعالیٰ	۳۲۹
۱۴- سیّد علی بن حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ	"
۱۵- سیّد مُحمّد بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ	"
۱۶- سیّد حسین بن مُحمّد رحمہ اللہ تعالیٰ	"
۱۷- سیّد یُوسف بن حسُین رحمہ اللہ تعالیٰ	"
۱۸- سیّد مُحمّد بن یُوسف رحمہ اللہ تعالیٰ	"
۱۹- سیّد علی بن مُحمّد رحمہ اللہ تعالیٰ	"
۲۰- سیّد یُوسف بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ	"
۲۱- قطب الاقطاب خواجہ دکن سیّد مُحمّد حسینی الملقب بہ گیسُودراز رحمہ اللہ تعالیٰ (تحریر مولانا مُحمّد علی سامانی، مولانا عبد العزیز واعظی) ترجمہ و تلخیص: سیّد نفیس الحسینی	۳۳۷
۲۲- سیّد یُوسف المعروف بہ مُحمّد اصغر حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ (تحریر سیّد نفیس الحسینی)	۴۳۷
۲۳- ابو الفیض سیّد شاہ من اللہ حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۴۱
۲۴- سیّد احمد حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۴۵
۲۵- سیّد مُحمّد صوفی حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۴۷
۲۶- سیّد عبد اللہ حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۴۹
۲۷- سیّد اسد اللہ حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۵۰
۲۸- سیّد شاہ حفیظ اللہ حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۵۳
۲۹- سیّد شاہ گل مُحمّد رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۵۴
۳۰- سیّد شاہ عبد الکریم حاجی حرمین شریفین رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۵۷
۳۱- سیّد شاہ مُحمّد صالح رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۵۸
۳۲- سیّد شاہ مُحمّد سلیم رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۵۹
۳۳- سیّد مُحمّد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۶۳
۳۴- سیّد بُڈھن شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ "	۴۶۵
۳۵- خطاط القرآن سیّد مُحمّد اشرف علی رحمہ اللہ تعالیٰ "	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

القُرآن الحكيم

مقبس ١٣٩٦هـ

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

صدق اللہ العظیم

محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے، لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر

ترجمہ قطب العالم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں "خاتم النبیین" ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

كتبہ الفقیر نفیس الحسینی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ ○ دار النفائس ○ کریم پارک لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

وإنك لعلى خلق عظيم

كتبه الفقير نفيس الحسيني غفر الله ذنوبه وستر عيوبه في بلدة سكردو بلتستان
الجامعة الاسلامية ٤٠ ذوالحجة ١٤٠٨هـ

سراپائے اقدس صلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ وآلہٖ وسلّم

اے رسُولِ امیںؐ ، خاتمُ المرسلیںؐ ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق ویقیں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

اے براہیمی و ہاشمی خُوش لقب ، اے تُو عالی نسب ، اے تُو والا حسب
دُودمانِ قریشی کے دُرِّ ثمیں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے ، جُملہ اوصاف سے خُود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں ، اے ابد کے حسیں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

بزمِ کونین پہلے سجائی گئی ، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
سیّدُ الاوّلیں ، سیّدُ الآخریں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

تیرا سِکّہ رواں ، کُل جہاں میں ہُوا ، اِس زمیں میں ہُوا ، آسماں میں ہُوا
کیا عرب ، کیا عجم ، سب ہیں زیرِ نگیں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

تیرے انداز میں وُسعتیں فرش کی ، تیری پرواز میں رِفعتیں عرش کی
تیرے انفاس میں خُلد کی یاسمیں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

"سِدرۃُ المُنتہیٰ" رہگزر ہیں تِری، "قابَ قوسَین" گردِ سفر میں تِری
تُو ہے حق کے قریں، حق ہے تیرے قریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

کہکشاں ضَو تِرے سَرمدی تاج کی، زُلفِ تاباں حَسیں رات معراج کی
"لیلۃُ القدر" تیری مُنوّر جبیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

مُصطفےٰ مُجتبےٰ، تیری مدح و ثنا، میرے بَس میں نہیں، دَسترس میں نہیں
دِل کو ہمّت نہیں، لَب کو یارا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

کوئی بتلائے کیسے سَراپا لکھوں، کوئی ہے! وہ کہ مَیں جس کو تجھ سا کہوں
تَوبہ تَوبہ! نہیں کوئی تجھ سا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

چار یاروں کی شانِ جلی ہے بھلی، ہَیں یہ صِدّیقؓ، فاروقؓ، عثماںؓ، علیؓ
شاہدِ عَدل ہَیں یہ تِرے جانشیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اے سراپا نفیسِ اَنفسِ دو جہاں، سَرورِ دِلبراں دلبرِ عاشقاں
ڈھونڈتی ہے تجھے میری جانِ حزیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

○

(۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء)

سلام بحضورِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اِلٰہی! محبُوبِ کُل جہاں کو ، دِل و جِگر کا سلام پہنچے
نفَس نفَس کا دُرُود پہنچے ، نظَر نظَر کا سلام پہنچے

بِساطِ عالَم کی وُسعتوں سے ، جہانِ بالا کی رِفعتوں سے
مَلک مَلک کا دُرُود اُترے ، بَشر بَشر کا سلام پہنچے

حُضورؐ کی شام شام مہکے ، حُضورؐ کی رات رات جاگے
مَلائکہ کے حَسیں جِلَو میں ، سَحر سَحر کا سلام پہنچے

زبانِ فِطرت ہے اِس پہ ناطِق ، ببارگاہِ نبیِّ صادق
شَجَر شَجَر کا دُرُود جائے ، حَجَر حَجَر کا سلام پہنچے

رسُولِ رحمتؐ کا بارِ احساں ، تمام خلقت کے دوش پر ہے
تو ایسے محسن کو بستی بستی ، نگر نگر کا سلام پہنچے

مرا قلم بھی ہے اُن کا صدقہ ، مِرے ہُنر پر ہے اُن کا سایہ
حضورِ خواجہؐ ، مِرے قلم کا ، مِرے ہُنر کا سلام پہنچے

یہ اِلتجا ہے کہ رُوزِ محشر ، گُناہگاروں پہ بھی نظر ہو
شفیعِ اُمتؐ کو ہم غریبوں کی چشمِ تر کا سلام پہنچے

نفیسؔ کی بس دُعا یہی ہے ، فقیر کی اب صدا یہی ہے
سوادِ طیبہ میں رہنے والوں کو عُمر بھر کا سلام پہنچے

صلّی اللہ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلّم

○

شبِ عاشورہ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ / ۱۴ جون ۱۹۹۷ء

لبِ پر درُود

لَب پر درُود ، دِل میں خیالِ رسُولؐ ہے
اب مَیں ہُوں اور کیفِ وصالِ رسُولؐ ہے

دائم بہارِ گلشنِ آلِ رسُولؐ ہے
سینچا گیا لَہُو سے نِہالِ رسُولؐ ہے

حُسنِ حسنؓ کو دیکھ ، حُسینِ حسینؓ کو دیکھ
دونوں میں جلوہ ریز جمالِ رسُولؐ ہے

بُو بکرؓ ہوں ، عُمرؓ ہوں ، وہ عثمانؓ ہوں یا علیؓ
چاروں سے آشکار کمالِ رسُولؐ ہے

اِسلام نے غُلام کو بخشی ہیں عظمتیں
سردارِ مؤمنین ، بلالِؓ رسُولؐ ہے

ہاں نقشِ پائے ختمِ رُسُل میرا تخت ہے
اور سر کا تاج خاکِ نعالِ رسُولؐ ہے

جامِ جمؔ اُس کے سامنے کیا چیز ہے نفیسؔ
جس کو نصیب جامِ سفالِ رسُولؐ ہے

(شوال المکرم ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء)

بحضورِ ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اللہ اللہ! محمّد ترا نام اے ساقی
اَن گِنت تجھ پہ دُرود اور سلام اے ساقی

بعد اللہ کے ہے تیرا مقام اے ساقی
کِس کی جُرأت ہے کرے اِس میں کلام اے ساقی

از اَزل تا بہ اَبد تیری ہی سرداری ہے
سیّدُ الکُل ہے تو، ہے سب کا اِمام اے ساقی

تجھ پہ اللہ کی رحمت کا ہے سایہ ہر دَم
کُل جہاں پر تِری رحمت ہے مُدام اے ساقی

فرشیوں پر تو عنایات کی کچھ حد ہی نہیں
عرشیوں پر بھی ترا فیض ہے عام اے ساقی

واسطہ تجھ کو براہیمؑ کی فرزندی کا
ایک کوثر کا چھلکتا ہُوا جام اے ساقی

آلِ اطہارؓ کے صدقے ہو عطا اِک ساغر
اِک پیالہ پئے اصحابؓ کرام اے ساقی

خستہ جانوں سے کوئی پُوچھے حلاوت اِس کی
راحتِ جان و جگر ہے ترا نام اے ساقی

کبھی تنہائی میں محسوس کیا کرتا ہُوں
صحنِ دِل میں ترا آہستہ خرام اے ساقی

مہ جبیں لاکھ سہی شہرۂ آفاق مگر
اُن کے حلقے میں ہے تُو ماہِ تمام اے ساقی

نازنیں ایک سے اِک بڑھ کے جہاں میں آئے
ہے تری ذات مگر مِسک خِتام اے ساقی

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ہے خُدا کا اِرشاد
ہے اُفق تا بہ اُفق تیرا پیام اے ساقی

مِٹنے والے ہیں سبھی نقش جہانداروں کے
نقش ہے تیرا فقط نقشِ دوام اے ساقی

تجھ پہ اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا سلام
ہم غلاموں کی بھی جانب سے سلام اے ساقی

سوچتا ہُوں غمِ دِل عرض کرُوں یا نہ کرُوں
اِن دِنوں فِکر سے ہے جینا حرام اے ساقی
خوار ہے عالَمِ اِسلام نصاریٰ کے تلے
آج اُمّت کا دِگرگُوں ہے نِظام اے ساقی
نِگہِ لُطف غریبوں پہ خُدارا ہو جائے
پھر سنور جائے یہ بگڑا ہُوا کام اے ساقی

دِل مِرا ڈُوب رہا ہے کہ تہی دامن ہُوں
ہونے والی ہے اُدھر زیست کی شام اے ساقی
ایک اُمّیدِ شفاعت ہے فقط زادِ سفر
جس سے ہمّت سی ہے کُچھ گام بہ گام اے ساقی
لاج رکھنا، کہ تِرے رحم و کرم پر ہے نفیسؔ
ہے تِرے در کا غلام ابنِ غلام اے ساقی

○

(مدینۃ المنوّرۃ : ذوالحجہ ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء)

علامہ شبلی نعمانی رح

ظہورِ قدسی

چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں،

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سالِ دہر نے کروروں برس صرف کر دیئے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدتہائے دراز سے اسی صبحِ جان نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیِ موسیٰؑ، جان نوازیِ مسیحؑ، سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں ارزشاہنشاہِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار میں کام آئیں گے،

آج کی صبح وہی صبحِ جان نواز، وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دورِ فرخ فال ہے، اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتشکدۂ فارس بجھ گیا، دریائے سادہ خشک ہو گیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیمِ شر، آتشکدۂ کفر، آذرکدۂ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بتکدے خاک میں مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزان دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت مین بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعین ہر طرف پھیل گئین، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا،

یعنی یتیمِ عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالم، شہنشاہِ کونین

ثمۂ ز مسندِ ہفت اختران — ختمِ رسل خاتمِ پیغمبران
احمدِ مرسل کہ خرد خاکِ اوست — ہر دو جہان بستۂ فتراکِ اوست
امی و گویا بہ زبانِ فصیح — از الف آدم و میمِ مسیح
رسم ترنج است کہ در روزگار — پیش دہد میوہ، پس آرد بہار

عالمِ قدس سے عالمِ امکان مین تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا، اللّٰھم صلّ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم،

تاریخِ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ[1] لکھا ہے جس مین انھون نے دلائلِ ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مین ہوئی تھی۔

آپ کا نام "محمد" رکھا گیا، اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب نے یہ نام رکھا تھا،

---

[1] محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحون مین آیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) صحیح بخاری مین ہے کہ ابراہیم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب مین گہن لگا تھا، اور سنہ ۱۰ھ تھا، (اور اس وقت آپ کی عمر کا ترسٹھوان سال تھا)

(۲) ریاضی قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۰ھ کا گرہن ۷ جنوری سنہ ۶۳۲ء کو ۸ بجکے ۳۰ منٹ پر لگا تھا،

(۳) اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۶۳ برس پیچھے ہٹین تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء ہوتا ہے، جس مین از روئے قواعدِ ہیئت، ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی،

وما ارسلناک الا

رحمة للعالمین

سیرۃ النبی الامی صلی اللہ علیہ وآلہ واہل بیتہ وسلم

تالیف

قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری

اقتباس

سید نفیس الحسینی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

قاضی محمد سلیمان منصورپوری

اس آیت مبارکہ کو زیب عنوان کرتے ہی مجھے خیال آیا قرآن مجید دیکھنا چاہیے کہ للعالمین کا لفظ کن کن اشیاء یا اشخاص کے متعلق آیا ہے۔ مجھے مندرجہ ذیل آیات میں یہ لفظ ملا:

(۱) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِیْنَ. (۹۰:۶)

(۲) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ. (۱۰۴:۱۲)(۸۴:۳۸)(۲۷:۲۸)

(۳) وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ. (۵۲:۶۹)

(۴) اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ. (۷۱:۲۱)

(۵) اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ. (۵۶:۳)

(۶) فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنٰهَا اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ. (۱۵:۲۹)

(۷) وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَا اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ. (۹۱:۲۱)

(۸) اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ.

آیات بالا پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آیت نمبر ۱، ۲، ۳ میں قرآن مجید کو ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ فرمایا گیا ہے اور اس میں کلام نہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے جو جملہ عالمین کے لیے "ذکر" ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ مبارک تو اس مصدر کے ساتھ مذکر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ (۸۸:۲۱)

آیت نمبر ۴ و ۵ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ برکت کا استعمال کیا ہے۔ آیت نمبر ۴ بیت المقدس کے لیے ہے اور آیت نمبر ۵ بیت الحرام کے لیے۔ مسلمان ان دونوں مسجدوں کو اسی ادب و احترام کا مستحق سمجھتے ہیں جو کلامِ الٰہی میں ان کے لیے ظاہر فرمائے گئے ہیں اور چونکہ لفظ برکت ہر دو کے لیے مشترک ہے اور لفظ هُدًى بیت الحرام کے لیے خاص اور زائد ہے، اس لیے بیت الحرام کا درجہ بھی بیت المقدس سے زیادہ تسلیم شدہ ہے۔

آیت نمبر ۶، ۷، ۸ میں لفظ آیت کا استعمال ہوا ہے اور اس کا مصداق ان مختلف آیات میں مقصود ہے۔

آیت نمبر ۶ میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو یا اہلِ کشتی کو آیت فرمایا گیا ہے۔

آیت نمبر ۷ میں حضرت مریم اور ان کے فرزند کو آیت بتایا گیا ہے۔

آیت نمبر ۸ میں نوعِ انسانی کی مختلف زبانوں اور متلون رنگتوں کے اختلاف کو آیت بیان کیا گیا ہے۔ اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ.	صرف قرآن مجید ہے۔
مُبَارَكٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ.	بیت المقدس و بیت الحرام ہیں۔
اٰيَاتٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ.	اصحابِ نوح اور کشتیِ نوح اور حضرت مریم و حضرت ابن مریم اور اقوامِ عالم کا اختلاف الوان اور تباین السنہ ہیں۔

اور لفظِ رحمت ایسا لفظ ہے جس کا استعمال نبی ﷺ ہی کے لیے ہوا۔ حضور کے سوا کسی دوسرے کے لیے نہیں ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَیۡءٍ ۔ (اعراف) میری رحمت ہر ایک سے زیادہ وسیع ہے۔

پس جب نبی ﷺ کو جملہ عالمین کے لیے رحمت بنایا گیا ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ کی نبوت بھی جملہ عالمین کے لیے ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رحمۃ للعالمین وہی وجود مز کی ٹھہرے گا۔

جس نے اہلِ عالم بلکہ عالم در عالم کی بہبود و سود، رفاہ و فلاح، خیر و صلاح، عروج و ارتقا، صفاو بہا کے لیے بلا شائبہ غرض اور بلا آمیزشِ طمع اپنی مقدس زندگی کو صرف کیا ہو۔

جس نے بندوں کو خدا سے ملایا ہو۔

جس نے الہیٰ جلوہ انسانوں کو دکھایا ہو۔

جس نے دل کو پاک، روح کو روشن، دماغ کو درست، طبع کو ہموار بنایا ہو۔

جس کی تعلیم نے امن عامہ کو مستحکم اور مصلحتِ عامہ کو استوار کیا ہو۔

جو غریبی و امیری، جوانی و پیری، امن اور جنگ، امید اور ترنگ، گدائی و پادشاہی، مستی و پارسائی، رنج و راحت، حزن و مسرت کے ہر درجہ، ہر پایہ اور ہر مقام پر انسان کی رہبری کرتا ہو۔

جس نے فلک کی بلندی، زمین کی پستی، رات کی تاریکی، دن کی روشنی، سورج کی چمک، جگنو کی دمک، ذرّہ کی پرواز، قطرہ کی طراوت میں عرفانِ ربانی کی سیر کرائی ہو۔

جس کی تعلیم نے درندوں کو چوپانی، بھیڑیوں کو گلّہ بانی، رہزنوں کو جہاں بانی، غلاموں کو سلطانی، شاہوں کو اخوانی سکھائی ہو۔

جس نے خشک میدانوں میں علم و معرفت کے دریا بہائے ہوں۔

جس نے سنگلاخ زمینوں سے کتاب و حکمت کے چشمے چلائے ہوں۔

جس نے خود غرضوں کو محبت قومی کا درد مند بنایا ہو۔

جس نے دشمنوں کو اپنا جگر بند ٹھہرایا ہو۔

وہ ﷺ غریب کا محب مسکین کا ساتھی

شاہوں کا تاج آقاؤں کا آقا

غلاموں کا محسن یتیموں کا سہارا

بے آسروں کا آسرا بے خانمانوں کا ماوٰی

دردمندوں کی دوا چارہ گروں کا درد مند

مساوات کا حامی اخوت کا بانی

محبت کا جوہری اخلاص مشتری

صدق کا منبع صبر کا معدن

خاکساری کا نمونہ رحمتِ ربانی کا پتلا

اوّلین انسان آخرین رسول ﷺ

اگر رحمۃ للعلمین کے لقب سے ملقب نہ ہوگا تو پھر ان جملہ صفات کے جامع کا اور کیانام ہوگا؟

ہاں رحمۃ للعلمین وہی ہے جس نے ملکوں کی دوری، اقوام کی بیگانگی، رنگتوں کا اختلاف، زبانوں کا تباین دور کرکے سب کے دلوں میں ایک ہی ولولہ، سب کے دماغوں میں ایک ہی تصور، سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ جاری کر دیا ہو۔

ہاں رحمۃ للعلمین وہی ہے جو یہودیوں کی طرح نذرو منت کی قبولیت کے واسطے نبی لاوی کا واسطہ ضروری نہیں ٹھہراتا۔

جو کاتھلوں کی طرح آسمان کی کنجیاں شخصِ واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کردیتا۔

جو، روح کو سرگ یا نرگ میں دھکیل دینے کی طاقت صرف برہمنوں ہی کو عطا نہیں کرتا۔

جو، خاص رقبہ کے باشندوں کو آسمانی پادشاہت کے فرزند نہیں ٹھہراتا۔

جو، نسلِ واحد کے افراد ہی کو خدا کی برگزیدہ قوم نہیں قرار دیتا۔

جو، یہودیوں ، عیسائیوں ، زردشتیوں ، برہمنوں ، جینیوں اور لاماؤں کی طرح اپنے سوا باقی سب پر رحمت و افضال کے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔

ہاں رحمۃ للعلمین وہی ہے جو بندہ کو خدا کی حضوری تک لے جاتا اور اسے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کی قدسی آواز سے آشنا بناتا ہے اور خدا و بندہ کے درمیان کسی تیسرے کے لیے کوئی رخنہ باقی نہیں چھوڑتا۔

ہاں رحمۃ للعلمین وہی ہے جس کے دربار میں:

عداس نینوائی، بلال حبشی، سلمان فارسی، صہیب رومی، ضماد ازدی، طفیل دوسی، ذوالکلاع حمیری، عدی طائی، اثامہ نجدی، ابو سفیان اُموی، ابوذر غفاری، ابو عامر اشعری، کرز فہری، ابو حارث مصطلقی، سُراقہ مُدلجی پہلو بہ پہلو بیٹھے نظر آتے ہیں اتنی قوموں اور اتنے مختلف الدعاوی سرداروں کا مجمع کسی اور جگہ بھی نظر آتا ہے؟

یہاں ہر شخص اپنے اپنے ملک اور اپنی قوم کا حقِ وکالت ادا کر رہا ہے اور ہر شخص اپنے اپنے دامانِ دل کی وسعت کے موافق پھولوں سے جھولیاں بھر رہا ہے اور اپنے اپنے ملک کے مشامِ جان کو ان سے معطر کر رہا ہے۔

ہاں رحمۃ للعلمین وہی ہے، جس کے دربار میں عثمان طلحہ بھی موجود ہے جو کعبہ کا کلید برادر ہونے سے حجازی قوموں میں اسی اعزاز کا مالک سمجھا جاتا تھا جو عزت کلیسائے روما کے مسند نشین کو آسمان کے کلید برادر ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے۔

اس کے دربار میں عبداللہ بن سلام بھی موجود ہے، نسب عالی کے سلسلہ کو دیکھو

تو یوسف بن یعقوب بن اسحقؑ بن ابراہیم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ قومی وجاہت پر نظر کرو تو یہودان بنو قریظہ و بنو قینقاع و بنو نضیر و خیبر و فدک کا بچہ بچہ انھیں خیرنا وابن خیرنا کہہ کر یاد کرتا ہے۔

فضیلتِ علمی اور امامت قوم کی بزرگی کا اندازہ کرنا ہو تو سن لو کہ ربیون اور احبار تک سیّدنا و ابن سیّدنا کہہ کر ان کو مخاطب کرتے ہیں۔ یہی بزرگوار دربارِ محمّدی کے صفِ نعال میں جاگزین ہے اور دل ہی دل میں یہ کہہ کر خوش ہو رہا ہے: ع

تیری مجلس میں جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے

اسی دربار میں صرمہ ابن انس بھی حاضر ہے۔ صحفِ انبیا کا عالم ہے۔ سوریا اور یروشلم کے متواتر سفر کر چکا ہے۔ توراۃ و انجیل کو قدیم زبانوں میں پڑھا ہے۔ دربار ہرقل میں اس کی بڑی تعظیم کی جاتی ہے اور دربارِ حبش میں اس کی کرامتوں کا خوب چرچا ہے عیسائیانِ حجاز کا گویا سب سے بڑا بشپ یہی ہے اب وہی مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ کو بار بار پڑھ رہا ہے اور توحید خالص کی لذت میں مستغرق ہے۔

اسی دربار میں سلمان بھی موجود ہے۔ فارس کے بڑے زمیندار کا اکلوتا بیٹا ہے جو زرتشتی مذہب چھوڑ کر کاتھولیکی عیسائی بنا، پھر اطمینان قلب نہ پا کر دین حقہ کی طلب میں ایران سے شام، شام سے عراق، عراق سے حجاز پہنچا تھا۔ اب تو دل وجان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں کا فرش بنا چکا ہے۔ کوئی شخص اگر ان سے باپ دادا کا نام پوچھتا ہے تو فرما دیتے ہیں سلمان بن اسلام بن اسلام بن اسلام سبعین مرۃ اسی طرح ستر بار کہتے چلے جاؤ۔

اسی دربار میں خالد بن ولید بھی حاضر ہے۔ بُت پرستی کی تائید اور بُتوں کی حمایت میں شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھا چکا ہے اُحد میں اسلامی لشکر کو فاش شکست دے چکا ہے۔ نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ فتح کا غرور اور غلبہ کا سرُور اس کے ازدیادِ غفلت اور ترقی رعونت کا سبب بن جائے۔ لیکن رحمتِ عالم کی خاکساری نے اس فاتح کے دل کو بھی

فتح کر لیا ہے، وہ خود ہی کھنچا کھنچا آتا ہے اور لات و عزیٰ کے توڑنے کی خدمت حاصل کرنے کی التجا کر رہا ہے۔

اسی دربار میں شاہ حبش کا عریضہ پیش ہو رہا ہے، جو سلطنت چھوڑنے اور حاضر خدمت ہو جانے کی اجازت کا خواست گار ہے۔ اسی دربار میں ذوالبجادین موجود ہے جو گھر بار اہل و عیال چھوڑ کر آیا ہے۔ کمبل کا تہ بند، جس پر ببول کے کانٹوں سے بخیہ گری کی ہے، زیب تن ہے۔ فرطِ شوق اور جوش انبساط سے معلوم ہے کہ وہ آج شاہ کج کلاہ سے اپنے آپ کو برتر سمجھ رہا ہے۔

ہاں رحمۃ للعلمین وہی ہے جو یہودیوں جیسی مخذول و مقہور قوم کے ساتھ ان الفاظ میں معاہدہ کرتا ہے:

ا۔ اِنَّ یَہُوْدَ بَنِیْ عَوْفٍ اُمَّۃٌ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ.

یہود بھی مسلمانوں کی طرح ایک قوم سمجھی جاے گی۔

ب۔ وَاَنَّ بَیْنَہُمُ النَّصْرَ عَلٰی مَنْ حَارَبَ.

جو کوئی ان سے لڑے مسلمان ان کو مدد دیں گے۔

ج۔ اِنَّ بَیْنَہُمُ النُّصْحَ وَ النَّصِیْحَۃَ وَالْبِرُّ دُوْنَ الْاِثْمِ۔

مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات خیر اندیشی نفع رسانی نیکی کے ہوں گے۔

د۔ وَاَنَّ بِطَانَۃَ یَہُوْدَ کَاَنْفُسِہِمْ. یہودیوں کے حلیف بھی اس معاہدہ میں اس کے ساتھ شامل ہیں

ہ۔ وَاَنَّ النَّصْرَ لِلْمَظْلُوْمِ. مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جاے گی۔

رحمۃ للعلمین وہی ہے جو خراج گزار اور مفتوح عیسائیوں کے ساتھ ان الفاظ میں معاہدہ کرتا ہے:

(۱) لِنَجْرَانَ جَوَارُ اللّٰہِ وَ ذِمَّۃُ مُحَمَّدِ النَّبِیِّ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَمِلَّتِہِمْ وَاَرْضِہِمْ

وَأَمْوَالِهِمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَعَشِيْرَتِهِمْ وَتَبَعِهِمْ

اہلِ نجران کو خدا کی حفاظت اور محمدؐ رسول اللہ کی ذمہ داری حاصل ہو گی۔ ان کی جان اور مذہب اور ملک اور اموال کے متعلق تمام موجودہ اشخاص اور غیر موجودہ اور ان کی قوم اور ان کے پیرو اسی ذمہ داری میں شامل ہوں گے۔

(۲) وَاَنْ لَّا یُغَیِّرُوْا لِمَا کَانُوْا عَلَیْہِ

ان کی موجودہ حالت تبدیل نہیں کی جائے گی۔

(۳) وَلَا یُغَیَّرُ حَقٌّ مِنْ حُقُوْقِھِمْ

ان کے حقوق میں سے کوئی حق بدلا نہ جائے گا۔

(۴) وَلَا یُغَیَّرُ کُلُّھَا تَحْتَ اَیْدِیْھِمْ مِنْ قَلِیْلٍ اَوْ کَثِیْرٍ

اور جو کچھ تھوڑا بہت ان کے قبضہ میں ہے اس میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔

رحمۃ للعلمین وہ ہے جو کافروں کو بھی بہ آواز بلند سناتا ہے:

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ. تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ.

دین کے معاملہ میں کسی پر بوجھ نہیں ہے۔ تحقیق ہدایت۔ اور گمراہی میں ظاہر و باہر امتیاز ہو گیا ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں اپنی حیثیت کو کھلے لفظوں میں ظاہر کرتا ہے:

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ. رسول کا کام لوگوں کو احکام الٰہی کا سنا دینا ہے اور بس۔

رحمۃ للعلمین وہی ہے جو تمام عالم سے نیکی اور عمدہ سلوک کی تعلیم اس طرح پر دیتا ہے:

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ. (۶۰:۸)

خدا تم کو لوگوں کے ساتھ نیکی اور اچھا سلوک کرنے سے نہیں روکتا بلکہ خدا تو ایسے کام

کرنے والوں سے محبت کرتا ہے لیکن یہ لوگ ایسے ہوں کہ انھوں نے دین کے لیے تم سے جنگ نہ کی ہو اور دین کے لیے تم کو وطن سے نہ نکالا ہو۔

رحمۃ للعلمین وہی ہے جو دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کے طریق کی اس طرح تعلیم دیتا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ.

(فصلت ع ۵)

بدی کا بدلہ نیکی سے دو۔ پھر جس شخص کے ساتھ تمھاری عداوت ہے وہ تمھارا گرم جوش حامی بن جائے گا۔

رحمۃ للعلمین وہ ہے جو معاملات انصاف میں عداوت و نفرت کے تاثرات سے ہم کو علیحدہ رہنے کا حکم دیتا ہے اور خالص انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے:

وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۵:۸)

کسی قوم سے مخالفت کا ہونا تمھیں انصاف نہ کرنے کی طرف کھینچ نہ لے جائے، انصاف ہی کرو، یہی خدا شناسی سے قریب تر ہے اور تقویٰ اختیار کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو خدا خوب جانتا ہے۔

فرمایا:۔ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ. (۵:۸)

قوم کی یہ مخالفت کہ انھوں نے تم کو مسجد الحرام سے روک دیا تھا۔ تم کو ادھر نہ لے جائے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو تم تو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ان کی مدد کرو اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں ان کا ساتھ نہ دو۔ خدا سے ڈرتے رہو۔

رحمۃ للعلمین وہی ہے جو شہادت واقعہ کے لیے لوگوں کو اس طرح تیار کرتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ. (۸:۵)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور انصاف کے ساتھ شہادت دیا کرو۔

انصاف کا وجود شہادت ہی پر قایم ہے، اس لیے شہادت کی بابت پھر ان الفاظ میں تعلیم دی گئی:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا

اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ قیام کرنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ تمھاری گواہی خود تمھارے والدین کے خلاف یا اقربا کے خلاف ہو امیر ہو یا غریب کہ روایت یا رحم کے خیالات تمھیں آتے ہوں مگر یہ یاد رکھو خدا ان دونوں سے بڑھ کر ہے دیکھو ایسا نہ کرنا کہ سچی شہادت سے عدولی کرو یا دبی زبان سے کوئی بات کھو گواہی سے ٹل ہی جاؤ یہ باتیں تو خواہش نفس پر چلنے کی ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا خوب جانتا ہے۔

ہاں رحمۃ للعلمین وہی ہے، جو ہر انسان کو اس کی بیوی کے متعلق یہ تعلیم دیتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ. (۳۰:۲۱)

خدا کی نشانوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمھاری بیویوں کو تمھاری جنس کا بنا دیا تا کہ تم ان سے تسلی پاؤ پھر تمھارے درمیان محبت اور پیار قائم کر دیا۔ سوچنے والوں کے لیے اس کے اندر بہت سے نشان ہیں۔

رحمۃ للعلمین وہی ہے، جس نے شوہر بیوی کے رشتہ کو اتنا پاک ٹھہرایا کہ بہشت میں جاتے وقت بھی اس جوڑے کو ایک دوسرے سے الگ نہ کیا، بلکہ یوں خبر دی:

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ. (۴۳:۷۰)

تم اور تمہاری بیویاں شادی و نشاط اور نعمت و شادمانی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ۔

رحمۃ للعلمین وہی ہے جو شوہر اور بیوی کے حقوق کی بابت یہ فیصلہ سناتا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ. (۲:۲۲۸)

عورتوں کے حق شوہروں پر ویسے ہی ہیں جیسے شوہروں کے حق عورتوں پر۔

پھر سینارٹی کے متعلق یہ تعلیم فرماتا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ. (۴:۳۴)

مرد غالب ہیں عورتوں پر بہ وجہ اس فضیلت کے جو خدا نے (پیدائش سے) ایک کو دوسرے پر دی ہے اور اس وجہ سے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر صرف کرتے ہیں۔

ہاں رحمۃ للعلمین وہی ہے جو ایک انسان کی جان کی قدروقیمت ان الفاظ میں ظاہر فرماتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَّمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا. (۵:۳۲)

اگر کسی شخص نے ایک انسان کو بھی قتل کر دیا (واجب القصاص اور مجرم اس سے الگ ہیں) گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک شخص کی جان بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی۔

رحمۃ للعلمین وہ ہے جو خونخوار لڑائیوں کو بند کرتا، حکمرانی کی آرزو یا توسیع ملک کی تمنا یا غلبہ قوت کے اظہار یا جوشِ انتقام کے وفور کے اصول پر لڑائی کرنے کو قطعاً ممنوع ٹھہراتا ہے۔ وہ جنگ کو صرف مظلوم کی امداد کا آخری ذریعہ، عاجزوں، درماندوں، عورتوں، بچوں کو ظالموں کے ہاتھ سے چھڑانے کا وسیلہ مذاہب مختلفہ اور ادیان متعددہ

میں عدل و توازن قایم کرنے کا آخری حیلہ بتاتا ہے۔ دنیا کا رحم دل سے رحم دل شخص بھی ان اصولوں کے لیے لڑائی کی ضرورت سے انکار نہیں کرسکتا اور معمولی سمجھ کا انسان بھی ایسی لڑائی کو سراپا رحمت کہنے میں ذرا تامل نہیں کرسکتا۔ اب اصول بالا پر رحمۃ للعالمین کے بتائے ہوئے احکام کو سنو:

(۱) أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ط (۲۲: ۳۹-۴۰)

جن مسلمانوں سے قتال ہوا، ان کو جنگ کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ وہ مظلوم تھے اور خدا ان کی نصرت پر قدرت رکھتا ہے یہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بلا کسی وجہ سے نکالے گئے ہیں صرف اس لیے کہ انھوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان لیا ہے اگر خدا (یہ اجازت دے کہ) بعض لوگوں دشمنوں کو بعض لوگوں (مسلمانوں) کے ذریعہ سے روک نہ دیتا تب عیسائیوں کے گرجے یہودیوں کے معابد پارسیوں کے مندر مسلمانوں کی مسجدیں (جن میں خدا کا بہت نام لیا جاتا ہے) ضرور گرائی جاتیں۔

(۲) وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا.

(۴: ۷۵)

تم خدا کی راہ میں اور ضعیف مردوں اور عورتوں اور بچوں کے بچاؤ کے لیے کیوں جنگ نہیں کرتے، حالانکہ وہ دعائیں کررہے ہیں کہ خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جہاں کے باشندے بڑے ظالم ہیں۔

ان احکام سے واضح ہے کہ اسلام میں جنگ کو اختیار کیا گیا ہے تو نہ ملک گیری کے

لیے، نہ ہوس حکمرانی کے لیے بلکہ ضعیفوں، عورتوں، بچوں کو ظالموں کے پنجہ سے رہائی دینے کے لیے جنگ کو اختیار کیا گیا تھا، نہ تلوار کا خوف دلا کر کلمہ اسلام پڑھوانے کے لیے، بلکہ یہودیوں، عیسائیوں، ترساؤں کے معابد کو حفاظت و حمایت میں مثل مساجد لے کر ان سب کو انہدام سے بچانے کے لیے۔

کیا کسی اور مذہب کی پاک ترین کتاب سے بھی یہ بیان مل سکتا ہے کہ ادیان مختلفہ کے بچاؤ اور ان کی عبادت گاہوں کے قیام کے واسطے کسی قوم نے جنگ کی ہو، اگر نہیں اور ہم کو وثوق کے ساتھ یقین ہے کہ ہرگز نہیں۔ تو سب کو اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ رحمۃ للعلمین ہی کی رحمت قلبی کا نتیجہ ہے کہ جنگ کا مقصد ایسا مقدس بنایا، جس سے آج دنیا کا کوئی مذہب انکار نہیں کرسکتا۔

ایسی ضروری جنگ کے لیے رحمۃ للعلمین یہ بھی ضروری ٹھہراتے ہیں کہ الٹی میٹم ایک لمبے وقت کا دیا جائے تاکہ اس عرصہ میں باہمی سمجھوتے کی ایسی صورتیں نکل آئیں جس سے جنگ ٹل بھی جائے۔

قرآن مجید میں ہے: فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ. (۲:۹) یعنی تم کو چار ماہ کی مہلت ہے۔

جنگ کے لیے اتنی مہلت کا دیا جانا ہی رحمت ہے، لیکن جنگ شروع ہوجانے کے بعد مستثنیات کا خاص طور پر ذکر ہے:

ا۔ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ.

جو لوگ ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، جن سے تمہارا عہد ہے۔

ب۔ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ.

یا وہ جو حاضر ہوکر ظاہر کردیں کہ وہ تم سے یا اپنی قوم سے جنگ کرنے میں رک گئے۔

تو وہ جنگ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ چنانچہ صاف لفظوں میں فرمایا:

فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلاً. (۴:۹۰)

پھر اگر یہ لوگ علحدہ ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تم سے صلح کی درخواست کریں۔ تب خدا نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

خیال کرو کہ یہ احکام کس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ اس جنگ کا مقصد دین کو بجبر قبلوانے کا ہر گز نہیں۔

غور کرو کہ ایک معاہد قوم کا وجود بھی تم کو نظر آئے گا جو مسلمان نہیں، اگر مسلمان ہوتے تو ان سے مسلمانوں کا تعلق (بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِیْثَاقٌ) ہی کا نہ ہوتا، بلکہ وہ تو (فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ) کے درجے ہوتے۔

پھر اس معاہد قوم کی بھی اتنی عزت ہے کہ اگر فریق جنگ میں سے کوئی شخص اس کے پاس چلا جائے تو وہ بھی فریق جنگ کے حکم سے نکل جائے گا۔

پھر وہ شخص بھی جنگ سے مستثنیٰ ہو جائے گا، جو مسلمانوں سے یہ عہد کر لے کہ وہ نیوٹرل (غیر جانب دار) رہے گا، نہ مسلمانوں کا طرفدار ہوگا نہ ان کے مخالفین کا۔

دیکھو اگر جنگ کی بنیاد مذہب کا بہ جبر قبلوانا ہوتا تو ان غیر مذاہب والوں کے لیے یہ ضوابط کبھی نہ ہوتے۔

ہاں! رحمۃ للعالمین وہ ہے جو انسانوں کو اخلاق فاضلہ اور فضائل محمودہ اور محاسن جمیلہ اور صفات کاملہ کی تعلیم دیتا ہے۔

ماں باپ کی بابت سکھایا:

وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا. (۱۷:۲۴)

ان کے لیے ذلت کے بازوؤں کو زمین پر بچھا دے اور دعا بھی کیا کر، اے خدا! ان پر رحم

کر جیسا کہ انھوں نے مجھے چھٹپنے سے پالا ہے۔

اس حکم میں فرمانبرداری اطاعت و خدمت گزاری کا بھی حکم دیا اور یہ بھی بتایا کہ ماں باپ کے لیے دعا کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ جس طرح بچہ ماں باپ کی تربیت کا محتاج ہے اسی طرح ہر انسان خدا کے رحم کا محتاج ہے۔

قصور والوں کی معافی کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ (۲۴:۲۲)

چاہیے تم معافی دیا کرو اور درگزر کیا کرو، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے ہو کہ خدا تم کو معاف کر دے۔

معافی دینا انسان کو ذرا مشکل اور شاق گزرتا ہے، اس لیے اسے سمجھایا گیا ہے کہ جب انسان معافی کا خدا سے خواستگار ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ خود معافی دینے کو پسند نہیں کرتا، گویا یہ اصول بتایا، معاف کرو تم کو بھی معاف کیا جائے گا۔

زنا کی برائی کے متعلق بھی استدلال کا ایسا ہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ سَآءَ سَبِيْلًا. (۱۷:۳۴)

زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ تو بے حیائی ہے اور بُرا راستہ ہے۔

بُرے راستہ کے لفظ پر غور کرنا چاہیے۔

ایک عیاش مزاج شاید اپنی شوریدگی طبع کی حالت میں زنا کو کچھ معیوب نہ سمجھتا ہو، مگر اسے غور کرنا چاہیے کہ کسی کی بہو بیٹی کو اپنے بستر پر بلانا تو اسے ناگوار نہیں گزرتا، لیکن کیا اسے یہ بھی ناگوار نہیں ہے کہ اس کی بہو بیٹی غیر کے بستر پر جائے، اس کی غیرت اسے پسند نہیں کرتی تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شخص خود اپنے طرز عمل سے ایسی ہی برائیوں کا رستہ بنا رہا ہے۔ یہ رستہ سب سے پہلے اس کے گھر تک سیدھی سڑک بن جائے گا۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے، جس نے شراب اور جوئے کی حرمت کا حکم تمام عالم کو سنایا، شراب کو رجس اور عمل شیطان اور بنائے عداوت و سببِ بغض و سرمایہ غفلت اور ذریعہ دوری از خدا بتایا۔ یہ فیصلہ اس زمانہ کا ہے جب تمام دنیا شراب پر لٹو تھی جب بزرگوار پولوس کی ہدایت کے پابند سادہ پانی پینے کو معیوب سمجھتے تھے۔ جب ایران شراب کے پیالہ کو جام جم سمجھتا تھا۔ جب ہندوستان دیوتاؤں اور ٹھاکروں کے تقرب کے لیے اس کا استعمال ضروری سمجھتا تھا، جب بہت سے مراسم دینی و دنیوی کی تکمیل شراب کے بغیر سے نہیں ہو سکتی تھی۔ جب عرب کے کسی شاعر و زبان آور کا کلام اس کی توصیف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اسلام کے اس حکم کا تیرہ سو برس تک دنیا نے مقابلہ جاری رکھا، لیکن یورپ کی جنگ عظیم (از ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) نے اس حکم کی اصلیت کو منکشف کر دیا۔

شاہ برطانیہ جارج پنجم نے ترکِ مے نوشی میں اول قوم کو خود نمونہ بن کر دکھایا۔ پھر روس و انگلستان و فرانس میں ایک حد تک اس پر عمل کیا گیا۔ امریکہ نے شراب تیار نہ کرنے کا عزم ظاہر کیا۔ فی الواقع ترکِ شراب ایک رحمت ہے۔

اور جس وجود پاک ﷺ نے سب سے پہلے دنیا کو اس مسئلہ کی ہدایت کی وہ رحمۃ للعالمین ہے۔ ایسے احکام قرآن مجید اور حدیث پاک سے سیکڑوں کی تعداد میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔

ناظرین غور سے معلوم کریں گے کہ ہم نے اس مضمون میں جن مسائل کا ذکر کیا ہے، یہ خالص ایسے مسائل ہیں کہ مسلم و غیر مسلم ہر دو مساوی طور پر ان سے مستفید ہو سکتے ہیں، چنانچہ مستفید ہو رہے ہیں۔ ان مسائل کے ترک کر دینے کے بعد تمدن کے قیام اور شائستگی کے وجود کی بقا ہی نہیں رہ سکتی اس لیے دنیا کو ماننا پڑے گا کہ نبی ﷺ فی الواقع رحمۃ للعالمین تھے۔

البتہ اہلِ اسلام کے ساتھ نبی ﷺ کو التفاتِ خاص ہے اور یہ لوگ اس آفتابِ حقیقت سے زیادہ تر منور ہونے کی سعی کیا کرتے ہیں۔ اس لیے رب العالمین نے حضور ﷺ کی صفت میں فرمایا ہے: بالمؤمنین رءوف رحیم۔ دیکھو رحمت کے ساتھ یہاں رافت کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو نبی ﷺ کی رحمت و رافت سے استفاضہ کرتے ہیں۔

سُنتِ مُصطفویّہ

قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں حدیث ذیل بہ روایت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کی ہے اس سے نبی ﷺ کے محاسنِ اخلاق اور مکارم عادات کا وضوح بخوبی ہوتا ہے۔

مصنّف کا جو درجہ حدیث میں ہے، وُہ اُن کی کتاب اکمال شرح صحیح مسلم اور مشارق الانوار سے بخوبی نمودار ہے۔ نبی کریم ﷺ کے فضائل و شیم و خصائل کے بیان صحیح میں جو اُن کو شغف قلبی ہے، وُہ اُن کی کتاب الشفاء فی بیان حقوق المصطفٰے سے خوب واضح ہے۔ مصنّف کی ثقاہت اور امانت فی الدین توثیق حدیث کے لیے ملتمی ہے۔ معہذا جملہ کلمات وارده کی تطبیق دیگر روایات متعدّدہ سے ہوجاتی ہے۔

حدیث یہ ہے:۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سُنَّتِهٖ فَقَالَ: .	علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کا طریقہ (سُنّت) کیا ہے فرمایا:
اَلْمَعْرِفَةُ رَاْسُ مَالِيْ	معرفت میرا راس المال ہے۔
وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِيْنِيْ	عقل میرے دین کی اصل ہے۔
وَالْحُبُّ اَسَاسِيْ	محبت میری بنیاد ہے۔
وَالشَّوْقُ مَرْكَبِيْ	شوق میری سواری ہے۔
وَذِكْرُ اللّٰهِ اَنِيْسِيْ	ذکر الٰہی میری انیس ہے۔
وَالثِّقَةُ كَنْزِيْ	اعتماد میرا خزانہ ہے۔

وَالْحُزْنُ رَفِيْقِيْ	حزن میرا رفیق ہے
وَالْعِلْمُ سَلَاحِيْ	علم میرا ہتھیار ہے۔
وَالصَّبْرُ رِدَائِيْ	صبر میرا الباس ہے۔
وَالرِّضَا غَنِيْمَتِيْ	رضا میری غنیمت ہے۔
وَالْعِجْزُ فَخْرِيْ	عجز میرا فخر ہے۔
وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ	زُہد میرا حرفہ ہے
وَالْيَقِيْنُ قُوْتِيْ	یقین میری خوراک ہے
وَالصِّدْقُ شَفِيْعِيْ	صدق میرا ساتھی ہے
وَالطَّاعَةُ حَسْبِيْ	طاعت میرا بچاؤ ہے۔
وَالْجِهَادُ خُلُقِيْ	جہاد میرا خلق ہے۔
وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ.	اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(رحمۃ للعالمین ص ۱۹۹ ج ۳) از مولانا محمد سلیمان منصور پوریؒ

آلُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندانِ نرینہ تین اور دختران طاہرہ چار ہیں۔ ہر ایک کا جداگانہ مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے

(الف) ابناء النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ قاسم علیہ السلام

پہلے مولود ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں خدیجہ طاہرہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے پاؤں پر چلنا سیکھ گئے تھے کہ راہ گرائے عالم جاودانی ہوئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت "ابوالقاسم" انہی کے نام پر ہے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمایا کرتے کہ کوئی شخص حضورؐ کے نام اور کنیت کو اپنے لیے جمع کرے اور ابوالقاسم محمد کہلائے۔

بعض نے اس نہی کو زمانِ نبوی سے مختص قرار دیا ہے۔

۲۔ عبداللہ علیہ السلام

انہی[1] کا لقب طیب و طاہر ہے۔ مکہ معظمہ میں بعثتِ نبوۃ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ مکہ معظمہ ہی میں وفات پائی۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد اول ترجمہ: ہاشم کا ایک فرزند بطحا کی جانب جا کر چھپ گیا وہ لحد میں بہادروں کی بانگ و خروش کے ساتھ جا سویا موت نے اسے پکارا اور وہ چلا گیا۔ افسوس کہ موت نے اس کا نظیر بھی دنیا میں کوئی نہ چھوڑا اس کے دوست شام کے وقت اس کی لاش اٹھائے چلے اور از راہ محبت وہ نوبت بہ نوبت کاندھا دیتے تھے اور اس کے اوصاف باری باری بیان کرتے تھے خواہ موت نے اسے ہم سے دور ہی کر دیا ہو اس میں تو شک نہیں کہ وہ بہت زیادہ سخی اور غریبوں کا بہت زیادہ ہمدرد تھا۔

[2] میرا ذاتی خیال ہے کہ اس مولود مسعود کا لقب "طیب" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تھا اور لقب "طاہر" سیدہ خدیجہؓ کی جانب سے۔ (مصنف) [3] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے [4] سلمیٰ سیدہ صفیہ مادر زبیر رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی ہیں۔ سیدہ فاطمہ بتول کے تمام بچوں کی قابلہ بھی یہی ہیں سیدہ بتول کے غسل میں بھی مع اسماء بنت عمیس شامل تھیں۔ غزوہ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔

انہی کی وفات پر سورۂ کوثر کا نزول ہوا تھا۔ کفار سمجھتے تھے کہ فرزند کے نہ بچنے سے اب کوئی محمد کا نام لیوا نہیں رہا۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ زبور ۴۵۔۱۷ حضور ہی کی شان میں ہے "میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا، پس سارے لوگ ابدالآباد تیری ستائش کریں گے" زبور ۷۲۔۱۷ بھی حضور کی شان میں ہے "اس کا نام ابد تک باقی رہے گا جب تک آفتاب رہے گا، اس کے نام کا رواج رہے گا۔ لوگ اس کے باعث اپنے تئیں مبارک کہیں گے، ساری قومیں اسے مبارک باد دیں گی" زبور ۷۲۔۱۵ بھی حضور ہی کی شان میں ہے "اس کے حق میں سدا دعا ہو گی ہر روز اس کی مبارکباد کہی جائے گی۔

انہی بشارات صحف سابقہ اور اعلان قرآن مبین کا اثر ہے کہ ان کافروں کا نام بھی آج کوئی نہیں لیتا۔ جن کو اپنی اولاد کا غرور تھا بلکہ ان کی نسل کا کوئی بچہ بھی اپنی نسبت وہاں تک نہیں پہنچاتا، لیکن حضورؐ کا ذکر خیر اور اسم ہمایوں اذان و تکبیر تشہد و صلوٰۃ، درود و کلمہ طیبہ میں زبانوں پر جاری اور دلوں پر حاوی ہے۔

۳۔ ابراہیم علیہ السلام

مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ولادت کی اطلاع ابو رافعؓ نے جو سلمیٰؓ دایہ کا شوہر تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچائی تھی۔ حضور نے اسے ایک غلام عطا فرمایا اور بچہ کا نام اپنے جد بزرگوار خلیل الرحمٰن کے نام پر "ابراہیم" رکھا۔ ام بردہ بنت المنذر بن زید الانصاری نے جو براء بن اوس انصاری کی زوجہ ہیں ان کو دودھ پلایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام بردہ کو ایک قطعہ نخلستان عطا فرمایا تھا۔

سیدنا ابراہیمؑ کے ابھی ایام رضاعت باقی تھے کہ حوریان فردوس کی چھاتیوں کا شیر پینے کو خلد بریں جا سدھارے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب آخری وقت میں ان کو دیکھا تو وہ سانس چھوڑ رہے تھے۔ حضور نے ان کو گود میں اٹھایا اور زبان سے فرمایا:

یا ابراهیم لا نغنی عنك من الله شیئاً	ابراہیم حکم الٰہی کے سامنے ہم تیرے کس کام آسکتے ہیں

پھر ارشاد فرمایا:

لولا انه أمرٌ حق و وعدٌ صدق	ہم جانتے ہیں کہ موت تو امر حق اور وعدہ صدق ہے ہم جانتے

وَاَنَّ آخرنا سیلحق اَوّلنا لحزنا عَلَیْکَ حزنا ھو اشد من ھذا وانا بک یا ابراھیم لمحزونون تبکی العین و یحزن القلب ولا نقول ما یسخط الرب.

ہیں کہ پیچھے رہ جانے والے بھی پہلے جانے والوں کے ساتھ جا ملیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تب ہم ابراہیم کا الم اس سے بھی زیادہ کرتے۔ آنکھیں نم ہیں۔ دل میں غم ہے مگر ہم کوئی بات ایسی نہ کہیں گے جو رب کو ناپسند ہو۔

اتفاق یہ ہوا کہ جس روز سیدنا ابراہیمؑ کا انتقال ہوا اس روز سورج گرہن بھی ہوا[1]۔ قدیم عرب کا اعتقاد تھا کہ کسوف و خسوف کسی بڑے آدمی کی موت سے ہوا کرتا ہے، اب اس واقعہ پر کچھ مسلمان بھی کہنے لگے کہ سورج ابراہیم کی موت سے گہنا یا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا تو یہ خطبہ دیا۔

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَصَلُّوا[2]

سورج، چاند کسی بھی انسان کی موت سے نہیں گہناتے وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جب تم گہن دیکھو تو نماز پڑھا کرو۔

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں،

قَدْ كَانَ مَلَاءَ مَهْدِهٖ وَلَوْ بَقِيَ لَكَانَ نَبِيًّا وَلٰكِنْ لَمْ يَكُنْ يَبْقٰى لِاَنَّ نَبِيَّكُمْ آخِرُ الْاَنْبِيَاءِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ابراہیم سے پنگھوڑا بھرا بھرا نظر آتا تھا، اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔ مگر زندہ کیسے رہتا، ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آخرین نبی ہیں۔

ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ ہیں:

مَاتَ وَهُوَ صَغِيْرٌ وَلَوْ قُدِّرَ اَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيٌّ لَعَاشَ وَلٰكِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وہ بچپن ہی میں مر گیا اگر تقدیر الٰہی میں یہ ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی ہو تو وہ زندہ ضرور رہتا لیکن کے بعد تو کوئی بھی نبی نہیں۔

سیدنا ابراہیمؑ کی والدہ ماریہ خاتون ہیں جو قبطی نسل سے ہیں جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے ہم عصر شاہ مصر نے ہاجرہ خاتون کو پیش کیا تھا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم عصر شاہِ مصر نے ماریہ خاتون کو خدمت نبویؐ میں بھیجا اس مثال میں فرق ہے تو اس قدر کہ حضرت ابراہیمؑ کا ہم عہد بت پرست و جبار تھا اور نبی کا ہم عصر ایک پابند مذہب عیسائی

---

[1] صحیح بخاری عن المغیرہ کتاب الکسوف۔ [2] صحیح بخاری عن ابن مسعود۔ کتاب الکسوف۔

باشندگان مصر بھی ان دنوں میں عیسائیت کی تحقیقات میں بہت منہمک تھے۔ اس واقعہ سے وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو داؤد علیہ السلام کی معرفت دی گئی تھی: "بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والیوں میں ہیں بلکہ اوفیر کی سونے سے آراستہ ہو کے تیرے داہنے ہاتھ[1] کھڑی ہے" زبور ۴۵-۹ نیز یہ بشارت پوری ہوئی "ترشیس[2] اور جزیروں کے سلاطین نذریں لائیں گے اور سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے گزرانیں گے" زبور ۷۲-۱۰

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ واقدی اور ابن سعد نے ولادت ابراہیم ۸ھ اور وفات ۱۰ ربیع الاول ۱۰ھ تحریر کی ہے، اس پر ان کا بھی اتفاق ہے کہ یوم وفات کو سورج گرہن[1] تھا۔

بنات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں چار ہیں۔ چاروں خدیجۃ الکبریٰ کے بطن طاہرہ سے ہیں[2] اور سب کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی۔

۱۔ زینبؓ جو قاسم سے چھوٹی اور دیگر اولاد النبیؐ سے بڑی ہیں؛

۲۔ رقیہؓ جو زینبؓ سے چھوٹی ہیں؛

۳۔ ام کلثومؓ جو رقیہؓ سے چھوٹی ہیں؛ ۴۔ فاطمہؓ جو ام کلثومؓ سے چھوٹی ہیں؛

یہ امر قرآن مجید ہی سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں ۳ یا ۳ سے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِینَ ۔ (۳۳، ۵۹) آیت بالا نے عہد

---

[1] داہنے ہاتھ کے الفاظ پر غور کرنا چاہیئے یہ "ملک یمین" کا ترجمہ ہے۔ سب مورخین ماریہ قبطیہ کو ملک یمین بتاتے ہیں پیشگوئی بالا میں پہلے سے بتایا گیا ہے کہ وہ شہزادی ہوں گی اور ان کا آنا ملک یمین کی شان میں ہوگا۔

[2] ترشیس صوبہ حلب کے قدیم شہر کا نام ہے سبا سے ملک یمن کی آبادیں اور سیبا سے ملک مصر کی آبادیں مراد ہیں۔ غور کرو ان سب کا اجتماع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ہوتا ہے۔

[1] ۲۸ شوال ۱۰ھ کے بعد کوئی کسوف بحیات نبوی صلعم واقع نہیں ہوا۔

[2] اصول کافی ص ۲۷۸ نول کشور الشیخ ابی جعفر محمد بن یعقوب الکلینی الرازی المتوفی شعبان ۳۲۹ھ ہجری

نبویؐ کی مومنات کو تین اقسام پر منقسم فرمایا (۱) ازواج النبیؐ (۲) نبات النبیؐ (۳) نساء المومنین۔ یہ مسلمہ ہے کہ لفظ بنات جمع بنت کی ہے اور عربی زبان میں صیغہ جمع دو سے اوپر کے لیے ہے :

اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ احزاب۔ میں پھر یہ بھی فرمایا ہے :

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (۳۳ : ۵) ان کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو یہی بات اللہ کے نزدیک سچ اور انصاف کی ہے۔

یہ حکم ایسے اشخاص کے متعلق ہے جن کو لوگ ان کے اصل باپوں کے سوا کسی دیگر تربیت کنندہ کی ابنیت کی نسبت سے کر بلایا کرتے تھے۔

یہ امر سچ اور انصاف سے بعید ہو تا کہ اللہ عزوجل نے خود ہی تو احزاب آیت ۵ میں یہ حکم دیا کہ ہر ایک کو اس کے اصل باپ کے نام سے بلایا کرو اور پھر خود اللہ تعالیٰ ہی جو اصدق الصادقین ہے، اسی سورۃ قرآنی کے آخری رکوع میں ایسی لڑکیوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں بتاتا جو دراصل حضورؐ کے خون سے نہ ہوتیں، حالانکہ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل و برہان یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔

اس کلام محکم پر یہ قیاس نہیں چل سکتا کہ شاید بیویوں کی بیٹیوں کو مجازاً نبات کہہ دیا گیا ہو کیوں کہ حقیقت کے سامنے مجاز کی کیا وقعت ہے اور منطوق الٰہی کے سامنے قیاس انسانی کیا منزلت۔

لہٰذا عربی زبان ایسی وسیع ہے کہ بیویوں کی بیٹیوں کے لیے الگ لغت موجود ہے۔ خود قرآن پاک نے ایسی لڑکیوں کے لیے لفظ ربائبؓ استعمال کیا ہے۔ لفظ نبات نہیں۔ الغرض کلام اللہ کے لفظ بَنٰتٌ قدرِ آگے گا یہی صیغہ ولادت سیدابراہیمؑ کا تھا۔ اس تحقیقات سے دیگر سب مختلف روایتوں کا ضعف نمایاں ہو جاتا ہے، جو سیدنا ابراہیمؑ کی عمر اور تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کے متعلق ہیں۔

لہ نبی ﷺ کے ربائبؓ میں ام المومنین ام سلمہ کی لڑکیاں درہ، زینب۔ ام کلثوم اور ام المومنین ام حبیبہ کی دختر حبیبہ ہیں دیگر ازواج النبی میں سے کسی کے پہلے شوہر سے کوئی لڑکی نہ تھی۔ اب یہ بھی یاد رکھو کہ ام المومنین ام سلمہ کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۴ھ میں ہوا ہے اور ام المومنین ام حبیبہؓ کا نکاح ۶ھ ہجری میں اس لیے مندرجہ بالا لڑکیوں کو ربائب ہونے کا درجہ ۴ھ سے پیشتر حاصل نہ تھا اور سیدہ زینب بنت النبی کا مذکور جنگ بدر کے (جو ۲ھ میں ہوئی) فدیہ اسیران میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ خدیجۃ الکبریٰ کا ہار اپنے شوہر کی رہائی کے لیے بھیجا تھا۔ اور ام کلثوم و رقیہ بنات النبی کا ذکر واقعات قبل از ہجرت میں ابولہب کے خاسرانہ اعمال میں آتا ہے پھر ان ہر سہ بنات النبی کا انتقال حیات نبوی میں ہوا مگر مذکورہ بالا ربائب ارتحال نبوی کے بعد دیر تک اپنے اپنے گھروں میں آباد تھیں جس کی تفصیل ان کے حالات میں ملتی ہے

صحیح مسلم کی حدیث من انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں ہے کہ سورۂ کوثر کا نزول ان کے سامنے ہوا تھا۔ اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سورۂ کوثر کا نزول مکرر مدینہ طیبہ میں بھی ہوا اور اس کا وقت غالباً وفات سیدنا ابراہیمؑ کا زمانہ ہی ہو سکتا ہے۔

ابراہیمؑ کی وفات پر منصب نبوۃ کی شان کو بھی دیکھو۔ سانس چھوڑتے بچہ کو گود میں اٹھایا تو لا نُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا کی کیسی زبردست تعلیم توحید دی ہے۔

موت پر صبر کے لیے کیسے عجیب دلائل، امر صدق، وعدہ حق اور اللاحق آخر با ول کی فرماتے ہیں۔ پھر دلی رنج اور رضائے الٰہی کا ذکر فرما کر انسان کی کمزوری اور ایمان کی طاقت وقوت کا بیان فرمایا ہے۔

ذرا غور کرو کہ اصلاح عقیدہ مرحوم کا فرض کس قدر جلد غم فرزند پر غالب آجاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسی سرعت وآمادگی سے وعظ ونصیحت میں مصروف ہو جاتے ہیں جب عام طور پر ایسی سوانح ومصائب میں لوگ اپنے آپ کو غمزدہ تصور کر کے بصورت ماتم بیٹھ جایا کرتے ہیں (واللہ حجۃ البالغہ)

اب ہم ہر ایک بنت النبی کا جداگانہ ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

جب سیدہ زینب پیدا ہوئیں تو اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۳۰ سال کی تھی۔ ان کا نکاح مکہ ہی میں ابو العاص بن ربیع بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی سے ہوا تھا۔ ابو العاص کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی سگی بہن ہیں۔ یہ نکاح خدیجہ الکبریٰؓ کے سامنے ہوا تھا۔

سیدہ زینبؓ اپنی والدہ کے ساتھ ہی داخل اسلام ہو گئی تھیں، مگر ابو العاص کا اسلام تاخیر میں رہا۔ جنگ بدر میں ابو العاص قریش کی جانب سے تھے۔ ان کو عبد اللہ بن نعمان انصاری نے اسیر کیا تھا۔ سیدہ زینبؓ نے ان کے فدیہ میں اپنا وہ ہار بھیجا تھا جو خدیجۃ الکبریٰؓ نے بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔

ابتدائے ایام نبوت میں کافران مکہ نے ابو العاص کو بہت اکسایا کہ وہ زینبؓ کو طلاق دے دے، مگر اس نے ہمیشہ انکار ہی کیا۔ ایک موقع پر نبی ﷺ نے ابو العاص کے اس فعل کی توصیف شکر گذاری کے ساتھ فرمائی تھی۔

ابو العاص نے اسیری بدر سے رہائی پاتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کر لیا تھا کہ سیدہ زینب کو ہجرت کی اجازت دے دے گا۔ چنانچہ سیدہ اپنے والد مکرم کی خدمت اقدس میں پہنچ گئیں۔ سفر ہجرت

میں سیدہ زینب کی مزاحمت ہبار بن[1] الاسود نے نیزہ تان کر کی تھی اس صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی منقبت میں فرمایا ہے؛

هِيَ اَفْضَلُ بَنَاتِيْ اُصِيْبَتْ فِيَّ [2] — یہ میری بیٹیوں میں افضل ہے میرے لیے اسے مصیبت پہنچی۔

ابو العاص کو سیدہ زینب رض سے بہت محبت تھی، ان کی مدح میں ابو العاص کے یہ دو شعر ہیں؛[3]

ذکرت زینب لما رکبت ارما — فقلت سقیا لشخص یسکن الحرما

بنت الامین جزاها الله صالحة — وکل بعل سیثنی بالذی علما

ابو العاص سنہ ۶ھ میں تجارت کے لیے شام گئے تھے اس وقت قبیلہ قریش مسلمانوں کا فریق جنگ تھا اس لیے ابو بصیر و ابو جندل کے ہمراہی مسلمانوں نے جو اسلام لانے کے جرم میں قریش کی قید میں رہ چکے تھے اور اب سرحد شام پر ایک پہاڑ پر جا گزیں تھے اس قافلہ کا تمام سامان ضبط کر لیا، مگر ابو العاص کو گرفتار نہ کیا۔ ابو العاص وہاں سے سیدھا مدینہ طیبہ پہنچا، نماز صبح کے وقت مسجد میں سیدہ زینب رض کی یہ آواز مسلمانوں کے کان میں پڑی:

اِنِّيْ قَدْ اَجَرْتُ اَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِيْعِ — میں ابو العاص بن ربیع کو پناہ دیتی ہوں۔

یہ آواز اس وقت سنی گئی جب مسلمان نماز میں داخل ہو چکے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا؛

لوگو! تم نے بھی کچھ سنا، جو میں نے سنا ہے۔ سب نے عرض کی ہاں۔ فرمایا:

اَمَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا عَلِمْتُ بِشَيْءٍ كَانَ حَتّٰى سَمِعْتُ مِنْهُ مَا سَمِعْتُمْ اِنَّهٗ يُجِيْرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اَدْنَاهُمْ۔ — خبردار! مجھے اس سے پہلے کچھ بھی علم نہ تھا میں نے یہ آواز تمہارے ساتھ ہی سنی ہے اور پناہ دینے کا حق تو ادنیٰ مسلمان کو بھی حاصل ہے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں بیٹی کے پاس گئے اور اسے فرمایا؛

اَيْ بُنَيَّةَ اَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ وَلَا يَخْلُصَنَّ اِلَيْكِ فَاِنَّكِ لَا تَحِلِّيْنَ لَهٗ۔ — بیٹی! ابو العاص کو عزت سے ٹھہراؤ، خود اس سے الگ رہو تو اسے حلال نہیں۔

---

[1] ہبار بن الاسود فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مندرجہ بالا جرم معاف فرما دیا تھا۔

[2] زرقانی ج ۳ ص ۱۹۵ بروایت طحاوی و حاکم [3] مجھے زینب یاد آئی تو میں نے کہا کہ حرم کا ہر ایک باشندہ سرسبز و شاداب رہے زینب تو امین کی بیٹی صالح ہے اور ایک شوہر اپنی ایسی بیوی کی تعریف ہی کرے گا جیسے اوصاف کہ مجھے اس کے معلوم ہیں

سیدہ زینبؓ نے عرض کیا کہ وہ تو مال قافلہ واپس لینے کو آیا ہے، تب نبی صلی علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں میں یہ تقریر فرمائی:

اِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ مِنَّا بِحَيْثُ عَلِمْتُمْ وَقَدْ اَصَبْتُمْ لَهٗ مَالًا وَّهُوَ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْكُمْ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ تُحْسِنُوْا وَتَرُدُّوْا اِلَيْهِ مَالَهُ الَّذِيْ لَهٗ وَاِنْ اَبَيْتُمْ فَاَنْتُمْ اَحَقُّ بِهٖ

اس شخص کا جو تعلق ہم سے ہے وہ تم جانتے ہی ہو تم کو اس کا مال ہاتھ لگ گیا ہو تو یہ داد الٰہی ہے۔ مگر میں پسند کرتا ہوں کہ تم اس پر احسان کرو اور مال واپس کر دو، لیکن اگر تم اس سے انکار کرو گے تو میں سمجھتا ہوں کہ تم زیادہ حق دار ہو۔

لوگوں نے سارا مال حتیٰ کہ اونٹ کی نکیل کی رسی بھی واپس کر دی۔ ابوالعاص سارا مال لے کر مکہ پہنچا اور ہر ایک شخص کی ذرا ذرا چیز ادا کر دی۔ پھر دریافت کیا کہ کسی شخص کا کچھ رہ گیا ہو تو بتا دے۔ سب نے کہا خدا تجھے جزائے خیر دے تم تو وفی و کریم نکلے۔ تب ابوالعاص نے کلمہ شہادت پڑھا اور فرمایا کہ اب تک مجھے یہی خیال اسلام سے روکتا رہا کہ کوئی شخص مجھے مال مار لینے کا الزام نہ دے۔ اب میری ذمہ داری نہ رہی۔ تو میں خلعتِ اسلام سے ملبس و مزین ہوتا ہوں۔ اور مدینہ کو روانہ ہوتا ہوں۔ وہ مدینہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ سال کی مفارقت کے بعد نکاح اول ہی پر سیدہ زینبؓ کو ابوالعاص کے گھر رخصت کر دیا۔

سیدہ زینبؓ کا انتقال ۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا، ان کے غسل میت کی کیفیت مشہور شیر دل صحابیہ ام سلیطؓ نے بیان کی ہے۔ یہ روایت صحیحین میں موجود ہے۔

ابوالعاص نے بماہ ذی الحجہ ۱۲ھ وفات پائی۔ ان کا لقب جرو البطحاء تھا۔

سیدہ زینبؓ کے بطن سے ایک فرزند علی ایک دختر امامہ نام پیدا ہوئی تھی۔

علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سبط الرسول کو ابوالعاص نے رضاعت کے لیے ایک قبیلہ میں چھوڑ رکھا تھا نبی ﷺ نے ان کو ایام رضاعت کے بعد مدینہ منگوا لیا اور ان کی پرورش اپنی تربیت میں فرمائی۔ فتح مکہ کے دن یہی علی سبط الرسول نبی ﷺ کے ناقہ پر حضور کے ردیف تھے۔

---

[1] ابوبصیر قریشی تھے۔ اسلام لائے، قریش نے نبی ﷺ سے زیر معاہدہ حدیبیہ ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حوالہ کر دیا۔ یہ راہ میں سے بھاگ گئے اور ابوجندل کے پاس جا ٹھہرے۔ جب ابوجندل کے پاس نبی ﷺ کا فرمان بابت واپسی سامان ابوالعاص پہنچا، تب یہ (ابوبصیر) بستر مرگ پر تھے۔ نامۂ نبوی ہاتھ میں لیا اسے دیکھتے دیکھتے آنکھیں بند کر گئے۔ اسی پہاڑی پر مدفون ہوئے۔ ابوجندل کا حال رحمۃ للعالمین جلد اول ص ۲۱۲ ملاحظہ کرو۔ عہد فاروقی میں وہ غازیان شام میں شامل تھے۔

ہنوز عنفوان بلوغ تھا کہ رخت بخش علیین ہوئے [1]

صحیح بخاری کی حدیث عن اسامہ بن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہما میں ہے [2]۔ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں تھے کہ حضور کی ایک لڑکی کا خادم آیا کہ وہ حضور کو بُلا رہی ہیں ۔ اور ان کا فرزند بسترِ موت پر ہے ۔ فرمایا، جاؤ لڑکی سے کہہ دو :

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی ۔ خدا ہی کا ہے جو کچھ وہ واپس لیتا ہے یا عطا کرتا ہے اور اس کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے ۔

لڑکی سے یہ بھی کہ دینا کہ صبر و شکیب قائم رکھے ۔ خادم پھر واپس آیا، کہا وہ حضور کو قسم دیتی ہیں کہ حضور ضرور تشریف لائیں ۔ نبی ﷺ چل پڑے ۔ حضور کے ساتھ سعد بن عبادہؓ اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے ۔ حضورؐ کو بچہ دکھایا گیا وہ اس وقت سانس توڑ رہا تھا اور سسکیاں بھر رہا تھا ۔

غالباً یہ حدیث علی سبط الرسول ہی کی وفات کے متعلق ہے ۔

امامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی وہ پیاری نواسی ہیں جن کو گود میں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز پڑھی تھی ۔ یہ حدیث صحیح مسلم و نسائی و ابو داؤد میں ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ایک بار ان کو اَحَبُّ اَھْلِیْ اِلَیَّ [3] فرمایا ہے ۔

سیدہ فاطمہ بتول رضؓ نے علی مرتضیٰؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ امامہ کو اپنے نکاح میں لے لیں ۔ اس وصیت پر عمل کیا گیا ۔ پھر جب مولا علیؓ مجروح ہوئے تو آپ نے امامہؓ کو وصیت فرمائی کہ اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو مغیرہ بن نوفل سے

جو حارث عم النبی ﷺ کے پوتے تھے کرلیں ۔ وصیت پر عمل کیا گیا اور امیر المؤمنین حسنؓ کی اجازت سے نکاح ثانی پڑھا گیا ۔ مغیرہ کے ہاں سیدہ امامہؓ کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا ۔ یحییٰ نام تھا ۔ یہ نسل دنیا سے ناپید ہو چکی ہے ۔

۲۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دوسری بیٹی ہیں جو حضورؐ کی ۳۳ سالہ عمر میں پیدا ہوئیں ۔ ان کا نکاح مکہ ہی میں حضرت

---

[1] ماخذ الاستیعاب ہے ۔ [2] کتاب التوحید ۔

[3] اہل بیت میں میری سب سے زیادہ پیاری ہے ۱۲

عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا۔ اس وقت یہ بات مکہ بھر میں مشہور تھی اَحْسَنَ زَوْجَیْنِ رَاٰھُمَا اِنْسَانٌ رُقَیَّۃُ وَزَوْجُھَا عُثْمَانُ ۔ (سب سے اچھا جوڑا جو دیکھا گیا ہے۔ وہ رقیہؓ و عثمانؓ ہیں)

اس نکاح پر سُعدیٰ بنت کرز العبشیہ صحابیہ کے یہ اشعار ہیں ۔

لہ حضرت عثمان کا نسب نامہ یہ ہے: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی (دیکھو نسب نامہ نبوی سلسلہ ۵) ان کی نانی ام حکیم بیضا ء ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔ یہ ان دس میں سے ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت جنت نام بنام دی تھی۔ نیز ان چھ میں سے ہیں جن کو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وصیت میں شایان خلافت بتایا تھا صلح حدیبیہ کے وقت بیعت رضوان جس کا مہتم بالشان ذکر قرآن مجید میں ہے، کا وقوع اس لیے ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش نے حضور کے سفیر عثمانؓ کے ساتھ بدسلوکی کی ہے اس بیعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ بتا کر ان کی طرف سے بیعت قبول فرمائی تھی اس نظارہ کو دیکھ کر بے اختیار ایک صحابی بول اٹھا تھا عثمانؓ کے لیے نبیؐ کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حضرت عثمانؓ نہایت فیاض تھے اور جہاد بالمال میں سب صحابہ سے پیش پیش رہتے تھے۔ مدینہ میں بیر رومہ کا نصف بارہ ہزار میں پھر باقی اٹھارہ ہزار درہم میں لے کر مسلمانوں کے لیے آب خیرات کا چاہ وقف کیا تھا۔ غزوہ تبوک میں ایک ہزار شتر اور ستر گھوڑے مع ساز و سامان دیے تھے۔ نقد چندہ اس کے علاوہ تھا۔ غزوہ خیبر میں وہ کیمپ افسر تھے۔ لشکر غطفان کو یہود سے علیحدہ رکھنے اور شامل نہ ہونے دینے کی ذمہ داری ان پر تھی حضرت عثمانؓ شنبہ غرہ محرم ۲۴ھ کو خلیفہ اور امیر المومنین ہوئے اور ۱۸ ذی الحجہ جمعہ ۳۵ھ ہجری کو اپنے ہی گھر میں دار الہجرۃ مدینہ طیبہ کے اندر بھوکے پیاسے شہید ہوئے اس وقت ۸۰ سال کی عمر تھی۔ جب ان کی خبر شہادت علی مرتضیٰ کو مسجد نبوی میں پہنچی تو انہوں نے فرمایا تبا لکم اخر الدھر (اب تم پر ہمیشہ تباہی ہی آئے گی، علی مرتضیٰ ہی کا ارشاد ہے مَنْ تَبَرَّأَ مِنْ دِیْنِ عُثْمَانَ فَقَدْ تَبَرَّأَ مِنَ الْاِیْمَانِ ۔ جو کوئی عثمانؓ کے دین سے بیزار ہے۔ وہ ایمان ہی سے بیزار ہے۔ الاستیعاب)

حضرت عثمانؓ کو مصر وغیرہ کے نومسلم قبائل نے شہید کیا تھا اس قوم باغی نے حضرت علی کو مجبور کیا کہ وہ باغیوں کے مطالبات حضرت عثمانؓ تک پہنچائیں اس وقت حضرت علیؓ نے جو تقریر فرمائی اس کے فقرات یہ ہیں:

وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ مَا اَقُوْلُ لَکَ مَا اَعْرِفُ شَیْئًا	بخدا! میں نہیں جانتا کہ آپ سے کیا کہوں، میں کوئی ایسی بات
تَجْھَلُہٗ وَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی اَمْرٍ لَا تَعْرِفُہٗ اِنَّکَ لَتَعْلَمُ	نہیں جانتا جس کی آپ کو خبر نہ ہو۔ میں کوئی امر ایسا نہیں بتا سکتا جس
مَا نَعْلَمُ مَا سَبَقْنَاکَ اِلٰی شَیْءٍ فَنُخْبِرَکَ عَنْہُ	سے آپ واقف نہ ہوں۔ جتنا کہ علم ہم کو ہے اتنا آپ کو ہے ہم نہ
وَلَا خَلَوْنَا بِشَیْءٍ فَنُبَلِّغَکَ ھُوَ وَقَدْ رَاَیْتَ	آپ پر کسی شے میں سبقت رکھتے ہیں جس کی خبر آپ کو دیں، نہ

كَمَا رَأَيْنَا وَسَمِعْتَ كَمَا سَمِعْنَا وَصَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ
كَمَا صَحِبْنَاهُ وَمَا ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ وَلَا ابْنُ الْخَطَّابِ
أَوْلَى بِعَمَلِ الْحَقِّ مِنْكَ وَأَنْتَ أَقْرَبُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشِيْجَةَ رَحِمٍ مِنْهُمَا وَ
قَدْ نِلْتَ مِنْ صِهْرِهِ مَا لَمْ يَنَالَا۔

(نہج البلاغۃ ص۱۳۵ چاپ دار السلطنت تبریز ۱۲۶۷ھ)

آپ سے علیحدہ کچھ نہیں سیکھا جس کی اب تبلیغ کر سکیں جو کچھ ہم نے دیکھا وہ آپ نے دیکھا۔ جو ہم نے سنا وہ آپ نے سنا۔ آپ رسول اللہ صلعم کی صحبت میں رہے جیسے ہم رہے اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی عمل حق میں آپ سے اولیٰ نہ تھے۔ آپ ان دونوں سے بڑھ کر نبی صلعم سے قرابت داری رکھتے ہیں۔ آپ کو نبی صلعم کے داماد ہونے کی عزت حاصل ہے جو ان دونوں کو نہ تھی۔

حضرت عبداللہ بن سلام صحابی نے جن کو قرآن مجید میں عالم الکتاب بتایا گیا ہے۔ فرقہ باغیہ سے فرما دیا تھا کہ اگر تم نے عثمانؓ مظلوم کو شہید کیا تو پھر ہمیشہ کے لیے اسلام میں تلوار چلتی رہے گی اس وقت اس ارشاد کی وقعت نہ کی گئی، لیکن بعد میں جتنے بھی ہولناک واقعات اہل اسلام میں ہوئے وہ اسی گناہ عظیم کی شامت ہیں کہ خلافت عظمیٰ اور حرم نبوی اور شہر الحرام کی حرمات کو برباد کیا گیا اور اس لیے آئندہ کسی بڑی سے بڑی شے کی حرمت و عزت بھی بغاوت کرنے والوں کی نظر میں قائم نہ رہ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ امیر المومنین عثمانؓ کا قاتل شقی رومان ہے جو اسی قبیلہ مراد کا ہے جس قبیلہ سے ابن ملجم شقی قاتل امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔

جب عثمان شہیدؓ پر حملہ کیا گیا تو اس وقت وہ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے اور اسی طرح مصروف رہے ان کے نیزہ لگایا گیا خون جو جسم سے نکلا وہ قرآن مجید پر پڑا اور آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر خون کے چھینٹے گرے (تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیشین گوئی کیونکر پوری ہوئی)

امیر المومنین عثمان شہیدؓ مظلوم بلحاظ خلافت بڑے کامیاب خلیفہ تھے۔ آج جو کوئی شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اس پر اس جامع قرآن کا احسان ہے۔ بہ لحاظ فتوحات و ترقی دائرہ اسلام ان کے عہد میں بہت اضافہ ہوا۔

مشرق میں علاقہ جات: خراسان، ماوراء النہر، ترکستان، سندھ اور کابل

مغرب میں: سوڈان، سکندریہ، مراکو، تیونس، طرابلس۔ الغرب فتح ہوئے۔

سب سے پہلے انہوں نے بحری بیڑا بنایا جس سے ہرقل کے بیڑا کو تباہ کیا اور پھر بڑے آباد جزائر فتح کیے۔ قبرص کریٹ، مالٹا وغیرہ انہی کے فتح کردہ جزیرے ہیں:

نبی ﷺ کے شاعر خاص کعب بن مالکؓ کے اشعار ان کی شہادت پر یہ ہیں:

یا قاتل اللہ قوما کان امرہم — قتل الامام الزکی الطیب الردن
ما قتلوہ علی ذنب الم بہ — الا الذی نطقوا زورا ولم یکن

ہندوستان میں عثمان شہیدؓ کی نسل کثیر پائی جاتی ہے اور دیگر جملہ اسلامی ممالک میں بھی۔

خواجہ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی، بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ شمس العلماء مولوی رحمت اللہ مہاجر مصنف ازالۃ الاوہام وغیرہ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسی دودمان عالی سے ہیں۔ محمد سلیمان

هدی الله عثمان الصفی بقولہ — فارشدہ واللہ یھدی الی الحق
فبائع بالرای السدید محمدا — وکان ابن اروی لا یصدعن الحق
وانکحہ المبعوث احدی بناتہ — فکان کبدر مازج الشمس فی الافق
فداؤک یا ابن الہاشمئین مھجتی — فانت امین اللہ ارسلت فی الخلق

سیدہ رقیہؓ وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے ہجرت فی سبیل اللہ کی سنت کو اپنے شوہر کا ساتھ دے کر قائم کیا اور ہر ایک ہجرت کرنے والے کے لیے شاہ راہ ہدایت کا افتتاح ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے فرمایا تھا حاکم نے یہ حدیث ان کی منقبت میں روایت کی ہے۔

اِنَّھُمَا لَاَوَّلُ مَنْ ھَاجَرَ بَعْدَ لُوْطٍ وَّ اِبْرَاھِیْمَ — لوط وابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جنھوں نے راہ خدا میں ہجرت کی ہے۔

سیدہ رقیہؓ کے ۲ھ میں چیچک نکلی اور اسی مرض میں ان کا ارتحال ہوا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنگ بدر کو تشریف لے جا رہے تھے اس وقت سیدہ صاحب فراش تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تیمارداری کے لیے عثمان غنی اور اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مدینہ طیبہ میں چھوڑا تھا۔ زید بن حارثہ جس روز فتح کی بشارت لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت سیدہ کی تدفین ہو رہی تھی عمر بوقت وفات اکیس سال تھی۔

سیدہ کے بطن سے ایک فرزند عبداللہ تھا:

عبداللہ سبط رسولؐ اپنی والدہ کے بعد دو سال تک زندہ رہے ان کی عمر چھ سال کی تھی کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ کے قریب ٹھونگ ماری زخم پک گیا، آخر یہ والدہ کی یادگار بھی آغوش مادر میں جا سویا۔

۳- سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری دختر ہیں ۳ھ ہجری میں ان کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ اسی لیے ان کو ذوالنورین کا خطاب ملا، کیوں کہ ختمیت پناہی کے دو جگر گوشے یکے بعد دیگرے ان کے سکینۂ قلب بنائے گئے۔

ام کلثوم کے نکاح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کو بلا کر فرمایا، یہ جبریلؑ ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ خدائے بزرگ کا حکم ہے کہ میں اپنی دوسری بیٹی تجھ سے بیاہ دوں۔

جن دنوں سیدہ رقیہؓ کا انتقال ہوا تھا انہی دنوں عمر فاروقؓ کی دختر حفصہؓ بھی رانڈ ہو گئی تھیں، عمر فاروقؓ نے عثمان غنیؓ سے اپنی لڑکی کا ذکر کیا انہوں نے انکار سا کر دیا۔ عمر فاروقؓ نے اپنے رنج کا اظہار نبیؐ سے کیا تو حضور نے فرمایا:

اَلَا اَدُلُّ عُثْمَانَ عَلٰی مَنْ هُوَ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْهَا وَ اَدُلُّهَا عَلٰی مَنْ هُوَ خَیْرٌ لَّهَا مِنْ عُثْمَانَ

عثمان کو حفصہ سے بہتر زوجہ ملے گی اور حفصہ کو عثمان سے بہتر شوہر ملے گا۔

اس ارشاد کے بعد حفصہ بنت فاروق کو ام المومنین ہونے کا شرف عطا ہوا اور عثمان غنی کو ذوالنورین بننے کی عزت حاصل ہوئی۔

سیدہ ام کلثوم کے اولاد نہیں ہوئی۔ ۹ھ میں ان کا انتقال ہوا علی مرتضیٰؓ و فضل بن عباسؓ اور اسامہ بن زیدؓ نے مراسم تدفین پورے کیے۔

صحیح بخاری میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلعم ام کلثومؓ کی قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضورؐ کی ہر دو چشمان نورانی میں پانی تھا۔

۴۔ سیدۃ النساء العالمین فاطمہ علیہا السلام

خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے نبی ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں، ان کی ولادت غالباً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارکہ کے اکتالیسویں سال میں ہوئی[1]

سیدہ ابھی بچی ہی تھیں کہ نبی ﷺ کعبہ میں نماز پڑھنے گئے وہاں بہت سے کفار قریش موجود تھے۔ جب حضورؐ سجدہ میں گئے تو عقبہ بن معیط نے اونٹ کی اوجھ حضورؐ کی پیٹھ پر لا رکھی۔ حضورؐ اسی طرح سجدہ میں تھے کہ حضرت فاطمہؓ آئیں انہوں نے باپ کی پشت سے اوجھ کو گرا دیا اور عقبہ کے لیے بد دعا فرمائی[2]

علی مرتضیٰؓ کے ساتھ سیدہ کا نکاح واقعہ بدر کے بعد اُحد سے پہلے ہوا تھا۔

جنگ اُحد میں سیدہ نے عملاً حصہ لیا۔ مدینہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے۔ سیدہ میدان جنگ میں پہنچیں اس وقت حضورؐ غار سے باہر نکل آئے تھے۔ سیدہ نے باپ کے زخموں کو دھویا اور جب دیکھا کہ خون نہیں تھمتا تو کھجور کی صف کو جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھی جس کے بعد خون بند ہو گیا[3]

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ایک بار سیدہ فاطمہؓ بیمار ہوئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ پیاری بیٹی کیا حال ہے۔ انہوں نے فرمایا مجھے تکلیف ہی ہے اور مزید براں یہ کہ ہمارے ہاں کھانے کی شے بھی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] الاستیعاب سوانح ہو کہ اصول الکافی میں شیخ محمد کلینی نے ولادت سیدہ ۵ بعد نبوت بتائی ہے اور عمر بوقت وفات ۱۸ سال ۷۵ یوم جس میں سے ۷۵ یوم بعد از وفات نبوی ﷺ تھے ولادت امام حسن ۳ھ بتائی ہے اندریں صورت ولادت امام حسن صرف دس سال ہوتی ہے اور اگر ولادت امام حسن ۲ھ مان لی جائے جیسا کہ اسی کتاب کی دوسری روایت ہے تب عمر سیدہ ۱۱ سال ہو گی اسی لیے میں نے الاستیعاب کی روایت کو ترجیح دی۔ مدائنی نے ولادت سیدہ ۵ سال قبل از نبوت اور عمر بوقت ۲۹ سال تحریر کی ہے۔

[2] صحیح بخاری باب مالقی النبیؐ و اصحابہ من المشرکین۔ [3] صحیح مسلم غزوہ احد۔

يٰبنية اما ترضين انك سيدة نساء العٰلمين قالت يٰابتِ فَاَينَ مريم بنتِ عمران قال تلك سيدة نساء عالمها وانتِ سيدة نساء عالمك. اما والله لقد زوجتك سيدًا في الدنيا والاٰخرة۔

بیٹی! تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم نساء عالمین کی سیدہ ہو۔ فاطمہؓ نے فرمایا باوا جان مریم علیہا السلام کدھر گئیں۔ فرمایا وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو اور تمہارا شوہر دنیا اور آخرت میں سید ہے۔

ابی ثعلبہ الخشنی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب۔ کسی سفر سے لوٹ کر آتے تو اول مسجد میں تشریف لے جاتے دو رکعت نفل پڑھ کر پھر سیدہ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے پھر اپنے گھر رونق افروز ہوتے۔ ابن عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ نساء اہل الجنۃ کی سردار مریمؑ پھر فاطمہؓ پھر خدیجہؓ پھر آسیہؓ زنِ فرعون ہیں۔

ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں۔ فاطمہؓ سے بڑھ کر کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشابہ بات چیت میں نہ تھا وہ جب باپ کے پاس آیا کرتیں تو نبی ﷺ آگے بڑھتے، پیشانی پر بوسہ دیتے۔ مرحبا فرمایا کرتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ بیٹی سے ملنے جاتے وہ بھی اسی طرح ملا کرتی تھیں۔ ام المومنین عائشہ ہی سے روایت ہے:

ما رأيت احدًا كان اصدق لهجة من فاطمة الا ان يكون الذى ولدها رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو سچ بولنے والا نہ دیکھا۔ ہاں وہی ایسا ہو سکتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جایا ہو۔

ام المومنین عائشہ سے جمیع بن عمیر صحابی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پیارا کون تھا عائشہؓ نے کہا "فاطمہ" انہوں نے پوچھا کہ مردوں میں سے کون تھا۔ جواب دیا "شوہر فاطمہ" اور یہ بھی بتایا کہ علیؓ تو بڑے صوام و قوام تھے [1]

اسماء بنت عمیسؓ کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا کہ عورتوں کا جنازہ جس طرح اب لے جایا جاتا ہے مجھے تو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ جنازے کے اوپر ایک چادر ڈال دیتے ہیں جس میں سے اس کا پیکر نظر آتا رہتا ہے۔ اسماء نے کہا میں نے حبشہ میں ایک دستور دیکھا ہے، تمہیں دکھاتی ہوں، پھر انہوں نے کھجور کی تازہ شاخیں منگوا کر چارپائی پر لگائیں اور ان پر کپڑا ڈال دیا۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا یہ بہت ہی خوب اور بہت ہی اچھا ہے۔ مرد و عورت کے جنازے کی پہچان بھی ہو جاتی ہے۔ جب میں مر جاؤں تب تو اور علیؓ مجھے غسل دینا اور کسی کو شامل نہ کرنا۔

---

[1] صحیح ترمذی ان کان علمته کے الفاظ سے واضح ہے کہ یہ سوال و جواب بعد از وفات علی مرتضیٰؓ ہوئے تھے ام المومنین کو دیکھو کہ وہ سائل کو کس طرح حضرت سیدہ اور حضرت علی مرتضیٰ کے فضائل بتاتی ہیں اور ان کو فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت سیدہ کی وفات شب سہ شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ ہجری کو ہوئی۔ ان کی وصیت کے مطابق اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر صدیقؓ اور علی مرتضیٰؓ نے ان کو غسل دیا۔ حضرت عباسؓ یا حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اہل بیت میں سے وہی سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملیں۔

سیدہ کی عمر کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ قدیم سے اختلاف چلا آتا ہے۔ زبیر بن بکار سے روایت ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے پاس حضرت عبداللہ بن حسن بن امام حسنؓ آئے، وہاں کلبی پہلے سے موجود تھا ہشام نے دریافت کیا کہ سیدہ فاطمہؓ کی عمر کیا تھی؟ عبداللہ نے کہا تیس سال۔ کلبی نے کہا پینتیس سال۔ ہشام نے کہا ابو محمد سنتے ہو کہ کلبی جو تاریخ میں سرآوردہ ہے کیا کہتا ہے۔ انہوں نے کہا میری ماں کا حال مجھ سے دریافت کیجئے اور کلبی کی ماں کا حال کلبی سے پوچھ لیجئے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے مرض الموت میں حضرت فاطمہؓ کو بلایا ان کے کان میں کچھ بات کی۔ وہ رو پڑیں، پھر ان کو بلایا اور سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ میں نے فاطمہؓ سے دریافت کیا کہ وہ کیا باتیں تھیں فاطمہؓ نے کہا پہلے مجھے بتایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کر جاؤں گا۔ یہ سن کر میں رو پڑی تھی پھر بتایا کہ میں (فاطمہؓ) حضور کو خاندان کے سب اشخاص سے پہلے جا ملوں گی، اس پر میں خوش ہو گئی تھی[2]۔

وفات نبوی پر سیدہ علیہا السلام کے اشعار ہیں:

إِنَّا فَقَدْنَاكَ فَقْدَ الْأَرْضِ وَابِلَهَا	وَغَابَ مُذْ غِبْتَ عَنَّا الْوَحْيُ وَالْكُتُبُ
ہماری محرومی حضور سے ایسی ہے جیسے زمین سے طراوت کا جاتے رہنا	جب سے آپ غائب ہوئے ہمارے پاس وحی اور کلام الٰہی کا انقطاع ہو گیا۔
فَلَيْتَ قَبْلَكَ كَانَ الْمَوْتُ صَادَفَنَا	لَمَّا نُعِيتَ وَحَالَتْ دُونَكَ الْكُتُبُ
کاش حضور کے انتقال سے پیشتر اور اس وقت سے پیشتر جب مٹی نے حضور کو پوشیدہ کر دیا تھا، ہمیں موت آ جاتی اور ہم مر گئے ہوتے	

سیدہ فاطمہؓ علیہا السلام کو اپنی ہمشیروں پر بھی یہ خاص شرف حاصل ہے کہ دنیا میں ان ہی کی ذریت چلی اور ان ہی کی ذریت سے ائمۃ العظام ہوئے، جن کی شان اسلام میں نہایت ارفع واعلیٰ ہے علیہم السلام۔

سیدہ کے بطن اطہر سے امام حسنؓ امام حسینؓ، سیدہ ام کلثوم، سیدہ زینب پیدا ہوئیں۔

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے حالات علیحدہ لکھ دیے گئے ہیں۔

سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہؓ کا نکاح عمر فاروقؓ سے ہوا۔ چالیس ہزار درہم ان کا مہر تھا۔ ان کے بطن سے حضرت عمرؓ کے ہاں زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔ حضرت فاروقؓ کے بعد ان کا نکاح ثانی عون بن جعفر طیار سے ہوا تھا۔

---

[1] الاستیعاب بیان سلمیٰ خادم رسول ﷺ غسل سیدہ میں سلمیٰ خادم رسول مولاۃ صفیہ بنت عبدالمطلب بھی شامل تھیں

[2] صحیح بخاری باب مناقب فاطمہؓ ۳ے از کتاب حسن الصحابہ

زید بن عمرؓ کی وفات اسی روز ہوئی جس روز ان کی والدہ ام کلثوم بنت علی مرتضیٰؓ کا انتقال ہوا تھا۔ بنو عدی کسی بات پر جھگڑ رہے تھے۔ زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان میں صلح کرانے کے لیے نکلے۔ تاریکی شب میں ان کو شناخت نہ کیا گیا ایک شخص کی ضرب ان کے سر پر لگی، چند روز مضروب رہ کر رہگرائے عالم بقا ہوئے۔

سیدہ زینب بنت فاطمہؓ کا نکاح عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوا تھا۔ میدانِ کربلا میں اپنے برادر مکرم امام مُعظم حسین علیہ السلام کے ہمراہ تھیں۔ گرفتاری کے بعد انہوں نے نہایت صبر و استقامت سے جملہ مصائب کو برداشت کیا اور اہل بیت حسین علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور اعداء اشقیاء کو خوب جواب دیے ان کے فرزند عدی بن عبداللہ بن جعفر بھی بجہ ان کربلا میں شہید ہوئے۔

سیدہ نساء العالمین کی اولاد میں بعض نے محسن اور رقیہ کے نام بھی بڑھا دیے ہیں اور اکثر نے یہ نام نہیں لکھے جنھوں نے لکھے ہیں وہ بھی مانتے ہیں کہ محسن اور رقیہ ہر دو کا انتقال نہایت صغر سنی میں ہو گیا تھا، اس لیے ان کے حالات تاریخ میں نہیں ملے۔

سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی قبر میں بھی اختلاف[1] ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ اپنے ہی گھر میں مدفون ہوئیں اور جب مسجد نبوی کو وسعت دی گئی تب یہ جگہ شامل مسجد نبویؐ ہو گئی تھی۔ اصول الکافی میں شیخ کلینی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

اکثر مؤرخین کا رجحان ہے کہ ان کی قبر مبارک بقیع میں ہے۔ امام حسنؑ، امام زین العابدین اور حضرت عباسؓ عم آرسولؐ کی قبور اسی جگہ پہلو بہ پہلو ہیں:

مسعودی نے مروج الذہب میں تحریر کیا ہے کہ ۳۳۲ھ میں بقیع میں ایک پتھر ملا تھا، جس پر یہ تحریر تھا:

هٰذَا قَبْرُ فَاطِمَةَ بِنْتِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

مرویات

۱۔ نسائی نے ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بار نبی ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے۔ وہ سونے کا ہار اپنے گلے سے اتار کر ہند بنت ہبیرہ کو دکھا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ علیؓ نے لا کر دیا ہے۔ نبی ﷺ نے یہ ہار بیٹی کے ہاتھ میں دیکھا اور واپس چلے آئے۔ حضرت فاطمہؓ سمجھ گئیں انہوں نے ہار کو فروخت کر دیا۔ اور ایک غلام خرید لا اور لے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ نبی ﷺ کو اطلاع ہوئی تو خوش ہوئے اور الحمد للہ فرمایا

۲۔ فاطمہ بنت الحسینؓ نے اپنی جدہ فاطمہؓ سے روایت کی ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت درود شریف پڑھ کر رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوْبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔ پڑھنا چاہیے اور خروج مسجد کے وقت درود شریف

---

[1] اس پر مکمل بحث میرے سفرنامہ حجاز میں ملے گی۔

کے بعد یہی دعا پڑھنی چاہیئے۔ رَحْمَتِكَ کی جگہ فَضْلِكَ بدل لینا چاہیئے اسے ترمذی نے روایت کیا ہے روایت میں ارسال ہے کیوں کہ فاطمہ بنت الحسینؓ نے اپنی جدہ کو نہیں دیکھا۔

۳۔ ایک نہایت صحیح حدیث جسے نسائی کے سوا باقی جملہ صحاح میں روایت کیا گیا ہے یہ ہے کہ علی مرتضیٰ نے ایک روز ابن عبد الواحد سے فرمایا میں تجھ سے فاطمہؓ بنت الرسولؐ کی ایک بات کہوں جو سارے کنبہ میں بھی نبیؐ کو بہت پیاری تھیں۔ ابن الواحد نے کہا۔ ہاں

علیؓ نے کہا، فاطمہؓ نے اتنی چکی پیسی کہ ہاتھوں میں نشان پڑ گئے۔ پانی کے لیے مشک اٹھائی کہ گردن پر نشان پڑ گیا۔ گھر میں جھاڑو دی کہ سب کپڑے میلے ہو گئے۔ انہی ایام میں نبیؐ کے پاس کچھ خادم آئے میں نے فاطمہؓ سے کہا تم اپنے اباؐ کے پاس جاؤ اور ایک خادم مانگو۔ فاطمہؓ گئیں، مگر وہاں ہجوم تھا مل نہ سکیں۔ اگلے روز نبیؐ خود آئے اور دریافت فرمایا کہ کیا ضرورت تھی؟ فاطمہؓ چپ ہو گئیں۔ میں نے کہا کہ میں حضورؐ کو بتاتا ہوں۔ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے ہیں اور مشک اٹھاتے اٹھاتے گردن پر میں نے دیکھا تھا کہ حضور کے پاس کچھ خادم آئے ہیں اور میں نے ہی ان سے کہا تھا کہ حضور کے پاس جائیں، خادم مانگیں کہ اس تکلیف سے رہائی ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اتقی اللہ یا فاطمۃ وادّی فریضۃ ربّک واعملی عمل اھلک و اذا اخذتِ مضجعک فسبّحی ثلاثًا وثلاثین واحمدی ثلاثًا وثلٰثین وکبّری اربعًا وثلاثین فذلک مائۃ فھی خیرلکِ من خادمٍ[1]	اے فاطمہ! تقویٰ اختیار کرو۔ فرائض الٰہی ادا کرو اپنے کنبہ کے اعمال کو اپنا دستور بناؤ اور جب بستر خواب میں لیٹو تب ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھو۔ یہ پورا سو ہو گیا یہ عمل تیرے لیے خادم سے بہتر ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

رَضِیْتُ عَنِ اللّٰہِ وَعَنْ رَسُوْلِہٖ صلعم	میں خدا سے اور رسول خدا سے اسی حال پر خوشنود ہوں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ولم یخدمھا۔ فاطمہؓ کو خادم نہ دی۔

---

[1] عربی زبان میں لفظ خادم مذکر و مونث دونوں پر آتا ہے۔ مراد یہاں خادمہ سے ہے۔

اس حدیث سے حضرت علی مرتضیٰؓ کے کنبہ کی معیشت سیدہ فاطمہؓ کی زہد و ریاضت اور رضا و تسلیم اور نبی صلی اللہ علیہ
کی اپنے بیٹے اور اپنے احبت اہل کے لیے دنیا و اموال دنیا سے علیحدگی و برائت بخوبی آشکارا ہوتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى لَهٗ ۔

۴۔ ایک اور روایت ہے جسے ابن عدی و بیہقی نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

يَا فَاطِمَةُ مَنْ يَّمْنَعُكَ اَنْ تَسْمَعِيْ مَا اُوْصِيْكِ بِهٖ اَنْ تَقُوْلِيْ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ ۔

مطلب یہ ہے کہ اس وظیفہ کو میری وصیت سمجھ کر پڑھا کرو۔ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ ۔

نبی کریم ﷺ کا خطبہ بیوم حجۃ الوداع

یاایھاالذین انی لا ارانی وایاکم نجتمع فی ہذہ المجلس ابداً (۱)

(۱) لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔

ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا. وستلقون ربکم فیسلکم عن اعمالکم الا فلا ترجعوا بعدی ضلالاً یضرب بعضکم رقاب بعض. (۲)

(۲) لوگو! تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی اس شہر کی اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال فرمائے گا۔ خبر دار میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

الا کل شئ من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع.

(۳) لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔

ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعۃبن الحارث کان مسترضعاً فی بنی سعد نقتلہ ھذیل.

جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا۔ میں چھوڑتا ہوں۔

وربا الجاھلیۃ موضوع واول ربا اضع ربانا ربا عباس بن عبد المطلب فانہ موضوع کلہ.

جاہلیت کے زمانہ کا سود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں۔ وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا۔

فاتقوا اللہ فی النسآء فانکم اخذتموھن بامان اللہ واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ ولکم علیھن الایوطئن فروشکم احداً تکرھونہ فان فعلن ذلک فاضربوھن ضرباً غیر مبرح.

(۴) لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو (کہ اس کا آنا تم کو ناگوار ہے)۔ نہ آنے دیں۔ لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو۔

۱۔ معدن الاعمال حدیث نمبر ۷۔ ۱۱۔ عن وابصہؓ رواہ ابن عساکر۔ ۲۔ عن ابی بکرۃ صحیح بخاری۔ باب حجۃ الوداع

ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف.

وقد تركت فيكم ما لن تضلوا بعده ان اعتصمتم به كتاب الله.

ايها الناس انه لا نبي بعدی. ولا امة بعدكم الا فاعبدوا ربكم وصلوا خمسكم وصوموا شهركم وادوا زكاة اموالكم طيبة بها انفسكم وتحجون بيت ربكم واطيعوا ولاة امركم تدخلوا جنة ربكم. (۱)

وانتم تسئالون عنى. فماذا انتم قائلون.

قالوا نشهد انک

قد بلغت

وادیت

ونصحت

فقال باصبعه السبابة يرفعها الى السماء وينكتها الى الناس.

اللهم اشهد

اللهم اشهد

اللهم اشهد

ثلاث مرات(۲)

الاليبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض من يبلغه ان يكون اوعى له من بعض من سمعه. (۳)

عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ۔ اچھی طرح پہناؤ۔

(۵) لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ قرآن مجید کی کتاب ہے۔

(۶) لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے۔ اور نہ کوئی جدید امت پیدا ہونے والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اور پنج گانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو۔ مالوں کی زکوۃ نہایت دلی خوشی کے ساتھ دیا کرو۔ خانہ خدا کا حج بجالاؤ۔ اور اپنے اولیائے امور و حکام کی اطاعت کرو۔ جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کے فردوس بریں میں داخل ہوگے۔

(۷) لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔ مجھے ذرا بتادو کہ تم کیا جواب دوگے۔

سب نے کہا۔ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ۔ آپ نے رسالت و نبوت کا حق ادا کر دیا۔

آپ نے ہم کو کھوٹے کھرے کی بابت اچھی طرح بتا دیا۔

(اس وقت) نبی ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا۔ آسمان کی طرف انگلی کو اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے۔

(فرماتے تھے) اے خدا سن لے (تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں)

اے خدا گواہ رہنا (کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں)

اے خدا شاہد رہ (کہ یہ سب کیسا صاف اقرار کر رہے ہیں

(۸) دیکھو! جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں۔ اس کی تبلیغ کرتے رہیں۔ ممکن ہے۔ کہ بعض سامعین سے وہ لوگ زیادہ تر اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں۔ جن پر تبلیغ کی جائے۔

۱۔ معدن الاعمال۔ حدیث نمبر ۱۱۰۸، ۱۱۰۹۔ عن ابی امامہ۔ رواہ ابن جریر و ابن عساکر۔

۲۔ عن امام جعفر صادق، عن امام محمد باقر بروایت جابر بن عبد اللہ عنہ۔ صحیح مسلم باب حجۃ النبی ﷺ ۳۔ عن ابی بکرۃ صحیح بخاری باب حجۃ الوداع۔

سفرِ آخرت

۲۹ صفر روز دوشنبہ تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے واپس آرہے تھے۔ راہ ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا۔ پھر تپ شدید لاحق ہوئی۔ ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ جو رومال حضور نے سرِ مبارک پر باندھ رکھا تھا۔ میں نے اسے ہاتھ لگایا، سینک آتا تھا۔ بدن ایسا گرم تھا کہ میرے ہاتھ کو برداشت نہ ہوئی میں نے تعجب کیا۔ فرمایا انبیاء سے بڑھ کر کسی کو تکلیف نہیں ہوتی۔ اسی لیے ان کا اجر سب سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ بیماری میں ۱۱۔ یوم تک مسجد میں آکر خود نماز پڑھاتے رہے۔ بیماری کے سب دن ۱۳ یا ۱۴ ایام تھے۔

آخری ہفتہ

آخری ہفتہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طیبہ عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں پورا فرمایا تھا۔
امّ المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوا کرتے تو یہ دعا کرتے اور اپنے ہاتھ جسم پر پھیر لیا کرتے :۔

اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَ	اے نسلِ انسانی کے پالنے والے خطر کو دور فرمادے
اشْفِ اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا	اور صحت عطا کر۔ شفا دینے والا تو ہی ہے اور اسی
شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ	شفا کا نام شفا ہے جو تو عنایت کرتا ہے۔ ایسی
سَقَمًا۔	صحت دے کہ کوئی تکلیف باقی نہ چھوڑے۔

ان دنوں میں میں نے یہ دعا پڑھی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر دم کر کے چاہا کہ جسم اطہر پر مبارک ہاتھوں کو پھیر دوں۔ آنحضرت صلعم نے ہاتھ ہٹا لیے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَالْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى

پانچ یوم قبل از رحلت

چہارشنبہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخضب[1] میں بیٹھ کر سات کنوؤں کی سات مشکوں کا پانی سر پر ڈلوایا۔ اس تدبیر سے کچھ سکون ہوا۔ طبیعت ہلکی معلوم ہوئی تو نور افروز مسجد ہوئے (فرمایا) تم سے پہلے ایک

[1] بخاری عن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود [2] مخضب پتھر کا تغار یا تانبے کا ٹب۔ [3] صحیحین عن عائشہؓ)

قوم ہوئی ہے، جو انبیاء و صلحاء کی قبور کو سجدہ گاہ بناتی تھی۔ تم ایسا نہ کرنا۔

(فرمایا) ان یہودیوں، اُن نصرانیوں پر اللہ تعالےٰ لعنت کرے۔ جنہوں نے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا[1]۔

(فرمایا) میرے بعد میری قبر کو ایسا نہ بنا دیجیو کہ اُس کی پرستش ہوا کرے[2]۔

(فرمایا) اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہے۔ جس نے قبور انبیاء کو مساجد بنایا۔ دیکھو میں تمہیں اس سے منع کرتا رہا ہوں۔ دیکھو، میں تبلیغ کر چکا۔ الٰہی تو اس کا گواہ رہنا۔ الٰہی تو اس کا گواہ رہنا۔

نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد منبر پر اجلال فرمایا۔ منبر پر یہ حضور کی آخری نشست تھی[3]۔

پھر حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

"میں تم کو انصار کے حق میں وصیت کرتا ہوں۔ یہ لوگ میرے جسم کے پیرہن اور میرے زادِ راہ رہے ہیں انہوں نے اپنے واجبات کو پورا کر دیا ہے۔ اور اب ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے اچھا کام کرنے والوں کی قدر کرنا اور لغزش کرنے والوں سے درگزر کرنا[4]۔

(فرمایا) ایک بندہ کے سامنے دنیا و مافیہا کو پیش کیا گیا ہے۔ مگر اس نے آخرت ہی کو اختیار کیا۔

اس امر کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی سمجھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ماں باپ۔ ہماری جانیں، ہمارے زر و مال حضور پر نثار ہوں[5]۔

چار یوم قبل از رحلت

پنجشنبہ کا ذکر ہے۔ کہ شدت مرض بڑھ گئی۔ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا: لاؤ تمہیں لکھ دوں کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو[6]۔ بعض نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شدتِ درد غالب ہے

---

[1] صحیحین عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا [2] مؤطا امام مالک عن عطاء بن یسار [3] زرقانی جلد ۸ [4] زرقانی جلد ۸ [5] صحیح بخاری عن عائشہ صدیقہ دو اری و مسلم عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ۔ [6] صحیح بخاری میں اصل حدیث یہ ہے۔ عن عبید اللہ بن عتبۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال یوم حضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و فی البیت رجال فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھلموا اکتب لکم کتاب لا تضلوا بعدہ۔ فقال بعضھم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد غلبہ الوجع و عندکم القرآن۔ حسبنا کتاب اللہ فاختلف اھل البیت واختصموا فمنھم من یقول قربوا یکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ و منھم من یقول غیر ذلک فلما اکثروا اللغو والاختلاف قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قوموا فقط

اس کے بعد اسی روز (پنجشنبہ کو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وصیتیں فرمائیں :۔

۱۔ یہود کو عرب سے باہر کر دیا جائے۔

۲۔ وفود کی عزت و مہمانی ہمیشہ اسی طرح کی جائے جیسا کہ معمول نبوی تھا۔

۳۔ تیسری وصیت سلیمان الاحول کی روایت میں بیان نہیں ہوئی[1]۔ مگر صحیح بخاری کی کتاب الوصایا میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن مجید کے متعلق وصیت فرمائی تھی۔

پنجشنبہ مغرب اس روز مغرب تک کی سب نمازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائی تھیں۔ نماز مغرب میں سورہ والمرسلات کی تلاوت فرمائی۔ اس سورت کی آخری آیت ہی قرآن پاک کی جلالت شان کو آشکارا کرتی ہے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ (۷۷ : ۵۰) یعنی قرآن پاک کے بعد اور کس کلام پر ایمان لاؤ گے[2]۔

پنجشنبہ عشاء نماز عشاء کے لیے حضور نے مسجد جانے کا تین بار عزم فرمایا۔ ہر دفعہ جب وضو کے لیے بیٹھے بے ہوشی طاری ہوتی رہی۔ آخر فرمایا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائے[3]۔ اس حکم سے ابوبکرؓ صدیق نے حیات نبوی ﷺ میں سترہ نمازوں کی امامت فرمائی۔

دو یا ایک یوم قبل از رحلت

شنبہ یا ایک شنبہ کا ذکر ہے کہ ابوبکر صدیقؓ کی امامت میں نماز ظہر قائم ہو چکی تھی۔ کہ نبی ﷺ حضرت عباسؓ و حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر سہارا دیے ہوئے شرف افزائے جماعت ہوئے۔ صدیقؓ، پیچھے ہٹنے لگے، تو نبی ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے مت ہٹو۔ پھر صدیقؓ کے برابر بیٹھ کر نماز میں داخل ہو گئے۔ اب ابوبکر صدیقؓ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے تھے اور باقی سب لوگ صدیق کی تکبیرات پر نماز ادا کر رہے تھے[4]۔

ایک یوم قبل از رحلت

یک شنبہ کے دن سب غلاموں کو آزاد فرما دیا۔ ان کی تعداد بعض روایات میں چالیس بیان ہوئی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ سلیمان عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

[2] صحیح بخاری۔ عن ام الفضل والدہ ابن عباس باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[3] صحیحین عن عبید اللہ بن عبد اللہ۔ صحیح بخاری کی روایت عن ابی موسیٰ میں ہے کہ اس حکم کو حضور نے تین بار دہرایا۔

[4] صحیحین عن عبید اللہ بن عبد اللہ۔

گھر میں نقد سات دینار موجود تھے، وہ غرباء کو تقسیم کر دیئے اس دن کی شام کو (آخری شب) صدیقہؓ نے چراغ کا تیل ایک پڑوسن سے عاریتاً منگوایا تھا۔ سلامات مسلمانوں کو ہبہ فرمائے۔ زرہ نبوی ایک یہودی کے پاس (۳۰) صاع جَو میں رہن [2] تھی۔

آخری دن

دو شنبہ کے دن نماز صبح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پردہ اٹھایا، جو عائشہ صدیقہؓ اور مسجد طیبہ کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ اس وقت نماز ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نظارہ پاک کو جو حضور کی پاک تعلیم کا نتیجہ تھا۔ (صحیح مسلم عن انس) ملاحظہ فرماتے رہے۔ اس نظارہ سے رُخ انور بشاشت اور اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس وقت روئے مبارک ورق قرآن [3] معلوم ہوتا تھا۔

صحابہؓ کا شوق اور اضطراب سے یہ حال ہو گیا تھا۔ کہ رخ پُر نور ہی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ صدیقؓ سمجھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ نماز میں آنے کا ہے۔ وہ پیچھے ہٹنے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا، کہ نماز پڑھاتے رہو۔ یہی اشارہ سب کی تسکین کا موجب ہوا۔ پھر حضور نے پردہ چھوڑ دیا۔ یہ نماز ابو بکر صدیقؓ ہی نے مکمل فرمائی [4]

اس کے بعد حضور پر کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔

... دن چڑھا تو پیاری بیٹی فاطمہ بتول علیہا السلام کو بلایا، کان میں کچھ بات کہی، وہ رو پڑیں پھر کچھ اور بات کہی تو وہ ہنس پڑیں۔ بتول پاک سے روایت ہے کہ پہلی بات حضور نے یہ فرمائی تھی۔ کہ اب میں دنیا کو چھوڑ رہا ہوں۔ اور دوسری بات یہ فرمائی تھی۔ کہ اہلبیت میں سے تم ہی میرے پاس سب سے پہلے پہنچو گی (یعنی انتقال ہو گا) [5]

اسی روز حضور نے فاطمہ زہراءؓ کو سیدۃ نساء العٰلمین ہونے کی بشارت ارزانی فرمائی [6]

[1] بخاری عن عمرو بن الحارث برادر ام المومنین جویریہؓ [2] بخاری عن اسود عن عائشہ صدیقہؓ۔

[3] صحیحین عن انسؓ چہرہ اقدس کو ورق قرآن سے تشبیہ روایت انسؓ میں ہے۔ یہ ایک عجیب اور پاک تشبیہ ہے ورق قرآن پر طلائی کام ہوتا ہے۔ حضور کے چہرۂ تاباں پر زردی مرض ہی ہوئی تھی۔ لہٰذا تابانی اور رنگ مرض میں طلاء سے اور تقدس میں قرآن پاک سے تشبیہ دی گئی ہے۔

[4] بخاری و مسلم، [5] صحیح بخاری عن عروہؓ عن عائشہ

[6] بخاری عن عائشہ صدیقہؓ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آخری دن کا نہیں بلکہ آخری ہفتہ کا ہے۔

.......سیدۃ النساء نے حضور کی حالت کو دیکھ کر کہا۔ آہ کتنا کرب ہے۔ فرمایا کہ تیرے باپ کو آج کے بعد کوئی کرب نہ ہوگا۔[1]

.......پھر حسن و حسین علیہما السلام کو بلایا۔ دونوں کو چوما اور ان کے احترام کی وصیت فرمائی۔[2]

.......پھر ازواج مطہرات کو بلایا اور ان کو نصیحتیں فرمائیں۔

پھر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا۔ ان کو بھی نصیحت فرمائی۔ اس وقت نفَ مبارک سیدنا علیؓ کے چہرۂ مبارک پر پڑ رہا تھا۔[3]

.......اسی موقع پر فرمایا: اَلصَّلٰوۃُ الصَّلٰوۃُ وَمَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت یہی تھی۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اسی ارشاد کو حضور کئی بار دہراتے رہے۔[4]

حالت نزع رواں

اب نزع کی حالت طاری ہوئی۔ اس وقت سرورِ کائنات کو عائشہ صدیقہؓ سہارا دیے ہوئے پس پشت بیٹھی تھیں۔ پانی کا پیالہ حضورؐ کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ میں ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے تھے۔ چہرۂ مبارک کبھی سُرخ ہوتا، کبھی زرد پڑ جاتا تھا۔ زبانِ مبارک سے فرماتے تھے۔[5] لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ۔

اتنے میں عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔ حضور نے مسواک پر نظر ڈالی۔ تو صدیقہؓ نے اپنے دانتوں سے مسواک کو نرم بنا دیا۔ حضورؐ نے مسواک کی۔ پھر ہاتھ کو بلند فرمایا اور زبانِ قدسی سے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی

اسی وقت ہاتھ لٹک گیا۔ پتلی اوپر کو اٹھ گئی۔[6]

---

[1] بخاری عن انسؓ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] مدارج النبوۃ

[3] زرقانی بحوالہ ابن سعد و فی سندہ الواقدی وحرام بن عثمان متروکان

[4] بخاری عن انسؓ و خصائص الکبریٰ۔

[5] صحیح بخاری عن ذکوان۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ موت میں تلخی ہوا ہی کرتی ہے۔

[6] صحیح بخاری۔

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری یوم دوشنبہ[1] وقت چاشت[2] تھا کہ جسم اطہر سے روح انور نے پرواز کیا اس وقت عمر مبارک ۶۳ سال قمری پر ۴ دن تھی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ

سیدہ زہرا علیہا السلام نے اس حادثہ پر کہا:۔

يَا أَبَتَاهُ أَجَابَ رَبَّاهُ. يَا أَبَتَاهُ إِلَى جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ. يَا أَبَتَاهُ إِلَى جِبْرِيلَ نَنْعَاهُ

"پیارے باپ نے دعوتِ حق کو قبول فرمایا۔ اور فردوس میں نزول فرمایا۔ آہ جبریلؑ کو خبر انتقال کون پہنچا سکتا ہے"۔

(پھر فرمایا) الٰہی! روح فاطمہ کو روحِ محمدؐ کے پاس پہنچا دے۔ الٰہی! مجھے دیدار رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مسرور بنا دے۔ الٰہی مجھے اس مصیبت کے ثواب سے تو بے نصیب نہ رکھ اور بروز محشر شفاعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم نہ فرما۔ عائشہؓ نے اس سانحہ پر کہا:

دریغ! وہ نبیؐ جس نے فقر کو غنا پر اور مسکینی کو تونگری پر اختیار فرمایا!

حیف! وہ دین پروَرؐ! جو اُمتِ عاصی کے فکر میں کبھی پوری رات آرام سے نہ سویا:۔

جس نے! ہمیشہ بڑی استقامت و استقلال سے نفس کے ساتھ محاربہ کیا۔

جس نے! منہیات کو ذرہ بھر بھی نگاہ التفات سے نہ دیکھا۔

جس نے! بر و احسان کے دروازے ارباب فقر و احتیاج پر کبھی بھی بند نہ کیے۔

جس کے! ضمیر منیر کے دامن پر دشمنوں کی ایذا و اضرار کا ذرہ بھی غبار نہ بیٹھا۔

حیف! وہ جس کے موتی جیسے دانت پتھر سے توڑے گئے۔

جس کی! نورانی پیشانی کو زخمی کیا گیا۔

آج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دنیا سے رخصت ہوا۔

۔۔۔۔۔۔ خبر وفات سے صحابہؓ سراسیمہ، حیران و دیوانہ و سرگرداں تھے۔ کوئی جنگل کو نکل بھاگا۔ کوئی ششدر ہو کر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

---

[1] صحیح بخاری۔

[2] صحرۃ النہساء تاریخ ابو الفداء۔ بعض روایات میں ہے۔ وہی وقت جب نبوت ملی تھی۔ بعض میں ہے وہی وقت جب مدینہ (قبا) پہنچے تھے۔ [3] مدارج النبوۃ شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔

...... عمر فاروقؓ کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ اللہ کے رسول نے ارتحال فرمایا۔

...... ابوبکر صدیقؓ گھر میں گئے۔ جسم اطہر دیکھا۔ منہ سے منہ لگایا۔ پیشانی کو چوما۔ آنسو بہائے پھر زبان سے کہا:

"میرے پدر و مادر حضورؐ پر نثار۔ واللہ۔ اللہ تعالٰے آپ پر دو موتیں وارد نہ کرے گا یہی ایک موت تھی، جو آپ پر لکھی ہوئی تھی لے"

پھر مسجد میں آئے، وفات پُر آیات کے اعلان کا خطبہ پڑھا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد کہا:

اَمَّا بَعۡدُ۔

فَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ یَعۡبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدۡ مَاتَ وَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ یَعۡبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَیٌّ لَا یَمُوۡتُ قَالَ اللّٰهُ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ وَمَنۡ یَّنۡقَلِبۡ عَلٰی عَقِبَیۡهِ فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیۡئًا وَسَیَجۡزِی اللّٰهُ

واضح ہو۔

"کہ جو کوئی شخص تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا۔ تو وہ تو رحلت کر گئے۔ اور جو کوئی اللہ تعالٰی کی عبادت کرتا تھا۔ تو بیشک اللہ تعالٰے تو زندہ ہے اسے موت نہیں۔ اللہ نے خود فرمایا ہے، محمد تو ایک رسول ہے۔ ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے کیا اگر وہ مر گیا یا شہید ہو گیا تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ ہاں جو کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالٰے کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ تعالٰے تو شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

غسل و تکفین

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے ہوئے علی مرتضٰیؓ یہ کہہ رہے تھے ۔

بِاَبِیۡ اَنۡتَ وَاُمِّیۡ لَقَدۡ اِنۡقَطَعَ بِمَوۡتِكَ مَا لَمۡ یَنۡقَطِعۡ بِمَوۡتِ غَیۡرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالۡاَنۡبَآءِ وَالۡاَخۡبَارِ السَّمَآءِ خَصَصۡتَ حَتّٰی صِرۡتَ مُسَلِّیًا عَمَّنۡ سِوَاكَ وَعَمَمۡتَ حَتّٰی صَارَ النَّاسُ فِیۡكَ سَوَآءً

میرے مادر و پدر آپ پر قربان۔ آپ کی موت سے وہ چیز جاتی رہی جو کسی دوسرے کی موت سے نہ گئی تھی یعنی نبوت اور غیب کی خبروں اور وحی آسمانی کا انقطاع ہو گیا۔ آپ کی موت خاص صدمہ عظیم ہے کہ اب سب مصیبتوں سے دل سرد ہو گیا اور ایسا عام حادثہ ہے کہ سب لوگ اس میں یکساں ہیں۔ اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور آہ و زاری سے منع نہ فرمایا۔

لے صحیح بخاری عن عبد اللہ بن عباسؓ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

لے صحیح بخاری عن ابی سلمۃ عن عائشہ رضؓ۔

وَلَوْلَا اَنَّكَ اَمَرْتَ بِالصَّبْرِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْجَزَعِ لَاَنْفَذْنَا عَلَيْكَ مَاءَ الشيون ولكان الداء مماطلا۔ والكبد مخالفا۔ وقلا لك ولكنه ما نملك ردّه ولا نستطيع دفعه بابی انت وامی اذکرنا عند ربک واجعلنا من بالک۔[1]

ہوتا تو ہم آنسوؤں کو آپ پر بہا دیتے پھر بھی یہ درد لاعلاج اور یہ زخم لازوال ہی ہوتا اور ہماری یہ حالت بھی اس مصیبت کے مقابلہ میں کم ہوتی اس مصیبت کا تو علاج ہی نہیں اور یہ غم تو جانے والا ہی نہیں میرے والدین حضور پر نثار۔ پروردگار کے ہاں ہمارا ذکر فرمانا اور ہم کو اپنے دل سے بھول نہ جانا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا[2]

نماز جنازہ پہلے کنبہ والوں نے پھر مہاجرین نے پھر انصار کے مردوں نے اور عورتوں نے پھر بچوں نے ادا کی۔ اس نماز میں امام کوئی نہ تھا۔ حجرہ مبارک تنگ تھا۔ اس لیے دس دس شخص اندر جاتے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر باہر آتے۔ تب اور دس اندر جاتے یہ سلسلہ لگاتار شب و روز جاری رہا۔ اس لیے تدفین مبارک شب[3] چہارشنبہ کو یعنی رحلت سے قریباً ۳۲ گھنٹہ بعد عمل میں آئی[4]

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر یہ دعا پڑھی جاتی تھی؛

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً۔ اللھم ربنا لبیک وسعدیک صلوۃ اللہ البر الرحیم والملائکۃ المقربین والنبیین والصدیقین والصالحین وما سبح لک من شیٔ یا رب العالمین علی محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین و رسول رب العالمین الشاھد المبشر الداعی باذنک السراج المنیر وبارک علیہ وسلم۔[5]

۱؎ نہج البلاغہ ص ۲۰۵ چاپ دار السلطنت تبریز ۱۲۶۷ھ ہجری۔

۲؎ شرح مسلم النووی و کتاب الام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳؎ ترمذی کی روایت سے ظاہر ہے۔ کہ نماز جنازہ ادا کرنے کی یہ تجویز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتائی تھی۔ اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس سے اتفاق فرمایا تھا۔

۴؎ زرقانی جلد ۸ ص ۲۹۳ مطبوعہ ازہریہ مصریہ ۱۳۲۸ھ ہجری۔

المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

سیرۃ امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

تلخیص

سید نفیس الحسینی

ولادت

صحیح روایتوں[1] کے بموجب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بعثتِ نبوی سے دس سال پہلے پیدا ہوئے[2] ابن سعد کا بیان ہے کہ آپ کی پیدائش رجب کے مہینہ، عام الفیل کے سنہ ۳۰ میں (چھٹی صدی عیسوی) رجب کی بارہ[12] راتوں کے گزرنے کے بعد ہوئی[3]، حاکم نے حکیم ابنِ حزام کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ تواتر سے ثابت ہے کہ فاطمہ بنت اسد کے بطن سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ خانۂ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے اور حکیم بن حزام بھی کعبہ میں پیدا ہوئے تھے[4]۔

ابن ابی الحدید نے "شرح نہج البلاغہ" میں لکھا ہے :-

"سیدنا علی علیہ السلام کی جائے پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے کہ کہاں ہوئی تھی شیعوں کی بڑی جماعت کو یقین ہے کہ اُن کی پیدائش اندرونِ کعبہ ہوئی، محدثین نے اس کو تسلیم نہیں کیا ہے، اُن کا خیال ہے کہ کعبہ میں جو صاحب پیدا ہوئے تھے، وہ حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبد العزّیٰ بن قصی ہیں[5]۔"

---

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۴ ص ۲۵۹-۲۶۰ [2] ایضاً ج ۲ ص ۵۰۷ بعض قرائن اور خود حضرت علیؓ کے ارشاد سے کہ میں نے جب جنگ (بدر) میں شرکت کی ہے تو میری عمر بیس سال سے کم تھی، نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی ولادت بعثت سے چار یا پانچ سال پیشتر ہوئی۔ [3] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۳ و "البدریین" ص ۱۱ اور "مروج الذہب و معادن الجوہر" للمسعودی ج ۲ ص ۳۵۸ [4] مروج الذہب للمسعودی ج ۲ ص ۲ و انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون مشہور "سیرۃ حلبیہ" ج ۳ ص ۴۹۵ مطبعۃ مصطفیٰ البابی مصر طبع اول ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۴ء اسی کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "ازالۃ الخفا" میں ترجیح دی ہے (ملاحظہ ہو مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور طبع اول ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) [5] شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ج ۱ ص ۱۴

علیؓ مرتضیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں

طبری نے اپنی تاریخ میں اپنی سند سے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ عزوجل کے خصوصی انعامات میں سے، اور جو خیر و برکت ان کے لئے مقدر کر رکھی تھی، اس کا ظاہری سبب یا بہانا یہ ہوا کہ قریش سخت تنگ حالی کی مصیبت سے دوچار ہوئے، ابوطالب کثیر العیال تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے جو قریش کے خوشحال لوگوں میں سے تھے کہا: چچا! آپ کے بھائی ابوطالب کثیر العیال ہیں، اور آپ کو معلوم ہے کہ لوگ کن مصائب سے دوچار ہیں، چلئے اُن کا کچھ بوجھ ہلکا کریں، اور اُن کے بال بچوں میں سے کچھ کی پرورش اپنے ذمہ لیں، حضرت عباسؓ نے کہا بہتر ہے، چنانچہ دونوں ابوطالب کی خدمت میں پہنچے اور کہا ہم دونوں اس لئے آئے ہیں کہ جب تک یہ تنگی اور سختی کا زمانہ ہے جس میں سب ہی گرفتار ہیں، اس وقت تک ہم آپ کے بال بچوں کا کچھ بوجھ اپنے ذمہ لے کر آپ کو ہلکا کریں، ابوطالب نے ان دونوں سے کہا: عقیل کو تم لوگ میرے پاس چھوڑ دیتے باقی کے بارے میں چاہے جو فیصلہ کرلو، چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی ذمہ داری خود لے لی، اور حضرت جعفرؓ کی کفالت حضرت عباسؓ نے قبول فرمائی، حضرت علیؓ اس وقت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رہے یہاں تک کہ وہ وقت آیا جب آپؐ کو اللہ تعالےٰ نے نبی بناکر مبعوث کیا اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپؐ کا اتباع کیا، آپؐ کی صداقت پر ایمان لائے، اور تصدیق کی، دوسری طرف حضرت جعفرؓ، حضرت عباسؓ کی کفالت میں رہے، یہاں تک کہ کفالت کی ضرورت نہیں رہی۔[1]

---

[1] تاریخ الطبری، ج ۲ ص ۳۱۳ (مطبوعۂ دار المعارف) ایضاً ابن اسحاق۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ

ابن اسحاق کا بیان ہے:۔

"علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایسے وقت آئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ دونوں نماز میں تھے، حضرت علیؓ نے کہا: یہ کیا معاملہ ہے؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا، یہ اللہ کا دین ہے جس کو اللہ نے اپنے لئے پسند کیا، اور اسی کے لئے انبیاء کو مبعوث کیا ہے میں تم کو بھی خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں جو تنہا معبود ہے' اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، حضرت علی نے کہا: یہ وہ بات ہے جس کو میں نے پہلے کبھی نہیں سنا' اور میں جب تک ابو طالب سے ذکر نہ کرلوں، کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں کیا کہ جب تک علانیہ دعوتِ اسلام شروع نہ کردیں یہ راز فاش ہو چنانچہ آپؐ نے فرمایا: اگر تم ایمان نہیں لاتے ہو تو اس کو ابھی پوشیدہ رکھو، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس رات خاموش رہے' اور اللہ تعالےٰ نے ان کے دل میں اسلام ڈال دیا، صبح سویرے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: آپؐ نے مجھے کل کیا دعوت دی تھی؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ تنہا معبود ہے' اور لات وعزّیٰ کا انکار کرو اور اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرانے سے بَری ہو جاؤ، حضرت علیؓ نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اسلام لے آئے' وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ابو طالب سے پوشیدہ آیا کرتے اور اپنے اسلام کو (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسبِ ہدایت) ظاہر نہیں کیا۔[1]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج ۳ صہ ۲۴

ان روایات میں ثابت شدہ اور راجح روایت یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت علیؓ پہلے ایمان لانے والے ہیں، اور (مردوں میں) پہلے شخص ہیں، جس نے نماز پڑھی، زید بن ارقم سے روایت ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے علیؓ تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد پہلا شخص جو ایمان لایا وہ حضرت علیؓ تھے، محمد بن عبدالرحمن زرارہ کہتے ہیں کہ علیؓ نو ۹ سال کی عمر میں ایمان لائے، مجاہد کہتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی وہ علیؓ تھے، اور اس وقت اُن کی عمر دس ۱۰ سال تھی، حسن بن زیدؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے کبھی بھی بتوں کی پرستش نہیں کی، کیونکہ اُن کی عمر کم تھی،[۱] تمام قرائن یہی بتاتے ہیں، اور یہی بات فطرتِ انسانی اور تجربہ و مشاہدہ کے مطابق ہے، اس لئے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوشِ تربیت میں آنکھ کھولی، اور آپؐ ہی کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھے، وہ آغوشِ تربیت جس کو منبعِ رسالت بننا تھا، وہ سایۂ عاطفت جس کا سایۂ رحمت ہونا مقدّر تھا، وہ پیغامِ حق جس کو ساری دنیا میں عام ہونا تھا، اُس کی موجودگی میں (اگر کوئی قوی مانع اور فسادِ طبیعت نہ ہو جس سے حضرت علیؓ ہر طرح محفوظ تھے) یہ ایک قدرتی بات تھی کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائیں، بعض محققین نے اور مختلف روایات کو یکجا کرنے والے علماء نے اس طرح جمع کیا ہے کہ اہلِ بیت و خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہؓ تھیں، پختہ کار اور پختہ عمر لوگوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، اور کم عمر والوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے، اور یہ بات قرینِ قیاس

---

[۱] الطبقات الکبریٰ، ج ۳ ص ۲۱ و اُسد الغابہ لابن اثیر الجزری ج ۴، ص ۹۱-۹۳

ہے خود حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے انتقال پر انکی اولیت کا اظہار و اعتراف کیا ہے جیسا کہ آگے آئیگا۔[1]

حضرت علی اور ابو طالب کے درمیان کیا پیش آیا؟

ابن اسحاق نے بیان کیا: بعض اہلِ علم بیان کرتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آتا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی کسی گھاٹی میں جا کر عبادت کرتے، اور آپؐ کے ساتھ علی بن ابی طالبؓ بھی اپنے والد، چچا صاحبان اور تمام افراد خاندان سے چھپ کر جاتے اور تمام نمازیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ادا کرتے، اور شام ہو جاتی گھر واپس آتے، یہ سلسلہ جب تک اللہ کو منظور تھا، جاری رہا، ایک دن جب کہ یہ دونوں نماز پڑھ رہے تھے، ابو طالب نے دیکھ لیا، ابو طالب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: عزیز من! یہ کون سا دین ہے جس کی تم پیروی کر رہے ہو؟ آپؐ نے جواب دیا: عمِّ محترم! یہ اللہ کا، اللہ کے فرشتوں کا، اس کے پیغمبروں کا، اور ہمارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے" دوسری روایت کے بموجب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ نے مجھے اپنے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، اور چچا جان! آپ سب سے زیادہ اس بات کے مستحق ہیں، جن کو مخلصانہ دعوت پیش کی جائے"

---

[1] وہ واقعہ جس میں ذکر ہے کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی "وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" (اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو دین کی دعوت دیجئے) تو آنحضرتؐ نے اولاد عبد المطلب کو کھانے پر بلایا اور ان کو اسلام کی دعوت دی اس موقع پر صرف سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے کھڑے ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کیا، ابولہب نے انتہائی دریدہ دہنی سے جواب دیا، یہ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ ابنِ کثیر نے "البدایۃ والنہایۃ ج۳" میں نقل کی ہیں اور بعض دوسری سیرت کی کتابوں میں بھی مذکور ہیں، اس واقعہ کے بعض الفاظ پر محدثین نے کلام کیا ہے، اور اس میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کی صحت یا نقل میں شک کی گنجائش ہے اس لئے اس روایت کو نظر انداز کیا گیا۔

متعدد مؤرخین کا رجحان یہی ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ جب ایمان لائے ہیں اس وقت آپ کی عمر گیارہ سال کی تھی اور جب ہجرت کی ہے اس وقت آپ چوبیس ۲۴ سال کے تھے۔

(امتاع الاسماع ج ۱ ص ۱۷ بحوالہ الواقدی، الطبری، ابن الاثیر اور المقریزی)

ابوطالب نے جواب دیا: اے عزیز! میں اپنے آباء کا مذہب اور اُن کے طور طریق نہیں چھوڑ سکتا، لیکن بخدا جب تک میں زندہ ہوں تم کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا، سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ ابوطالب نے اپنے صاحبزادہ علی مرتضیٰ رضؓ سے کہا: اے بیٹے یہ کیا مذہب ہے جس پر تم چل رہے ہو؟ انھوں نے کہا، والد صاحب! میں اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں، اور رسول اللہؐ کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہوں، اور اُن کی پیروی کرتا ہوں، راویوں کا خیال ہے کہ اس کے جواب میں ابوطالب نے کہا وہ تم کو اچھی بات ہی کی طرف بلاتے ہیں لہٰذا اس پر قائم رہو۔[1]

اسلام کے متعلق تحقیق و جستجو کے لئے مکہ آنے والوں کی مدد

جو لوگ حق و صداقت کی جستجو اور اسلام کی طلب میں مکہ آیا کرتے تھے، اُن کی سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ مدد اور رہنمائی فرمایا کرتے تھے، اور انھیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہونچایا کرتے تھے، اس کام کے لئے اللہ تعالےٰ نے اُن کو خاص صلاحیت اور ذہانت بخشی تھی، جس میں بنو ہاشم ممتاز تھے، حضرت ابوذر غفاریؓ کے ایمان لانے کے واقعہ کی امام بخاری نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں:

"ابوذرؓ کو جب بعثتِ نبوی کی خبر ملی تو انھوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ اس وادی کی طرف سوار ہو کر جاؤ اور اس شخص کے بارے میں پتہ لگاؤ، جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے، اور اس کو یقین ہے کہ اُس کے پاس آسمان سے اطلاع آتی ہے، اُن کی باتیں سنو اور مجھے آکر بتاؤ، یہ صاحب (ابوذرؓ کے بھائی) چلے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۴

خدمت میں پہونچے، اور آپؐ کی باتیں سنیں، اور واپس آکر ابوذرؓ سے بتایا کہ میں نے اُن کو دیکھا کہ وہ شریفانہ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، اور ایسی بات کرتے ہیں جو شاعری نہیں ہے، ابوذر نے کہا: میں جو معلوم کرنا چاہتا تھا، وہ تم نہ بتا سکے، پھر انھوں نے خود زادِ راہ تیار کیا، اور پانی کا ایک مختصر سا مشکیزہ لیا اور مکہ پہنچ گئے، حرم شریف آئے، وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے نہیں تھے، (اندازہ و قیافہ سے) آپؐ کو تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ رات ہو گئی، اور وہ لیٹ گئے، حضرت علیؓ نے اُن کو دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ یہ کوئی باہر سے آنے والے شخص ہیں، وہ اُن کے پیچھے پیچھے چلے مگر کوئی دوسرے سے بات نہیں کرتا تھا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، ابوذر اپنا زادِ راہ اور پانی کا مشکیزہ مسجد حرام میں لے آئے اور پورا دن گزار دیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کی ملاقات نہیں ہوئی، پھر شام آئی، رات ہو گئی، ابوذر پھر لیٹ گئے، حضرت علیؓ اُن کے پاس سے گزرے اور فرمایا: کیا ابھی تک اس شخص کو اپنے ٹھکانہ کا پتہ نہیں چلا کہ وہاں جا کے ٹھہرے، پھر اُن کو اپنے ساتھ لے کر چلے مگر اب تک ایک دوسرے سے کچھ پوچھتا نہیں تھا، تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا، اور حضرت علیؓ اُن کے ساتھ ٹھہرے رہے، بالآخر حضرت علیؓ نے کہا: کیا آپ بتائیں گے کہ یہاں کیسے آنا ہوا؟ کہا اگر تم عہد کرو اور مجھے قول دو کہ تم میری رہبری کرو گے تو بتاؤں، حضرت علیؓ نے یہ شرط قبول کی اور فرمایا کہ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ ابوذر نے بتا دیا، حضرت علیؓ نے کہا یقیناً وہ حق بات ہے اور بلاشبہ وہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، جب صبح کو نیند سے بیدار ہونا تو میرے ساتھ چلنا، راستہ میں اگر میں نے کوئی خطرہ کی بات دیکھی تو رُک جاؤں گا، جیسے استنجے کے لئے ٹھہر گیا ہوں، اور اگر چلتا رہوں تو میرے ساتھ چلے آنا، اور جہاں میں جاؤں تم بھی جانا، ابوذر نے ایسا ہی کیا، حضرت علیؓ کے پیچھے پیچھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئے، آپؐ کی بات سنی اور اسی وقت اور اسی جگہ ایمان لے آئے![1]

انتہائی اعزاز

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ایک دن ہم اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلے اور کعبہ کے در پر آئے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور میرے کاندھوں پر پیر رکھ کر اونچے ہوئے اور کہا کہ کھڑے ہو جاؤ، میں کھڑا ہوا مگر میری کمزوری کو آپؐ نے محسوس فرمالیا، فرمایا بیٹھ جاؤ، پھر خود آپؐ بیٹھ گئے اور مجھ سے کہا کہ میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ، جب ایسا کیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے لئے ہوئے کھڑے ہوئے تو مجھے ایسا لگا کہ اتنا اونچا ہو رہا ہوں کہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جاؤں گا، میں اس طرح کعبہ کی چھت پر پہونچ گیا، اور وہاں جو پیتل یا تانبے کا بنا ہوا بُت رکھا ہوا تھا، اس کو میں داہنے بائیں موڑنے لگا اور آگے پیچھے جھکانے لگا یہاں تک کہ اس کو اپنے قابو میں لے آیا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو گرا دو میں نے گرایا تو وہ ایسا چور چور ہو گیا جیسے شیشے کے بنے ہوئے برتن، پھر وہاں سے اُترا اور ہم دونوں (میں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تیز قدم چلتے ہوئے گھروں کے پیچھے آگئے کہ کہیں کوئی ہمیں دیکھ نہ لے"۔

جیسا کہ مستدرک للحاکم میں ہے یہ بات واضح ہے کہ یہ قصہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔[2]

---

[1] الجامع الصحیح للامام البخاری، باب اسلام أبی ذرؓ کتاب مناقب الأنصار (مطبعہ مصطفےٰ البابی الحلبی مصر ۱۹۵۳ء)

[2] امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں یہ حدیث نقل کی ہے (ملاحظہ ہو ج ۲ صفحہ ۶۴۴-۶۴۵ بتحقیق احمد محمد شاکر مطبوعہ دار المعارف مصر) امام بخاری نے فی التاریخ، و ابن ماجہ، والحاکم والنسائی فی الخصائص۔

(باقی ص ۵۵ پر)

ہجرت

قریش اور قبائل عرب کو اسلام کی دعوت دینے کا سلسلہ جاری رہا، دوسری طرف قریش کی دشمنی اور مخالفت بھی پورے شباب پر تھی، اور واقعات کا تسلسل قائم رہا، بنو ہاشم کا مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) اور ان کا شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہونا، حضرت جعفر بن ابی طالب اور بہت سے مسلمانوں کا حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جانا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طائف جاکر دعوتِ حق دینا، اور وہاں کے لوگوں کی بدزبانی اور بدسلوکی کا واقعہ، اسراء و معراج کا واقعہ، حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور حضرت عمر بن الخطاب کا اسلام میں داخل ہونا، اور اہلِ مکہ اور باہر سے آنے والوں میں جن لوگوں کے قلوب اللہ تعالےٰ نے ایمان کے لئے کھول دیئے اُن کا ایمان لانا، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت کرنے والے اور اُن کی حفاظت کے لئے سینہ سپر رہنے والے ابو طالب کی وفات ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات اور قریش کی روز افزوں سختیاں اور ایذا رسانی اور دشمنی کے نت نئے طریقے ایجاد کرنا جن کی کوئی حد نہیں اور اس دوران قبیلہ قحطان یثرب کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج کا ایمان لانا، پھر بیعت عقبہ اولی او ثانیہ کے واقعات، مدینہ میں اسلام کا پھیلنا،

(باقی ص۷۵ کا) بعض متاخر سیرت نگاروں کو وہم ہوا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کو بتوں سے پاک کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، علامہ برہان الدین الحلبی (ولادت ۹۷۵ وفات ۱۰۴۴) اپنی مشہور کتاب "السیرۃ الحلبیۃ" میں لکھتے ہیں کہ "حضرت علی رضؓ کا یہ کہنا" ہم اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دوڑتے ہوئے واپس آئے اس ڈر سے کہ کوئی قریش کا آدمی دیکھ نہ لے" بتاتا ہے کہ یہ فتح مکہ کا واقعہ نہیں ہو سکتا"۔ (ج ۳ ص ۳۰)

بہت سے مسلمانوں کا یثرب کی طرف ہجرت کرنا، یہاں تک کہ مکہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علیؓ، حضرت ابوبکر ابن ابی قحافہ کے علاوہ صرف وہی مسلمان رہ گئے جو یا تو محبوس تھے، یا کسی مصیبت میں گرفتار تھے، اور قریش کو کھٹکا لگا ہوا تھا کہ کہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ نہ چلے جائیں، ان تمام واقعات کی تفصیل آسان بھی نہیں ہے، اور حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سوانح میں مکمل طور پر ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ ان تفصیلات کی جگہ سیرت کی کتاب ہے جو اپنی جگہ پر ایک دریائے بے کنار ہے[1]۔

بہر حال یہی حالات تھے کہ بالآخر قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے اور اس تجویز پر سب متفق ہو گئے کہ ہر قبیلہ سے ایک مضبوط اور باہمت آدمی لیا جائے اور یہ سب مل کر اس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وار کریں کہ سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں، اس طور پر خون کی ذمہ داری تمام قبائل پر ہوگی، اور عبد مناف تمام قبائل سے خون کا بدلہ لینے کے لئے جنگ کرنے کی ہمت نہیں کریں گے، اس تجویز کو سب نے منظور کیا اور مجلس برخواست ہوئی۔

اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سازش سے آگاہ کر دیا اور آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور فرمایا: "تم کو کوئی بھی گزند نہیں پہنچا سکیگا" یہ بات آسان نہ تھی، اور کوئی بھی اُن کی جگہ ہوتا اس کی پلک سے پلک نہ لگتی اِلّا یہ کہ اس درجہ کا ایمان اللہ پر مضبوط ہوتا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس درجہ اُلفت وجاں سپاری کا تعلق رکھتا ہوتا، اور آپؐ کی بات پر اس کو کامل یقین اور مکمل اعتماد ہوتا، اور وہ خود اپنے آپ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرنے کا

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے مؤلف کی کتاب "السیرۃ النبویہ" عربی ص ۱۲۰-۱۵۹ یا "نبی رحمت" (اردو)

جذبہ رکھتا ہوتا جس درجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تھا، کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ دشمنوں کو جب پتہ لگے گا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے ہاتھ سے نکل گئے تو وہ اپنی تسکینِ نفس کی خاطر اُن کی جگہ پر لیٹے ہوئے شخص کی بوٹی بوٹی کر دیں گے۔

لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان باتوں کو خاطر میں نہیں لائے اور بسترِ رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے[1]۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان کے دروازے پر دشمن اکٹھا ہو گئے، یکبارگی حملہ کرنے کا منصوبہ تھا جس کے لئے سب تیار تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مٹھی بھر خاک اپنے ہاتھ میں لی، اور گھر سے باہر آ گئے، اللہ تعالےٰ نے کفار قریش کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، آپؐ اس خاک کو اُن کے سروں پر پھینکتے ہوئے نکل گئے، اس وقت آپؐ سورۂ یٰسین اس آیت تک پڑھ رہے تھے "فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ"[2]۔

آپؐ جب جا چکے تو کسی آنے والے نے کفار کے مجمع کو مخاطب کر کے کہا تمھیں کس کا انتظار ہے؟ بولے محمدؐ کا، اُس نے کہا، اے نامرادو! وہ تو نکل چکے اور اپنے کام پر روانہ ہو گئے، لوگوں نے اندر جھانک کر دیکھا تو حضرت علیؓ بستر پر نظر آئے، اُن کو یقین ہو گیا کہ یہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، مگر جب صبح ہوئی تو حضرت علیؓ اس پر سے اُٹھے اور لوگ ناکام و بے نیل مرام واپس گئے[3]۔

ابن سعد، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: جب

---

[1] اس موقع کا ایک مناسب شعر اس لائق ہے کہ نقل کر دیا جائے (مترجم)

بسترِ احمدؐ شبِ ہجرت یہ دیتا ہے صدا — اے علیؓ! مردوں کو یوں ہی نیند آنا چاہیئے

[2] سورہ یٰسین آیت ۹ ترجمہ "ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو ان کو کچھ سجھائی نہیں دیتا"

[3] سیرت ابن ہشام، ج ۱ صفحہ ۴۸۲-۴۸۳

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کی نیت سے مدینہ تشریف لے گئے تو مجھے حکم دیا کہ میں آپؐ کے بعد یہاں ٹھہرا رہوں تاکہ وہ امانتیں جو لوگوں کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھیں وہ سب اُن کے مالکوں کو پہنچا دوں (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوگ اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے، اور آپؐ کو امین کہتے تھے) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد تین روز رہا، میں لوگوں کے سامنے آتا جاتا، میں ایک روز بھی غائب نہیں رہا، ان تین دنوں کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جس راستہ سے گئے تھے، اس پر چلتا ہوا میں بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں پہونچا، وہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف رکھتے تھے، میں بھی کلثوم بن الہدم کے مکان پر پہنچا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام فرمانے کی جگہ تھی[1]

حضرت علیؓ راتوں کو چلا کرتے، اور دن کو کہیں چھپ رہتے، اس طرح مدینہ پہنچے، آپؐ کے پاؤں پھٹ گئے تھے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیؓ کو بلاؤ، لوگوں نے عرض کیا، وہ چل نہیں سکتے، آپؐ خود اُن کے پاس تشریف لے گئے، گلے سے لگایا، اور اُن کے پیر کے ورم کو دیکھ کر رو پڑے، پھر اُن پر لعابِ دہن لگایا، اور دست مبارک اُن کے پیروں پہ پھیرا، جس کا اثر یہ تھا کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے دن تک پھر کوئی پیروں کی تکلیف نہیں ہوئی[2]

حضرت علیؓ کی مدینہ میں آمد ربیع الاول کے وسط میں ہوئی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک قباء سے نہیں نکلے تھے۔

---

[1] کنز العمال ج ۸ ص ۳۳۵ مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد طبع اول ۱۳۱۲ھ

[2] الکامل لابن الاثیر ج ۲ ص ۷۵ دار صادر بیروت ۱۳۹۹ھ

مؤاخاۃ

ابن سعد کی "الطبقات الکبریٰ" میں مذکور ہے:۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالبؓ اور سہل بن حنیفؓ کے درمیان بھائی چارگی (مؤاخاۃ) کا تعلق قائم کیا۔[1]

ابن کثیر نے بیان کیا:۔

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سہل بن حنیفؓ کے درمیان مؤاخاۃ کرائی، ابن اسحاق نیز متعدد سیرت و مغازی کے مؤلفین نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کی مؤاخاۃ خود اپنی ذات سے قائم کی، اس سلسلہ میں بہت سی احادیث نقل کی گئی ہیں، جن میں چند احادیث کی اسناد ضعیف ہیں، اور بعض احادیث کے متن میں بھی کمزوری ہے۔[2]

سُنن الترمذی میں جو روایت ہے، اُس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مؤاخاۃ حضرتؓ علی کرم اللہ وجہہ سے قائم کی، اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کا درجہ دیا، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "ازالۃ الخفاء" اور "تنویر العینین" دونوں میں اس روایت کو ترجیح دی ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عقد

ہجرت کے دوسرے سال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کر دیا، اس موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا، میں نے تمہارا نکاح اپنے اہلِ بیت کے بہترین فرد سے کر دیا ہے، پھر اُن کو دعائیں دیں، اور اُن دونوں پر پانی چھڑکا۔[3]

---

[1] الطبقات الکبریٰ، ج ۳ ص ۲۳ [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۴۱-۲۴۷ [3] ازالۃ الخفاء ص ۲۵۴

ابوعمر عبیداللہ بن محمد بن سماک بن جعفر الہاشمی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے غزوۂ اُحد کے بعد کیا، حضرت فاطمہؓ کی عمر اس وقت ۱۵ سال اور ساڑھے پانچ ماہ تھی، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس[۲۱] سال اور پانچ ماہ تھی[۱]۔

اس سلسلہ کی مفصل حدیث مسندِ علی میں ہے کہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خطبہ کیوں کر پیش کیا، فرماتے ہیں :-

"میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اُن کی صاحبزادی سے نکاح کا پیغام دینا چاہا تو دل میں کہا کہ کس طرح پیغام دوں جب کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، پھر میں نے آپؐ کے اس تعلق کو سوچا جو مجھ سے رہا ہے، اور آپؐ کی شفقت و محبت کا خیال آیا تو ہمت بندھی اور میں نے یہ پیغام دے دیا، فرمایا (آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) تمہارے پاس کچھ ہے؟ عرض کیا نہیں، فرمایا: میں نے فلاں موقع پر تم کو جو حطمیہ نام کی زرہ دی تھی وہ کہاں ہے؟ عرض کیا، وہ میرے پاس ہے، فرمایا یہی اس (یعنی فاطمہؓ) کو دے دو چنانچہ

---

[۱] محدث دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس روایت کے قبول کرنے میں تردد ہے کیونکہ غزوۂ اُحد ۳ھ کے شوال میں ہوا اور غزوۂ اُحد ہی کے موقع پر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا: "اغسلی عنی الدم" میرے جسم سے خون کے داغ صاف کردو، جب تک نکاح نہ ہو چکا ہو یہ کیونکر ممکن ہے؟ (ازالۃ الخفاء ص۲۵۴)

صحیح بات بھی یہی ہے کہ اس غزوہ سے پہلے ان کا نکاح ہو چکا تھا، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ بات تاریخی طور پر مسلم ہے کہ حضرت حسنؓ کی ولادت وسط شعبان (اور ایک قول کے مطابق رمضان) ۳ھ ہجری میں ہوئی (تاریخ دمشق لابن عساکر اور دوسری مستند کتب تاریخ) اس لئے غزوۂ اُحد کے بعد جو شوال ۳ھ ہجری میں پیش آیا، نکاح کی روایت کسی طرح صحیح اور قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔

میں نے وہ درع اُن کو دے دی (یعنی مہر کے طور پر)[1]۔

عطاء بن السائب اپنے والد سے اور وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو ایک دبیز چادر میں رخصت کیا اور جہیز میں ایک مشکیزہ، ایک چمڑہ کا تکیہ جس میں اِذخر کی چھال بھری تھی[2]، عطا فرمایا۔

سیدنا علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی معاشی حالت

علیؓ و فاطمہؓ (جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھے) اور رسولؐ (جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب تھے) کی معیشت انتہائی سادہ، سخت کوشی صبر و مشقت کی معیشت تھی، ہنّاد عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے بہتیرے دن گزر گئے کہ ہمارے گھر میں کوئی چیز کھانے کی نہ تھی، اور نہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ تھا، اسی زمانہ میں ایک بار باہر نکلا تو راستہ میں ایک دینار پڑا ہوا دیکھا میں ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا، اور پھر دل میں سوچتا رہا کہ اس کو اٹھاؤں یا چھوڑ دوں لیکن افلاس کی یہ شدت تھی کہ یہی طے کیا کہ اس کو اٹھا لوں، چنانچہ اس کو لے لیا اور ان شتربانوں کو دیا جو باہر سے غلہ لے کر آئے تھے، اور اس سے

---

[1] مسند الامام احمد بن حنبل، مسند علی بن ابی طالب۔

قابلِ وثوق روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہؓ سے شادی کے موقع پر سامان خریدنے اور جہیز تیار کرنے کے سلسلہ میں مدد کی جس کا اعتراف خود علماء و مؤرخین شیعہ نے کیا ہے (ملاحظہ ہو "الامالی" شیخ ابی جعفر الطوسی ص ۳۹، ج ۱ مطبوعہ جدید نجف اشرف، عراق وغیرہ)۔ [2] مسند الامام احمد بن حنبل، مسند علی بن ابی طالب (اِذخر ایک خوشبودار گھاس کو کہتے ہیں جو عرب میں پائی جاتی تھی۔)

آٹا خرید لیا، فاطمہؓ کو دیا کہ اس کو گوندھ کر روٹیاں پکا لو، وہ گوندھنے لگیں مگر فاقہ کی وجہ سے اتنی کمزور تھیں کہ آٹا گوندھنے میں ہاتھ بار بار برتن پر گر جاتا اور چوٹ لگتی، بہرحال کسی طرح انھوں نے آٹا گوندھ کر روٹی پکائی، اور میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر یہ واقعہ بتایا، فرمایا: "اس کو کھالو، اللہ نے تمھیں یہ رزق بہم پہونچایا ہے"۔[1]

اور ہنّاد الدینوری الشبعی نے ایک حدیث نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: "میں نے فاطمہ بنت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کیا تو میرے یا اُن کے پاس ایک مینڈھے کی کھال کے سوا کوئی بستر نہ تھا، اسی پر رات کو سوتے اور اسی میں دن کو اپنی بکری کو چارہ دیتے، اس کے علاوہ ہمارے یہاں کوئی خادم نہ تھا"۔[2]

طبرانی نے معتبر اسناد (اسناد حسن) سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا میرے بچے کہاں ہیں؟ (یعنی حسن اور حسین رضی اللہ عنہما) حضرت فاطمہؓ نے کہا، آج ہم لوگ صبح اٹھے تو گھر میں ایک چیز بھی ایسی نہ تھی جس کو کوئی چکھ سکے، اُن کے والد نے کہا میں ان دونوں کو لے کر باہر جاتا ہوں، اگر گھر پر رہیں گے تو تمھارے سامنے روئیں گے اور تمھارے پاس کچھ ہے نہیں کہ کھلا کر خاموش کرو، چنانچہ وہ فلاں یہودی کی طرف گئے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے گئے، دیکھا یہ دونوں بچے ایک صراحی سے کھیل رہے ہیں، اور اُن کے سامنے بچا کھچا ادھ کٹا قسم کا کچھ کھجور ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی! اب بچوں کو گھر لے چلو، دھوپ بڑھ رہی ہے، انھوں نے کہا یا رسول اللہؐ آج صبح سے ہمارے گھر میں

---

[1] کنز العمال للعلامہ علی المتقی برہانپوری، ج ۷، صفحہ ۳۲۸، یہ روایت ابوداؤد نے سہل بن سعد سے ایک طویل حدیث میں نقل کی ہے۔ ج ا صفحہ ۲۴۲ [2] کنز العمال ج ۷، صفحہ ۱۳۳

ایک دانہ نہیں ہے تو اگر آپؐ یا رسول اللہ تھوڑی دیر تشریف رکھیں تو میں فاطمہؓ کے لئے کچھ بچے کھچے کھجور جمع کر لوں، یہ سن کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بیٹھ گئے، یہاں تک کہ فاطمہؓ کے لئے کچھ بچے ہوئے کھجور جمع ہو گئے حضرت علیؓ نے کھجور ایک کپڑے میں باندھ لئے، اور پڑھ کر دونوں کو گود لیا اور اُٹھا کر لے آئے[1]۔

امام بخاری حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ چکی پیستے پیستے پریشان ہو گئی تھیں، ان کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس کچھ قیدی غلام آئے ہیں، حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں مگر آپؐ تشریف نہیں رکھتے تھے، انھوں نے حضرت عائشہؓ سے یہ بات کہہ دی، حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا، آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے، اور ہم لوگوں کے سونے کی جگہ تک آگئے ہم لوگ اُٹھنے لگے تو فرمایا اپنی جگہ پر رہو، اس وقت میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قدم مبارک کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کی پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں نے جس چیز کی خواہش کی ہے کیا اس سے بہتر چیز تم کو بتا دوں؟ جب تم سونے کو جانے لگو تو ۳۴ بار اَللّٰہُ اَکْبَر ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰہِ پڑھ لیا کرو، یہ چیز تم دونوں کے لئے اس سے زیادہ کارآمد ہو گی جس کا تم نے سوال کیا ہے[2]!

اور ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: میں اہلِ صفّہ کو چھوڑ کر جن کے بھوک سے پیٹ میں بل پڑ رہے ہیں،

---

[1] الترغیب و الترھیب للمنذری ج ۵ ص ۱۷۱ مصطفےٰ البابی الحلبی مصر۔ طبع دوم ۱۹۵۴ء۔

[2] بخاری کتاب الجھاد، باب الدلیل علی ان الخمس لنوائب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

تمھیں نہیں دوں گا، میرے پاس اُن کے اخراجات کے لئے کچھ نہیں ہے لیکن ان غلاموں کو فروخت کر کے اُن کی قیمت ان اہلِ صُفّہ پر خرچ کروں گا۔"[1]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راحت رسانی کے لئے مشقّت

اس تنگی اور فقر و فاقہ کی زندگی کے باوجود حضرت علیؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راحت رسانی اور آپؐ کو دعوت اِلی اللہ اور جہاد کے لئے یکسو رکھنے کی خاطر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے، اور کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔

ابن عساکر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، فرمایا:۔

"ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر فاقہ تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ معلوم ہوا تو وہ کسی مزدوری کی تلاش میں گھر سے نکل پڑے تاکہ اس سے اتنا مل جائے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت پوری ہو جائے، اس تلاش میں ایک یہودی کے باغ میں پہنچے اور اس کے باغ کی سینچائی کا کام اپنے ذمہ لیا، مزدوری یہ تھی کہ ایک ڈول پانی کھینچنے کی اُجرت ایک کھجور، حضرت علیؓ نے سترہ ڈول کھینچے، یہودی نے انھیں اختیار دیا کہ جس نوع کی کھجور چاہیں لے لیں، حضرت علیؓ نے سترہ عجوہ[2] لے لئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، فرمایا: جناب یہ کہاں سے لائے؟[3] حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے

---

[1] روایت احمد (فتح الباری ج ۷، ص ۲۳-۲۴) حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے، ملاحظہ ہو مسند علی فی مسند الامام احمد بن حنبل۔ [2] عجوہ مدینہ کی اچھی اور لذیذ کھجور شمار ہوتی ہے اور اب بھی اس کو لوگ تبرکاً اور بہتر سمجھ کر لاتے ہیں۔ [3] آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوالحسن یہ کہاں سے لائے، مگر کنیت سے مخاطب کرنے کا مطلب اعزاز و احترام ہوتا ہے جو کبھی چھوٹوں سے بھی بطور شفقت کہا جاتا ہے اس لئے اس کا ترجمہ "جناب سے" کیا گیا۔ (مترجم)

عرض کیا، یا نبی اللہ! مجھے پتہ لگا کہ آج فاقہ درپیش ہے، اس لئے کسی مزدوری کی تلاش میں نکل گیا تھا کہ کچھ کھانے کا سامان کر سکوں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبّت نے اس پر آمادہ کیا تھا؟ عرض کیا: ہاں، یارسول اللہ!! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول سے محبّت کرنے والا ایسا کوئی نہیں ہے جس پر افلاس اس تیزی سے نہ آیا ہو جیسے سیلاب کا پانی اپنے رُخ پر تیزی سے بہتا ہے، اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبّت کرے اس کو چاہئے کہ مصائب کے روک کے لئے ایک چھتری بنالے یعنی حفاظت کا سامان کرے[۱]"۔

دُلار اور شفقت کا نام

غایتِ محبّت اور دُلار سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؓ کو ابوتُراب کہا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ "ایک بار حضرت علیؓ سیّدہ فاطمہؓ کے پاس گئے، پھر واپس آکر مسجد میں لیٹ گئے، ادھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرۂ فاطمہؓ کی طرف آگئے اور حضرت فاطمہؓ سے پوچھا تمہارے ابن عم کہاں ہیں؟ کہا مسجد میں، آپؐ مسجد تشریف لائے تو دیکھا کہ چادر اُن کی پشت سے اُتر گئی ہے، اور پیٹھ میں مٹّی لگ گئی ہے، آپؐ اپنے دست مبارک سے اُن کی پُشت پر لگی ہوئی مٹّی کو صاف کرنے لگے اور دو مرتبہ فرمایا: "اجلس یا أبا تراب" بیٹھ جاؤ اے ابوتراب[۲] (ابوتراب کا لفظی ترجمہ خاک آلود کیا جاسکتا ہے)

---

[۱] کنز العمال ج ۲ ص ۳۲۲ (آخری جملہ مصائب کی روک یا مصائب سے بچاؤ کے لئے ایک مضبوط چھتری بنالے، عربی لفظ ہے "فلیعدّ للبلاء تجفافا" تجفاف (ت کو کسرہ) جنگی پیراہن ہے جو گھوڑے کو پہنایا جاتا ہے، یا انسان پہن لیتا ہے کہ نیزوں یا تیر کا اثر جسم پر نہ پڑے، جیسے زرہ یا خود۔

[۲] صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب القرشی الہاشمی۔

غزوۂ بدر الکبریٰ اور اس غزوہ میں حضرت علیؓ کے کارنامے

رمضان ۲ھ میں جنگ بدر ہوئی، یہ وہ فیصلہ کن معرکہ تھا جس نے اُمّتِ اسلامیہ اور دعوتِ اسلامی کے لئے راستہ ہی صاف نہیں کیا بلکہ تاریخ کے دھارے کا رُخ بدل دیا۔[1]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس معرکہ میں قدم رکھا، اور لوگوں کو سامنے آکر مقابلہ کرنے کی ترغیب دی تو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے عُتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید نکلا جب دونوں فریق آمنے سامنے آگئے تو کفّار نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ انھوں نے جواب دیا انصار کی ایک جماعت، کہنے لگے تم اچھے لوگ ہو اور ہمارے مقابل کے ہو مگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں (رشتہ داروں) کو سامنے لاؤ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کی بہ نسبت اس سے زیادہ واقف تھے کہ یہ قریشی شہسوار کیسے آزمودہ کار اور جنگ میں کس پایہ کے لڑنے والے اور سورما سمجھے جاتے ہیں، یہی وہ لوگ تھے، جن کی طرف جنگ کے موقع پر نگاہیں اُٹھا کرتی تھیں، فنونِ سپہ گری اور شہسواری کے ماہر تھے، آپؐ نے مقابلہ آزما قریشیوں کی فرمائش سن کر فرمایا: حمزہ اٹھو! علی اٹھو! عبیدہ[2] اٹھو! یہ تینوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون و رشتہ کے لحاظ سے قریب ترین افراد تھے، اور سب سے زیادہ عزیز اور محبوب تھے، آپؐ اُن کو عزیز رکھتے تھے، مگر خطرہ کا وقت اور نازک موقعہ آیا تو اپنے عزیزوں کو دوسروں کے مقابلہ میں

---

[1] اس جنگ کی تفصیلات سیرت کی تمام کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں، مؤلف کی کتاب "السیرۃ النبویۃ" ص ۲۱۵-۲۲۸ ملاحظہ ہو۔

[2] ان کا پورا نام عبیدۃ بن الحارث بن المطلب بن عبد مناف ہے۔

پہلے بڑھایا، یہ لوگ میدان میں اترے تو کفّار نے کہا: ہاں یہ لوگ ہمارے جوڑ کے ہیں، اور ہم نسب ہیں، حضرت عبیدہؓ نے جو عمر میں سب سے بڑے تھے، عتبہ کو، حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید بن عتبہ کو للکارا، حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے مقابل کے سورماؤں کا پہلے ہی وار میں کام تمام کر دیا، اور دوبارہ لوٹ کر ان دونوں نے عتبہ کو نمٹایا، اور حضرت عبیدہ جو گھائل ہو گئے تھے، اُن کو اُٹھا کر لے آئے، حضرت عبیدہؓ اُن زخموں سے جانبر نہ ہو سکے، اور شہید ہو گئے[1]

"الطبقات الکبریٰ" لابن سعد میں قتادہ سے روایت ہے کہ "حضرت علی بن ابی طالبؓ جنگِ بدر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علَم کے حامل تھے[2]" الحافظ ابن عساکر نے کہا: "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر اپنی تلوار ذوالفقار حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دی اور اس جنگ کے بعد اُن کو ہمیشہ کے لئے بخش دی[3]"۔

غزوۂ اُحد

ہجرت کے تیسرے سال شوال میں غزوۂ اُحد کا واقعہ پیش آیا[4]، اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی مدد کی، اور اس کا وعدۂ نصرت پورا ہوا، مشرکین کے پیر اکھڑ گئے، عورتیں اپنی جانوں کی خیر مناتی بھاگیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیر اندازوں کا امیر عبد اللہ بن جبیر کو بنایا تھا، اُن تیر اندازوں کی تعداد پچاس[5] تھی، اُن کو ہدایت دی گئی تھی کہ اپنی جگہ سے

---

[1] سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۶۲۵ [2] الطبقات الکبریٰ، ج ۳ ص ۲۳

[3] تفصیلی حالات کتب سیرت میں دیکھے جائیں، مصنف کی کتاب "السیرۃ النبویہ" (ص ۲۲۹-۲۴۶) میں بھی ضروری تفصیل ملے گی۔ [4] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۴ ص ۴۷

کسی حال میں نہ ٹلیں، اور اس طرف سے آنے والے دشمنوں کا تیروں سے مقابلہ کریں، تاکہ وہ پیچھے سے حملہ آور نہ ہوسکیں، خواہ جیت رہے ہوں یا میدان دشمنوں کے ہاتھ جا رہا ہو، حکم یہ دیا کہ اپنی جگہ سے کسی حال میں نہ ٹلیں خواہ یہ دیکھیں کہ پرندوں نے فوج پر یلغار کی ہے۔

لیکن جب مشرکوں کو شکست ہوگئی اور وہ بھاگنے لگے یہ تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ کر لشکرِ کفار پر ٹوٹ پڑے کیونکہ اُن کو جنگ جیت لئے جانے کا یقین تھا، اور چلّانے لگے، لوگو آؤ غنیمت لے لو، لوگو آؤ مالِ غنیمت لے لو حضرت عبداللہ بن جُبیر جو اُن کے امیر تھے، انھوں نے ان تیر اندازوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت یاد دلائی، مگر انھوں نے نہیں سنا، اور سمجھے کہ اب مشرکوں کے واپس آنے کا کوئی سوال نہیں ہے، مگر دشمن گھات میں تھا، جیسے ہی مورچہ خالی دیکھا کفار یکبارگی ٹوٹ پڑے اور پشت کی جانب سے حملے شروع کر دیئے یہی نہیں بلکہ با آواز بلند اعلان کرنے لگے کہ "ألا إنّ محمداً قد قتل" یعنی محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) شہید ہوگئے، مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے، اور دشمن نے لوٹ کر دوبارہ وار کرنا شروع کر دیا، اور ان کو موقعِ غنیمت مل گیا، مسلمانوں کی فتح مندی شکست کی صورت اختیار کر گئی، اسی دوران دشمنوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کا موقع مل گیا، اور ایک پتھر آپؐ پر بھرپور پڑا، جس سے نیچے کا ایک دندان مبارک شہید ہوگیا،[1] سرِ مبارک پر چوٹ آئی جس سے خون بہنے لگا، ہونٹ پر زخم لگے، مسلمانوں کو پتہ نہ چل سکا کہ آپؐ کس جگہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے ہاتھ کو سہارا دیا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اٹھایا اور آپؐ اپنے قدموں پر کھڑے ہوگئے، حضرت مالک بن

---

[1] علامہ محمد طاہر پٹنی کی کتاب "مجمع بحار الانوار" میں ہے کہ دندان مبارک پورے طور پر شہید نہیں ہوا تھا، اس کے اوپر کا سرا جدا ہوگیا تھا۔

نشان نے آپؐ کے چہرۂ مبارک کے خون کو چاٹ کر صاف کیا۔[1]

امام بخاری سہل بن سعد سے روایت کرتے ہیں، اُن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخمی ہونے کی کیفیت دریافت کی گئی تھی، فرمایا کہ کون رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں کو دھو رہا تھا، کون پانی ڈال رہا تھا، اور آپؐ کو کیا دوا دی گئی، مجھے یہ سب یاد ہے، فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ کے زخموں کو دھو رہی تھیں، اور علیؓ اپنی ڈھال میں پانی لے کر دے رہے تھے، جب فاطمہؓ نے یہ دیکھا کہ پانی سے خون رکنے کے بجائے اور تیز ہو رہا ہے تو چٹائی کا ایک کنارہ نوچ کر اس کو جلا ڈالا اور اس کو سر مبارک کے مجروح حصہ میں چپکا دیا، تو خون رُک گیا۔[2]

ابن کثیر کہتے ہیں: "حضرت علیؓ غزوۂ اُحد میں موجود تھے، لشکرِ اسلام کا میمنہ سنبھالے ہوئے تھے، اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کی شہادت کے بعد علم آپ ہی نے اپنے ہاتھ میں لیا، اور اُحد کے موقع میں سخت جنگ کی، لاتعداد مشرکوں کو ٹھکانے لگایا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے بہتے ہوئے خون کو دھویا، کیونکہ جب آپؐ پر دشمن نے وار کیا تو سرِ مبارک پر زخم آئے تھے، اور آگے کے دو دندانِ مبارک شہید ہو گئے تھے۔"[3]

حضرت علیؓ کی شجاعت اور خداداد جنگی کمال

شوال ۵ھ میں غزوۂ خندق جس کو غزوۃ الاحزاب بھی کہتے ہیں، پیش آیا، یہ معرکہ ان واقعات میں سے ہے، جن کے اثرات بہت دُور رس اور اسلام کے پھیلنے میں معاون

---

[1] تفصیلات کے لئے کوئی بھی سیرت کی کتاب یا مؤلف کی کتاب "السیرۃ النبویۃ" ص ۲۲۹-۲۴۶ دیکھئے۔

[2] الجامع الصحیح للبخاری۔ کتاب المغازی، باب غزوۂ اُحد۔ [3] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۷، ص ۲۲۴

ثابت ہوئے، نیز یہ جنگ فیصلہ کن تھی، مسلمانوں کو وہ آزمائش پیش آئی جس کی اس سے پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی[1]، اس کی بولتی ہوئی نازک اور واضح تصویر ان آیات کریمہ میں دیکھی جاسکتی ہے :-

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ	جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی
اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ	طرف تم پر چڑھ آئے، اور جب
الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ	آنکھیں پھر گئیں، اور دل (مارے
الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ	دہشت کے) گلوں تک پہونچ گئے اور
الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ	تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان
الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا	کرنے لگے، وہاں مومن آزمائے گئے،
شَدِيْدًا ۝ (سورۂ احزاب ۱۰-۱۱)	اور سخت طور پر ہلائے گئے۔

حضرت علیؓ کے جنگ کے امور میں خداداد امتیازی کمال (عبقریت حربیہ) کا پہلی بار شاندار اور مکمل اظہار اس جنگ کے موقع پر ہوا، حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے جو خندق کھودی گئی تھی، وہ مدینہ کے شمال و مغرب کے راستہ پر تھی، اور یہی دشمن کے مدینہ میں داخل ہونے کا کھلا راستہ تھا، یہ خندق مسلمانوں اور قریش کے درمیان حائل تھی، دشمن کی فوج دس ہزار تھی، قریش کے شہسوار تیز گام مدینہ منورہ کی طرف بڑھتے آئے اور خندق کے قریب پہنچ کر ٹھٹھک گئے اور کہنے لگے یہ تدبیر جنگ تو نئی چیز ہے، عرب اس سے ناواقف تھے، اس کے بعد خندق کے ایک تنگ کنارے پر پہنچے، اور اپنے گھوڑے اتار دیئے وہ کود کر اُچھلے اور مدینہ منورہ کے اندر داخل ہوگئے، انہی فوجیوں میں عمرو بن عبدود بھی تھا،

---

[1] اس غزوہ کی تفصیلات مؤلف کی کتاب "السیرۃ النبویہ" ص۲۴۷-۲۵۷ میں دیکھئے۔

جو تنہا ایک ہزار شہسواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا، وہ سامنے آکر کھڑا ہوا اور بولا:
من یبارز؟ (کون ہے جو میرے مقابلہ میں آنے کی ہمت رکھتا ہے۔)

اس کے مقابلہ کے لئے حضرت علیؓ نکلے اور فرمایا:۔

اے عمرو تم نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر کسی قریش کے فرد نے تم کو دو چیزوں کی دعوت دی تو تم ایک ضرور قبول کرو گے، اس نے کہا بیشک! حضرت علیؓ نے فرمایا: میں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔

عمرو بولا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: پھر تم کو مقابلہ پر آنے کی دعوت دیتا ہوں۔

عمرو بولا: کیوں؟ میرے بھتیجے (ابن اخی بھائی کے لڑکے) میں تم کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: لیکن میں واللہ تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔

یہ سن کر اس کو جوش سا آگیا، اپنے گھوڑے سے کود کر اس کی کوچیں کاٹ دیں اور اس کے چہرہ پر ایک ضرب لگائی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا، دونوں کی تلواریں چلنے لگیں، بڑھا، مڑا، پھر وار کیا، اتنے میں حضرت علیؓ کی تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا۔[1]

دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عمرو نے پکار کر کہا: کون ہے جو میرے سامنے آتا ہے اور مسلمانوں کو حقارت آمیز انداز میں کہنے لگا، کہاں ہے وہ جنت جس کے متعلق تمہارا عقیدہ ہے کہ جو "شہید" ہوا وہ اس میں داخل ہو جائے گا؟

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۱۰۵

کسی کو میرے سامنے کیوں نہیں لاتے؟ حضرت علیؓ دو بار[2] اُٹھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی اور کہا، میں یا رسول اللہ! آنحضرتؐ نے فرمایا: بیٹھے رہو پھر عمرو نے تیسری بار للکارا اور غصہ بھڑکانے کے انداز میں آواز دی، حضرت علیؓ پھر کھڑے ہوئے اور کہا، میں یا رسول اللہ! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا، جانتے ہو یہ عمرو ہے؟ حضرت علیؓ نے کہا ہوا کرے عمرو، آپؐ نے اجازت دے دی، حضرت علیؓ اس کی طرف بڑھے اور جب اپنا نام بتایا تو اس نے کہا، اے برادر زادے! تمھارے چچا صاحبان میں بہت ایسے ہیں جو تم سے عمر میں بڑے ہیں، مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تمھارا خون بہاؤں حضرت علیؓ نے فرمایا: لیکن میں واللہ تمھارا خون بہانا چاہتا ہوں، پھر مقابلہ شروع ہوا، اور حضرت علیؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔[1]

پھر جنگ ختم ہو گئی کیونکہ قُریظہ (جو قریش کے حلیف تھے) اور قریش میں اختلاف ہو گیا تھا، نیز ان گروہوں (احزاب) کے پڑاؤ پر سرد ترین راتوں میں تیز آندھی آئی جس نے اُن کی تنبیاں اُلٹ دیں اور خیمے گرا دیئے،[2] اس واقعہ کے بعد قریش نے مسلمانوں سے مقابلہ کی ہمت نہیں کی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریش اس سال کے بعد تم پر حملہ آور نہ ہوں گے اب تم ہی ان پر حملہ آور ہوا کرو گے۔[3]

صلح حُدیبیہ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علیؓ کی محبت اور ادب و احترام

ذیقعدہ ۶ھ میں صلح حُدیبیہ کا واقعہ پیش آیا،[4][5] بڑے چوں وچرا اور معاندانہ رویہ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۱۰۶ [2] ملاحظہ ہو سورۃ الاحزاب، نیز کتب سیرت۔
[3] البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۱۱۵ [4] اس واقعہ کا پس منظر اور واقعہ کی تفصیلات سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں، نیز دیکھئے "نبی رحمتؐ" از مؤلف۔

کے بعد اور مسلمانوں کے حدود حرم میں داخلہ نامنظور کرنے کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو بھیجا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ان لوگوں کا ارادہ صلح کا ہے اسی لئے اس شخص کو بھیجا ہے، سُہیل نے کہا کہ ہمارے آپ کے درمیان ایک معاہدہ تحریری شکل میں آ جائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا گیا، آنحضرتؐ نے فرمایا لکھو: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سہیل نے کہا: "رحمٰن" کیا ہے میں نہیں جانتا، (عربوں کے قدیم قاعدہ کے مطابق) "یاسمك اللّٰھم" لکھا جائے، آپؐ نے فرمایا کوئی حرج نہیں یہی لکھ دو، آپؐ نے پھر اِملا فرمایا، یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہؐ نے فیصلہ کیا سُہیل نے کہا: اگر آپؐ کو ہم "رسول اللہؐ" مانتے تو بیت اللہ آنے سے روکتے ہی نہیں، اور نہ آپؐ سے جنگ کرتے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ تم جُھٹلاتے رہو میں اللہ کا رسول ہوں، سُہیل نے کہا یہ لکھا جائے، محمد بن عبداللہ، آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ پہلا لکھا ہوا مٹا دیں، حضرت علیؓ نے کہا، بخدا میں قطعاً اس کو مٹا نہیں سکتا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جگہ بتاؤ جہاں پر "رسول اللہ" لکھا ہے، میں خود مٹائے دیتا ہوں[1]۔

غزوۂ خیبر[2]

ہجرت کے ساتویں سال محرم کے آخر میں خیبر کی جنگ ہوئی، یہ وہ جنگ ہے جس میں شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نادرۂ روزگار شجاعت اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے یہاں جو ان کا مرتبہ تھا

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب صلح الحدیبیہ (دار احیاء الکتب العربیہ، طبع اول ۱۹۵۵ء)

[2] غزوہ کی تفصیلات کے لئے کتب سیرت کا مطالعہ کیا جائے، یا مصنّف کی السیرۃ النبویہ ص ۳۱۱-۳۱۹ سے رجوع کیا جائے (اردو ترجمہ "نبی رحمتؐ" کے نام سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے شائع ہو چکا ہے)۔

وہ دنیا کے سامنے کھل کر آگیا، اور تقدیر الٰہی کا یہ فیصلہ کہ یہ یہودی کالونی جس کی جنگی اور فوجی نیز جغرافیائی لحاظ سے بڑی اہمیت تھی، وہ حضرت علیؓ کے ہاتھ فتح ہو۔

خیبر ایک یہودی کالونی تھی جس کے متعدد مضبوط قلعے تھے، اور یہ یہودیوں کا جنگی مورچہ تھا، یہی نہیں، بلکہ جزیرۃ العرب میں جو ان کی چھاؤنیاں تھیں، ان میں آخری چھاؤنی یہی تھی، یہودی مسلمانوں کے خلاف مدینہ کے یہودیوں اور دوسرے علاقوں کے دشمنوں سے مل کر سازش کر رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کریں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی کہ ان یہودیوں کی آئے دن کی سازشوں اور حملہ کے خطرات سے ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو جائیں۔

خیبر مدینہ کے شمال مشرق میں ستر میل کی مسافت پر تھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی فوج لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے، مجاہدین کی کل تعداد چودہ سو تھی، آپؐ نے خیبر کے قلعوں پر حملہ کی ٹھان لی اور ایک ایک قلعہ فتح ہوتا رہا، لیکن القموص کا قلعہ مسلمانوں کے لئے ناقابلِ تسخیر معلوم ہو رہا تھا، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھیں آشوب کر آئیں تھیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کل جھنڈا اسی شخص کے ہاتھ میں ہوگا جس کو اللہ اور اس کا رسولؐ پسند فرماتا ہے، اور اسی کے ہاتھ یہ قلعہ فتح ہوگا، اکابر صحابہ اس موقع پر اپنے لئے اس سرفرازی کے متمنی و منتظر تھے، (رضی اللہ عنہم)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو بلایا اور جیسا کہ کہا گیا ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی، وہ حاضر ہوئے اور آنحضرتؐ نے اُن کی دونوں آنکھوں میں لعابِ دہن لگا دیا، اور اُن کے لئے دعا کی جس سے اسی لمحہ اُن کی تکلیف دور ہو گئی، اور

ایسی دور ہوئی گویا کبھی تھی ہی نہیں، آپؐ نے اُن کے ہاتھ میں علم دیا، حضرت علی رضؓ نے دریافت کیا، کیا میں اس وقت تک اُن سے قتال کروں جب تک کہ وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہو جائیں؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اپنی راہ پر گامزن ہو جاؤ اور اُن کے مقابلہ میں اتر کر انھیں اسلام کی دعوت دو اور انھیں بتاؤ کہ اللہ تعالےٰ کا ان پر کیا حق ہے، بخدا اگر تمھارے ہاتھ پر ایک آدمی بھی ہدایت پا جائے تو تمھارے لئے بے شمار سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔[۱]

شیرِ خدا اور یہود کے سورما کا مقابلہ

حضرت علی رضؓ القموص کے قلعہ میں داخل ہوئے، ادھر سے مشہور شہسوار مرحب رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا سامنے آیا، دونوں نے دو دو وار کئے، حضرت علی رضؓ نے جو وار کیا تو اس کے سر کا آہنی خود اور سر دونوں ایک ساتھ کٹ گئے، اس کے جبڑے بھی ٹوٹ گئے[۲]، اور اسی پر جنگ کا فیصلہ ہو گیا اور مسلمانوں کی فتح مندی کا فیصلہ ہو گیا، مسند ابن شیبہ میں انھوں نے اپنی سند سے لیث سے روایت کی ہے کہ ہم ابو جعفر کے پاس گئے[۳]، اُن پر خشیت و ندامت کی ایک کیفیت

---

[۱] روایت صحیح بخاری و صحیح مسلم باب غزوۂ خیبر میں مفصل موجود ہے۔ [۲] سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مرحب کو جس شخص نے قتل کیا وہ محمد بن مسلمہ تھے (ق، ص ۳۳۳-۳۳۴) لیکن صحیح یہ ہے کہ مرحب کو قتل کرنے والے علی بن ابی طالب تھے (طبری ص ۱۵۷۹) اور یہ بات تصریح کے ساتھ مسلم کی روایت میں ہے اور وہ اشعار بھی نقل کئے ہیں جن کو رجزیہ طور پر حضرت علی نے پڑھا تھا، اور جو واقعہ مسلم نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اسی پر اعتماد کیا جائے گا، اور وہی لائق ترجیح ہے، (ملاحظہ ہو صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۸۰۷ کتاب الجہاد والسیر) [۳] یہاں ابو جعفر سے مراد حضرت محمد الباقر ابن سیدنا علی بن حسین زین العابدین رضؓ ہیں۔

طاری تھی، وہ روئے، اس کے بعد کہا مجھ سے جابر نے روایت کی کہ علیؓ نے خیبر کے دن قلعہ کا دروازہ اپنے ہاتھوں اٹھالیا تھا جس کی بنا پر مسلمان خیبر کے قلعہ پر چڑھ گئے اور اس کو فتح کرلیا، یہ پھاٹک اتنا بھاری تھا کہ کوشش کرکے دیکھی گئی تو معلوم ہوا کہ چالیس[۴۰] آدمیوں سے کم اس کو اٹھا نہیں سکتے۔[۱]

---

[۱] کنز العمال ۱۵/۱۲۰ (بہ رمز ش)

باب خیبر کو اٹھانے کے واقعہ کو ابن کثیر نے ضعیف قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ اس روایت میں ایک مجہول راوی ہے، اور انقطاع بھی ہے، حضرت جعفر کی روایت جو حضرت محمد باقر سے ہے، اس روایت کو بھی انھوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۴ صـ۱۸۹ـ۱۹۰)

لیکن یہ روایت مختلف طریقوں سے مروی ہے اور یہ مشہور واقعہ ہے اور اس کا واقع ہونا مستبعد نہیں ہے، اگر اس کی صحت ثابت ہو جائے اور اگر اس کی کوئی اصل ہے تو یہ عقائد اہل سنت کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اہل سنت کے عقائد و علم کلام میں آتا ہے "إن كرامات الأولياء حق" (اولیاء اللہ سے کرامات کا صدور حق ہے) اور اس کی بنیاد قرآن مجید کی آیت ذیل ہے:۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ	زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں مریم کے
وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ	پاس جاتے تو انکے پاس کھانا پاتے (یہ کیفیت
أَنَّى لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ	دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم!
عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ	یہ کھانا تمھارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ
يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝	بولیں کہ خدا کے یہاں سے (آتا ہے) بے شک
(سورۂ آل عمران ـ ۳۷)	خدا جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اولیاء امت کے سرگروہ ہیں۔

محمد بن اسحاق نے عبد اللہ بن حسن سے اور وہ اپنے بعض افراد خاندان سے اور وہ ابو رافع سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے حضرت علیؓ کو ضرب لگائی جس سے ان کی ڈھال گر گئی حضرت علیؓ نے قلعہ کے پاس ایک دروازہ کو پکڑ لیا، اور اس کو اپنی ڈھال بنا لیا اور وہ اس وقت تک آپ کے ہاتھ میں رہا جب تک اللہ تعالٰی نے اس قلعہ کو آپ کے ہاتھ پر فتح نہیں کر دیا۔

ابو رافع نے کہا میں نے خیبر کے روز اپنے آپ کو اور اپنے جیسے سات آدمیوں کو دیکھا کہ ہم لوگ کوشش کرتے رہے کہ اس دروازہ کو پلٹ دیں، مگر ایسا نہ کر سکے، اور لیث ابو جعفر سے اور وہ جابر سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس دروازہ کو چالیس آدمی مل کر اٹھا سکے۔[1]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی پر مکمل یقین اور کامل ایمان کا نمونہ

رمضان ۸ھ میں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے لئے نکلنے کا ارادہ کیا تو لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور رازداری کے اصول پر عمل فرمایا، اور فرمایا کہ اے اللہ! دشمنوں کی آنکھوں سے یہ مہم پوشیدہ رکھ اور قریش کو اس کی خبر نہ لگے یہانتک کہ ہم اچانک ان کے دیار میں پہنچ جائیں۔[2]

حاطب بن ابی بلتعہ نے مکہ سے ہجرت کی تھی اور بدر میں بھی شریک تھے، وہ قریش سے متعلق بھی تھے لیکن قریشی نہیں تھے، اُن کی آل واولاد اور اُن کے گھر والے وہیں تھے،

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۲۲۵

[2] زاد المعاد ج ۱ ص ۴۲۱ (المطبعۃ المیمنیہ مصر) اور ابن ہشام ق ۲ ص ۳۹۷

مگر اُن کے کوئی ایسے رشتہ دار وہاں موجود نہیں تھے، جو اُن کے متعلقین کی حفاظت کرتے، انھوں نے چاہا کہ قریش پر ایک احسان کر دیں تاکہ وہ لوگ اُن کے رشتہ داروں کا لحاظ رکھیں، انھوں نے ایک خط لکھا جس میں یہ ذکر کر دیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی طرف آنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اور ایک عورت کو دیا کہ وہ پہنچا دے اور کچھ اُجرت بھی اس کو دی، یہ عمل بلا نیتہ غلطی پر مبنی تھا، اللہ اُن کو معاف کرے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے بارے میں کلمۂ خیر کہا اور فرمایا: "کیا عجب ہے کہ اللہ نے اہلِ بدر (کے اخلاص و قربانی) کو دیکھ کر فرما دیا ہو کہ جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا"[1] اس عورت نے جس کو یہ خط دیا گیا تھا کہ قریش کو پہونچا دے، اس خط کو اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپالیا اور روانہ ہو گئی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع وحی کے ذریعہ مل گئی، آپؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو بلایا اور فرمایا کہ ابھی فوراً چل پڑو خاخ[2] کے باغیچہ میں ایک ناقہ سوار عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے جو قریش کو پہونچانے لے جا رہی ہے، یہ دونوں حضرات اپنے گھوڑوں کو سرپٹ بھگاتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور اسی جگہ پر جہاں آنحضرتؐ نے بتایا تھا، اس عورت کو پالیا، اس کو اتارا اور پوچھا کہ تیرے پاس کوئی خط ہے؟ بولی میرے پاس کوئی خط نہیں ہے! ان دونوں نے اس کے کجاوہ کو کھولا، اس میں کچھ نہیں ملا، حضرت علیؓ نے اس سے کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ کبھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلاف واقعہ بات کہی اور نہ ہم غلط کہتے ہیں، بخدا تم کو خط نکالنا پڑے گا ورنہ ہم تجھے برہنہ کر کے جامہ تلاشی لیں گے، جب اس عورت نے ان لوگوں کو سنجیدہ دیکھا تو اس نے کہا کہ

---

[1] زاد المعاد۔ ج ۱ ص ۴۲۱ یہ قصہ صحاح میں بھی وارد ہے۔ [2] مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے ۱۲ میل پر واقع ہے۔ (مجمع بحار الانوار)۔

اچھا منھ پھیر لو! انھوں نے منھ پھیر لیا، اُس نے سر کے جُوڑے کو کھولا، اور خط نکال کر دے دیا، جس کو لے کر یہ دونوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے[۱]۔

حضرت علیؓ کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تسکین وتسلّی کے بلند کلمات

رجب ۹ھ میں تبوک کا معرکہ پیش آیا، سیرت نبوی میں اس غزوہ کی بڑی اہمیت ہے، اس سے وہ مقاصد ونتائج حاصل ہوئے، جو مسلمانوں اور عربوں کی نفسیات واحساسات اور بعد کے پیش آنے والے واقعات اور حالات کا رُخ معیّن کرنے میں عمیق اور دیرپا اثرات کے حامل ہیں[۲]۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کا محافظ (گورنر) حضرت محمد بن مسلمۃ الانصاری اور اپنے اہلِ بیت کی دیکھ بھال اور خبر گیری کے لئے اپنی جگہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مقرر کیا، حضرت علیؓ نے منافقوں کے افواہ پھیلانے اور اُن کی چہ میگوئیوں سے خطرہ کا اظہار فرمایا تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ میری نیابت واعتماد کے معاملہ میں تمھاری حیثیت ومرکزیت وہ ہو جو حضرت ہارونؑ کی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھی، ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا[۳]۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے لئے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ بنایا تو حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ مجھے بچوں اور عورتوں

---

[۱] زاد المعاد ج ۱ ص ۴۲۱، یہ واقعہ صحاح میں مذکور ہے۔ [۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مؤلف کی کتاب "السیرۃ النبویۃ" ص ۳۶۱-۳۷۳ [۳] صحیح بخاری باب غزوۃ تبوک۔

کے ساتھ چھوڑ رہے ہیں[1] ..... الخ

یمن کی مُہم اور قبیلۂ ہمدان کا اجتماعی طور پر ایمان لانا

فتح مکہ کے بعد اور غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ۹ھ میں پے در پے ہر طرف سے وفود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنے لگے اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے،[2] انہی میں اشعریین اور اہلِ یمن کے وفود بھی تھے جو یہ رجزیہ شعر پڑھ رہے تھے۔

غدا نلقی الأحبة، محمدا وحزبه

کل ہم دوستوں سے ملیں گے، محمد اور اُن کے گروہ سے ملیں گے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: تمھارے پاس اہلِ یمن آئے ہیں، جو بڑے نرم دل اور نازک قلب کے لوگ ہیں، ایمان تو یمنیوں کا حصہ ہے، اور حکمت یمنیوں ہی کی دولت ہے[3]۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن الولیدؓ کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے ایک جماعت کے ساتھ یمن بھیجا، یہ جماعت وہاں چھ ماہ مقیم رہی اور حضرت خالدؓ اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر ان لوگوں نے قبول نہیں کیا، ان کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھیجا، انھوں نے وہاں جاکر لوگوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی پڑھ کر سنایا اس پر پورا قبیلۂ ہمدان ایمان لے آیا۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۲۵ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مؤلف کی کتاب "السیرۃ النبویۃ" بعنوان "عام الوفود" ص ۳۷۷-۳۸۳

[3] البخاری باب قدوم الأشعریین واہل الیمن ..... ملاحظہ ہو زاد المعاد - ج ۲ ص ۳۲

حضرت علیؓ نے جب اہلِ ہمدان کے قبول اسلام کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دی تو حضرت علیؓ کے خط کو پڑھ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالےٰ کے آگے سربسجود ہو گئے، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر فرمایا: "السلام علیٰ ہمدان، السلام علیٰ ہمدان" یعنی سلامتی ہو ہمدان کے لئے، سلامتی ہو ہمدان کے لئے (دو مرتبہ)[۱]۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نیابت اور انکسار طبیعت

۹ھ میں حج فرض ہوا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس سال امیر الحج بنا کر بھیجا کہ وہ مسلمانوں کو اسلامی طریقہ پر حج کرائیں، اس وقت تک مشرکین اپنے طریقوں پر حج کیا کرتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ لوگ بھی تھے، جن کا حج کا ارادہ تھا، ان کی تعداد تین سو[۳۰۰] تھی اور سب اہلِ مدینہ تھے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سورۂ براءت نازل ہوئی، آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور اُن کو حکم دیا کہ سورۂ براءت کی ابتدائی آئتیں لے کر جاؤ اور قربانی کے دن (۱۰ ذی الحجہ کو) لوگوں کو سنا دینا، اور بتا دینا کہ جنت میں کوئی کافر نہیں جائے گا، اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرسکے گا، خانہ کعبہ کا طواف کوئی ننگے جسم نہیں کرے گا[۲]، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اگر کسی کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا ہے تو آپؐ اپنی زندگی بھر اس کے پابند رہیں گے۔

---

[۱] زاد المعاد ج ۲ ص۳۳۔ ملاحظہ ہو بلاذری کی انساب الأشراف۔ ف ۸۲۶ مطبوعہ قاہرہ (اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ ادا کی)

[۲] بعض مشرکین واہلِ جاہلیت کپڑے اُتار کر اور برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں گناہ کئے، اور بے تکلف رہے، ان کے ساتھ کعبہ کا طواف ایک طرح کی بے ادبی ہے۔

حضرت علیؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی عضباء پر نکلے، راستہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تم امیر کی حیثیت سے چل رہے ہو یا مامور کی حیثیت سے؟ حضرت علیؓ نے کہا مامور کی حیثیت سے' دونوں نے اپنا سفر جاری رکھا حضرت ابوبکرؓ کی رہنمائی میں لوگوں نے مناسک حج ادا کئے، جب قربانی کا دن آیا تو حضرت علیؓ نے لوگوں میں ان باتوں کا اعلان کردیا جس کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت دی تھی۔[1]

حجۃ الوداع اور غدیر خم کا خطبہ

حجۃ الوداع میں حضرت علیؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر مل گئے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے دن اپنے دست مبارک سے ۶۳ جانور ذبح کئے (۶۳ کا عدد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے) ۶۳ اونٹ ذبح کرنے کے بعد آپؐ رک گئے، اور سَو میں جو باقی رہ گئے تھے، وہ حضرت علیؓ کے سپرد کر دیئے کہ وہ آپؐ کی طرف سے ذبح کریں، چنانچہ حضرت علیؓ نے اس کی تکمیل کی اور عدد مکمل کر دیا۔

ایام تشریق منیٰ میں گزارنے کے بعد آپؐ نے مکہ مکرمہ کا رُخ کیا، طواف وداع کے بعد لوگوں کو اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کا حکم دیا، اور خود آپؐ نے مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا، جب آپؐ غدیر خم[2] پر پہنچے تو وہاں ایک خطبہ دیا اور اس میں حضرت علیؓ کی خصوصیت اور شان کا ذکر فرمایا آپؐ نے فرمایا کہ میں جس کا دوست اور حامی ہوں علی اس کے دوست اور حامی ہیں، پھر دعا دی "اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَّالاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ"[3] یعنی اے اللہ اس کی

---

[1] ابن ہشام ج ۲ ص ۵۴۳-۵۴۶   [2] غدیر خم مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ سے دو میل پر واقع ہے۔ [3] السیرۃ النبویہ" لابن کثیر ج ۴ ص ۴۱۵-۴۱۶ نقل از امام احمد والنسائی۔

حمایت فرما جو اُن کی حمایت کرے اور اس کی دشمنی تو بھی کر جو اُن کی دشمنی کرے' یہ کہنے کا سبب یہ تھا کہ بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیجا شکایت کی تھی' اور ان پر اعتراض و بے جا تنقید اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا، قصہ یہ تھا کہ جن دنوں حضرت علی یمن میں تھے' بعض معاملات میں انھوں نے انصاف کی بات کہی تھی' اور صحیح طرزِ عمل اختیار کیا تھا، لیکن کچھ لوگوں نے اس کو زیادتی، تنگی اور بخل پر محمول کیا تھا، حالانکہ حضرت علیؓ اس معاملہ میں حق بجانب تھے۔[۱]

ابن کثیر کا بیان ہے :۔

"جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مناسک حج بیان فرما چکے اور مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا، ۲۸ ذی الحجہ کو ایک اہم خطبہ دیا، یہ یکشنبہ کا روز تھا، اور مقام غدیر خُم کا تھا، ایک درخت کے سایہ میں آپ کھڑے ہوئے اور مختلف باتیں ذکر فرمائیں' اور حضرت علیؓ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا، ان کی امانت اور عدل کو سراہا، اور آپ کی ذات سے جو ان کا تعلق تھا اس کو بیان فرمایا، آپ کی اس تقریر سے بعض لوگوں کے دلوں میں جو غبار تھا وہ دُھل گیا۔

ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ: اس سلسلہ کی اصل حدیثیں ہم یہاں نقل کریں گے اور ان احادیث کے صحیح وضعیف ہونے کے لحاظ سے جو درجہ ہے وہ بتائیں گے بحول اللہ وقوتہ وعونہ۔

اس کے بعد ابنِ کثیر نے وہ بات کہی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان احادیث میں رطب و یابس ہر قسم کی باتیں جمع ہیں' اور جیسا کہ بہت سے محدثین کا قاعدہ ہے کہ ایک سلسلہ کی جو بھی احادیث ان کو ملتی ہیں وہ سب بغیر چھان بین کے نقل کر دیتے ہیں۔[۲]"

---

[۱] ملاحظہ ہو ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۱۴۲۔ [۲] البدایہ والنہایہ ج ۵ صفحہ ۲۰۸

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات

سنّتِ الٰہی جو انبیائے کرام اور تمام مخلوقات کے لئے مقدر ہے اس کا وقت آپہونچا، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج	اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تو صرف (خدا
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط	کے) پیغمبر ہیں، اُن سے پہلے بھی بہت سے
اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ	پیغمبر ہو گزرے ہیں، بھلا اگر اُن کی وفات
عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ ط	ہو جائے یا شہادت پائیں تو تم اُلٹے پاؤں
(سورۃ آل عمران۔ ۱۴۴)	پھر جاؤ۔

دعوت الی اللہ کی مہم مکمّل ہو چکی تھی، تشریع (قانون سازی) کا کام تکمیل پا چکا تھا، اللہ نے اپنے پیغمبر حق کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں، آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ لوگ پروانہ وار جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، اور سارے عالم میں اس کے پھیلنے کے آثار نمایاں ہو چکے ہیں، آپؐ نے جن لوگوں کو اپنی آغوشِ تربیت میں پالا تھا، اُن کی وفاداری پر آپؐ کو مکمّل اطمینان حاصل ہو چکا تھا، جنھوں نے آپؐ کے زیر سایہ اور آپؐ کی براہ راست صحبت بابرکت میں رہ کر تعلیمات دینی کو اخذ کیا تھا، وہ اس پر خود بھی عامل و کاربند تھے، اور دوسروں کو بھی کاربند رکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے، اس سب کے کھلے شواہد سامنے تھے، اس لئے اب لقائے حق تعالےٰ کا وقت قریب معلوم ہوتا تھا، اور آپ اس کے لئے تیار اور سراپا اشتیاق تھے، مسلمانوں کو نصیحتیں اور خطبات میں تمام امور سے بارہا آگاہ فرما چکے تھے، آپؐ کے پاس جو مال رہ گیا تھا، وہ بھی سب خرچ کر دیا گیا، لوگوں کا بیان ہے کہ پانچ۵ سے لے کر

تونگ[۹] کے طلائی سکّے تھے، آپؐ نے فرمایا اگر اپنے رب کے سامنے اس حال میں حاضری ہوئی کہ یہ مال گھر میں موجود ہے تو میں کل خدا کو کیا منھ دکھاؤں گا؟ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے فرمایا جاؤ ان سب کو راہِ خدا میں خیرات کردو۔[۱]

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف بڑھی، آپؐ نے غسل فرمایا، اور اٹھنے کا ارادہ کیا تھا کہ بے ہوشی طاری ہو گئی، پھر سنبھالا لیا اور فرمایا، لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ نہیں! یا رسول اللہ! لوگ آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں، لوگ مسجد میں منتظر تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں تو عشاء کی نماز کھڑی ہو، آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلوایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، حضرت ابوبکرؓ بہت رقیق القلب تھے، انھوں نے کہا عمرؓ تم نماز پڑھا دو! حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں، چنانچہ ان دنوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امامت کی، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکلیف میں کمی محسوس فرمائی تو دو آدمیوں کے سہارے اٹھے، یہ دو آدمی حضرت عباس اور حضرت علی تھے (رضی اللہ عنہما) اور ظہر کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف فرما ہوئے، جب حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد نبوی میں بنفس نفیس موجود پایا تو ذرا جھجکے کہ امامت کے لئے کیسے بڑھیں، مگر آپؐ نے اُن کو اشارہ سے فرمایا کہ تاخیر نہ کریں، جو لوگ آپؐ کو سہارا دیئے ہوئے تھے، اُن کو حکم دیا انھوں نے آپؐ کو بٹھا دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہو کر آنحضرت کی اقتدا میں اور لوگ ابوبکرؓ کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر۔[۲]

---

[۱] مسند الامام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۴۹ [۲] صحیح بخاری باب مرض النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ نماز کی پابندی کی جائے، زکوٰۃ ادا کی جائے اور غلاموں اور باندیوں کے حقوق ادا کئے جائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں آپؐ کو دیکھتی گئی، آپؐ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا: "فی الرفیق الأعلیٰ، فی الرفیق الأعلیٰ" (سب سے بڑی رفاقت والے کے حضور میں) آپؐ کے سامنے ایک لگن اور ایک پانی کا پیالہ تھا، اپنے دست مبارک اس پانی میں ڈالتے اور اس سے چہرۂ مبارک کو تر کرتے پھر فرماتے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ موت کی ایک جاں کنی ہوتی ہے، پھر بائیں ہاتھ کی انگلی سیدھی کرلی اور فرمانے لگے "فی الرفیق الأعلیٰ، فی الرفیق الأعلیٰ" یہ کہتے ہوئے روح مبارک پرواز کر گئی اور ہاتھ پانی کی سمت جھک گیا۔[1]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی خبر صحابۂ کرام پر بجلی بن کر گری، یہ حضرات آپؐ کے دامنِ رحمت سے وابستہ اور دل سے شیدا و فریفتہ تھے، وہ آپؐ کے آغوشِ تربیت میں اس طرح رہے جیسے شفیق باپ کی آغوش میں اس کے بچے ہوں، بلکہ اس سے بھی زیادہ، اُن پر قیامت گزر گئی۔

قُدرَتاً آپؐ کی جُدائی کا غم آپؐ کے اہلِ بیت، خاندان ہاشمی خصوصاً حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی بن ابی طالبؓ پر سب سے زیادہ تھا، یہ قانونِ قدرت اور فطرتِ سلیم کا تقاضا تھا، پھر رشتہ کا قرب، دل کی نرمی اور گداز، احساس کی نزاکت اور محبت کا وفور مستزاد، لیکن انھوں نے اس جاں گداز حادثہ کو خدا داد قوتِ ایمانی اور تسلیم و رضا کے اس جذبہ سے جو تربیتِ نبوی کا فیض اور اُن کا خاندانی شعار تھا برداشت کیا۔

---

[1] روایت امام احمد (ابن کثیر ج ۴ ص ۴۷۳)

اہلِ بیت رسول اللہؐ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل و تکفین کی خدمت انجام دی، لیکن ان تمام محبتوں کے اور اس تعلق کے باوجود جس کی مثال نہیں مل سکتی آپ پر کوئی نوحہ کناں نہ ہوا، کیونکہ آپؐ نے اپنی آخری زندگی میں نوحہ کرنے سے سختی سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی تھی۔

آپؐ کا ارشاد تھا یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیا، اُن کے اس عمل سے پرہیز کیا جائے۔

یہ واقعہ دوشنبہ کے روز ۱۲ ربیع الأول ۱۱ھ کو بعد زوال پیش آیا، آپؐ کی عمر شریف اس وقت ۶۳ سال تھی، آپؐ کی وفات کا دن مسلمانوں کے لئے سخت ترین اُداسی، صدمہ اور غم کا دن تھا، اور انسانیت کے لئے سانحۂ عظیم، جیسا کہ آپؐ کی ولادت کا دن اسی درجہ باعثِ سعادت تھا کہ اس سے زیادہ تابناک و مبارک دن تقویم انسانی میں طلوع نہیں ہوا[۱]۔

۱؎ السیرۃ النبویہ از مصنف باختصار ص۳۹۳-۴۰۷

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کئی روز تک اہلِ مدینہ اور اس کے حاکم و منتظم غافقی بن حرب کو انتظار رہا کہ مسلمانوں کی سربراہی کے لئے کون آگے بڑھتا ہے[1]، مصریوں کا حضرت علیؓ پر اصرار تھا، اور حضرت علیؓ کو اس سے گریز تھا، وہ باغوں کی چہار دیواری میں روپوش ہو رہے تھے، لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کس طرح اس مشکل کو حل کریں، حضرت علیؓ ہی سے بار بار رجوع کیا جا رہا تھا، ان کے اصرار پر آپ نے بیعت قبول کر لی، بیعت سے پہلے اہلِ مدینہ کی رائیں معلوم کر لی گئی تھیں، ہر شخص کہہ رہا تھا کہ علیؓ کے علاوہ کوئی اس منصب کے لائق نہیں ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس وقت اُمتِ اسلامیہ کی باگ ڈور سنبھالنے والا، خلافتِ راشدہ کی نازک ذمّہ داریوں سے عُہدہ برآ ہونے والا، اور اس کے لئے ہمہ گیر صلاحیتوں اور کمالات کا حامل ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے بعد، علیِ مرتضیٰؓ سے زیادہ کوئی نہ تھا۔

راوی کا بیان ہے:۔

"حضرت علیؓ مسجد میں آئے جسم پر چادر اور خز (بھیڑ کے اون کا بنا ہوا

---

[1] اس امر میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کس روز پیش آیا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ذی الحجہ کی انیسویں تاریخ تھی ان کے الفاظ میں "ذی الحجہ کی اٹھارہ راتیں گزر چکی تھیں" اور یہی بات عام طور پر مشہور ہے، دوسرے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ ایامِ تشریق میں پیش آیا، اس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے، اور بعض نے کہا ہے جمعہ کا دن تھا اور ذی الحجہ کے تین روز گزر چکے تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ عین قربانی کے دن (۱۰ ذی الحجہ کو) یہ حادثہ پیش آیا جیسا کہ ابن عساکر نے لکھا ہے۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۹۰

کپڑا) کا عمامہ تھا، ہاتھ میں اپنی جوتیاں لئے ہوئے تھے، اپنی کمان (قوس) پر ٹیک لگائے ہوئے منبر پر چڑھے، تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ واقعہ روز جمعہ ۲۴ ذی الحجہ ۳۵ھ کا ہے۔[1]

خلافت کے بعد حضرت سیدنا علیؓ کا پہلا خطبہ

جمعہ کا دن تھا، آپ منبر پر چڑھے، جن لوگوں نے اب تک بیعت نہیں کی تھی انھوں نے بیعت کی، یہ جمعہ اس دن پڑا تھا، جب ماہ ذی الحجہ کو ختم ہونے میں پانچ روز رہ گئے تھے، خلافت کے بعد آپ کا یہ پہلا خطبہ تھا، حمد و ثنا کے بعد فرمایا:-

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ہادی بنا کر بھیجا ہے جو خیر و شر کو وضاحت کے ساتھ بتاتی ہے، لہذا خیر کو اختیار کیجیے اور شر سے کنارہ کش رہیے، اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو حرمت کا درجہ دیا ہے، ان میں سب سے فائق حرمت مسلمان کی ہے، توحید و اخلاص کے ذریعہ مسلمانوں کے حقوق کو اللہ نے مضبوطی سے مربوط کر دیا ہے، مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام مسلمان محفوظ رہیں، اِلّا یہ کہ دین و احکامِ شریعت ہی کا یہ تقاضا ہو کہ مسلمان کا احتساب کیا جائے اور اس پر قانون شرعی جاری کیا جائے، کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو ایذا پہونچائے، اِلّا یہ کہ ایسا کرنا واجب ہو، عوام و خواص دونوں کے حقوق ادا کرنے میں عجلت سے کام لیجیے، لوگ آپ کے سامنے ہیں، اور پیچھے قیامت ہے، جو آگے بڑھ رہی ہے، اپنے آپ کو ہلکا پھلکا رکھئے کہ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۲۶-۲۲۷ (باختصار)

منزل تک پہونچ سکیں، آخرت کی زندگی لوگوں کی منتظر ہے، خدا کے بندوں اور اُن کی سرزمین کے حقوق کی ادائگی کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرتے رہئے، بہائم اور زمین کے بارہ میں بھی (قیامت میں) آپ سے سوال ہوگا، پھر میں کہتا ہوں کہ اللہ کی اطاعت کیجئے، اور اس کی معصیت و نافرمانی سے بچئے، اگر آپ خیر کا کام دیکھیں اس کو اختیار کیجئے اور اگر شر دیکھیں تو اس کو چھوڑ دیں :۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝[1]	اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے، اور ڈرتے رہتے تھے، کہ لوگ تمھیں اُڑا (نہ) لے جائیں (یعنی بے جان و مال نہ کردیں) تو اس نے تم کو جگہ دی، اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں، تاکہ (اس کا) شکر ادا کرو۔

یہ خطبہ اپنے ٹھیک وقت پر اور مناسب ترین مقام پر دیا گیا، امیر المؤمنین نے اپنے مخاطب لوگوں کی دُکھتی رگ پکڑی اور نشانہ صحیح جگہ پر لگایا، تاریخ کے اس نازک مرحلہ میں مسلمان سب سے زیادہ جس ابتلاء سے گزر رہے تھے، وہ یہ تھا کہ حرمتِ مسلم کی کوئی اہمیت اُن کے سامنے نہیں رہ گئی تھی، خونِ مسلم کی ارزانی اور اس کے وجود کی بے وقعتی حد کو پہونچ گئی تھی، امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ بن عفّان رضی اللہ عنہ اس فتنۂ شہر آشوب کا ہدف بنے،

---

[1] سورۃ الأنفال آیت ۔۲۶۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۲۷-۲۲۸

سارے مسلمانوں کی موجودگی میں اُن کی آنکھ کے سامنے، مدینۃ الرسول میں' اور روضۂ نبوی اور مسجد نبوی کے پہلو میں یہ حادثۂ جانکاہ پیش آیا، لہٰذا جو شخص اُن کے بعد خلافت کے منبر پر آیا تھا، اس کا فرض تھا کہ "حرمتِ مسلم" کے عُنوان کو اپنے خُطبہ کا مرکزی مضمون بنائے' اللہ کا خوف دلائے' اللہ سے ڈرتے رہنے کی دعوت دے اور بتائے کہ اُس کے بندوں اور اُس کے عطا کئے ہوئے ممالک اور قوت و اقتدار کی کیا حُرمت و قیمت ہے' یہاں تک کہ اللہ کے بندوں پر جانوروں اور بے زبان زمین کا بھی حق ہے۔

آپ نے حکمت و بلاغت کے ساتھ اس امر کی طرف واضح اشارہ دیا کہ نئے عہدِ خلافت کا کیا اصولی کردار اور "منشور" ہوگا، آپ نے فرمایا "اگر آپ خیر (حق و صداقت پر مبنی بات) دیکھیں اس کو اختیار کریں' اور جو شر (ناجائز اور غلط بات) دیکھیں اُس سے اعراض کریں' اس کے بعد آپ نے جو آیت تلاوت کی اس کا استحضار اس وقت بہت ضروری تھا، تاکہ مسلمان اپنی پہلی حالت اور موجودہ حالت کا موازنہ کرسکیں' ایک وہ دن تھے' جب یہ مسلمان تعداد میں کم تھے' مادّی لحاظ سے کمزور تھے' معاشرت و تمدّن کے لحاظ سے پست تھے' دنیا میں کوئی اُن کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، جیسے گوشت کا پارچہ کسی ہتھیلی پر رکھا ہوا ہو' اور اُس کو پرند جھپٹ کر لے اُڑیں' اور اب یہی وہ لوگ تھے' جن کو قوت حاصل تھی، وسیع آراضی پر قابض تھے' امن و سلامتی حاصل تھی، خوشحالی اور فارغ البالی نصیب تھی' اللہ نے اُن کو قوت و اقتدار عطا فرمایا، اُن کا طوطی بولنے لگا، اور اُن کا علم شوکت و اقبال بُلند ہوا، ہر طرح سے اللہ نے اُن کو نوازا، اُن کے جھنڈے بر و بحر پر لہرا رہے تھے' اور دنیا اور اہلِ دنیا کے قلوب پر اُن کی ہیبت طاری تھی۔

صحابۂ کرام کے باہمی اختلافات اور خانہ جنگیوں پر ایک نظر

ضرورت ہے کہ بہت ٹھنڈے دل و دماغ سے ان اختلافات کا مطالعہ کیا جائے، جو صحابہ کرام کے درمیان پیش آئے اور جن میں سے بعض اختلافات اتنے بڑھے کہ جنگ کی نوبت آ گئی، جن لوگوں کو ان حالات کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے ان پر جلد بازی میں کوئی حکم لگا دینا اور بے دھڑک ان کو زیغ و ضلال میں مبتلا، دنیا پرست، جاہ و مال کا طالب اور بدنیت کہہ دینا مناسب نہیں ہے، یہ تاریخی تجربات کا تقاضا ہے نیز خالص علمی انداز میں ان حوادث کا ایجابی انداز میں تجزیہ کرنا چاہیئے، وہ لوگ جو براہ راست ان حالات سے گزرے اور جنگ و جدال تک کی نوبت آ گئی، ان کے گرد و پیش جو حالات تھے، جس پیچیدہ قسم کے معاشرہ سے ان کا سابقہ تھا، اور اس وقت کا جو ماحول بن گیا تھا، بغیر ان سب کا مطالعہ کئے ہوئے عجلت اور جذباتیت میں کسی کے خلاف کوئی بات طے کر لینا صحیح نہیں ہے ہم دیکھتے ہیں کہ زمانۂ قریب میں جو حوادث پیش آتے ہیں ان کے سمجھنے میں بھی غلطی ہو جاتی ہے کیونکہ ہم حالات اور ماحول کا صحیح اور متوازن اندازہ نہیں کر سکتے، لہذا اس دور کے حوادث جن پر ایک زمانہ گزر چکا ہے، اور وہ ہمارے ماحول سے بہت مختلف ماحول میں پیش آئے،

اس وقت کے کیا محرکات تھے اور جو افراد ان سے دوچار تھے ان کے لئے کیا دواعی وجذبات تھے جب تک ان کو اچھی طرح سمجھا نہ جائے' ان کے مقاصد' حالات کے صحیح پس منظر، خود ان کے دینی رجحانات' سابقہ خدمات' ان سب کو ایک ساتھ رکھ کر اور ایک کو دوسرے سے مربوط کر کے مطالعہ نہ کیا جائے' انصاف وعدل کی راہ کا پانا دشوار ہوگا، جنگ جمل کے معاملہ میں یہی صورتِ حال تھی، ایک گروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ طلب کر رہا تھا، دوسرا گروہ اپنے آپ کو اس سے عاجز پا رہا تھا، جو حضرت علیؓ کا موقف تھا، اور حضرت علیؓ ہی کی ذات اس جنگ واختلاف کا نشانہ بنی۔

ابوبکر، ابوالبختری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے جنگ جمل میں ان کا مقابلہ کرنے والوں کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ:۔

۔کیا وہ سب مشرک تھے؟

فرمایا: شرک سے تو وہ فرار اختیار کر چکے تھے۔

۔تو کیا وہ منافق تھے؟

فرمایا: منافق اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

۔تو پھر وہ کیا تھے؟

فرمایا: میرے ہی بھائی تھے، میرے خلاف بغاوت کر رہے تھے۔

اور مزید فرمایا: میں دعا کرتا ہوں کہ ہم اور وہ، سب ان لوگوں میں شامل ہوں جن کے بارے میں اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے:۔

"وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ"

بڑی تعداد میں لوگوں نے اس طرح کی روایتیں نقل کی ہیں کہ جنگِ جمل میں شریک

ہونے والے اپنی رائے سے رجوع کر چکے تھے، اور انھیں اس پر افسوس تھا، خود اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح کی روایت ہے، جیسا کہ ابو بکرا اور ان کے علاوہ متعدد راویوں کا بیان ہے کہ انھوں نے حضرت زبیرؓ سے سنا، اور الحاکم نے ثور بن مجزاۃ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے جنگ جمل کے موقع پر حضرت طلحہؓ کو اس حال میں دیکھا کہ اُن کی سانس اکھڑ رہی تھی، انھوں نے پوچھا تم کس گروہ سے ہو؟ انھوں نے کہا کہ علیؓ کے لوگوں میں ہوں، اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرلوں، میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا، انھوں نے بیعت کی، اور اسی لمحہ جان جاں آفریں کے سپرد کردی، میں نے حضرت علیؓ کو آکر یہ ماجرا سنایا، فرمایا: اللہ اکبر! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد صحیح ثابت ہوا، اللہ کو پسند نہیں تھا کہ طلحہ میری بیعت کے بغیر جنت میں داخل ہوں[1]۔

اس معرکہ کے بارے میں فلسفۂ تاریخ کے ماہر علامہ ابن خلدون نے بہت ہی وسیع النظری کے ساتھ بڑی عادلانہ اور جچی تلی بات کہی ہے، وہ اپنے مشہور مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

"خبردار اپنے دل میں ان لوگوں کے بارے میں کوئی بُرا خیال نہ لانا اور زبان سے ایک لفظ ان کے خلاف نہ کہنا، جہاں تک ممکن ہو ہر فریق کے لئے خیر کا پہلو تلاش کرنا چاہئے، یہ سب حُسنِ ظن کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، ان کا اختلاف دلیل کی بنا پر تھا، ان کی جنگ حق کے لئے تھی، ان میں جو لوگ قاتل تھے یا مقتول سب جہاد کے راستہ پر تھے اور ہر ایک کا مقصد حق کی حمایت تھا، بلکہ میرا خیال ہے کہ ان کے اختلافات بعد میں آنے والوں کے لئے رحمت کا سبب تھے، تاکہ ہر شخص ان میں سے جس کو چاہے اپنا ہادی، امام اور رہنما سمجھے، اس بات کو

---

[1] ازالۃ الخفاء، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (المقصد الثانی) صفحہ ۲۸۰

ذہن نشین کرلو اور خلق و کائنات کے بارے میں اللہ کی حکمت سمجھنے کی کوشش کرو۔"[1]

علامہ ابن خلدون مزید لکھتے ہیں :۔

"(حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد) فتنہ کا دروازہ کھل گیا، جس فریق نے جو بھی کیا اس کا جواز اس کے پاس تھا، اور سب ہی جویائے حق اور دین کے لئے کوشاں تھے، دینی امور کو کوئی بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا، اس (اصل اصول یعنی دین کی سربلندی) کے بعد انھوں نے صورتِ حال کا جائزہ لیا اور اجتہاد کیا، اللہ ان کے احوال سے واقف اور ان کی قلبی کیفیات سے مطلع ہے، ہم سب ہی سے حُسنِ ظن رکھتے ہیں، جیسا کہ ان کے حالات گواہ ہیں اور ان میں سچے افراد کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے۔"[2]

ابن خلدون مزید لکھتے ہیں :۔

"ہر چند کہ ان اختلافات میں حضرت علیؓ برحق تھے مگر حضرت معاویہؓ کی نیت بھی باطل نہ تھی، انھوں نے (حضرت معاویہؓ) ارادہ حق ہی کا کیا مگر ان سے غلطی ہوگئی، اور تمام لوگ اپنے مقاصد کے لحاظ سے حق پر تھے مگر سلطنت کی خاصیت یہی ہے کہ آدمی تنہا اپنے لئے اس کا طلب گار ہوتا ہے اور اس کو اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، حضرت معاویہ کے اختیار میں نہ تھا کہ اس خاصیت کو اپنی ذات اور اپنی قوم سے الگ کر دیتے، یہ ایک قدرتی امر ہے، اور یہ خاندانی حمایت و تائید کی ضرورت کا تقاضا بھی ہے، جو اپنے ہی قبیلہ سے حاصل ہو سکتی تھی۔"[3]

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷۲ (دار الفکر، قاہرہ) [2] ایضاً ص ۱۷۱ [3] ایضاً ص ۱۶۲

اپنے دورِ خلافت میں آپ کا طرزِ عمل

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد شاید ہی کسی عظیم تاریخی شخصیت کی ایسی قلمی تصویر کھینچی گئی ہوگی جو احساسات، حالات، رُجحانات و تصوّرات اور انسان کے فطری ذوق و وجدان کی عکّاسی ہو جیسی کہ ضرار بن ضمرہ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک رفیق) نے حضرت علیؓ کے متعلق اپنے مشاہدات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

حضرت معاویہؓ کی فرمائش پر اور اُن کی مجلس میں، اور اُن کے سامنے انھوں نے جو کہا اس میں جہاں محبت و احترام کی جھلک ہے وہیں شہادت کی وہ صداقت بھی نمایاں ہے، جو صرف اللہ ہی کے لئے ممدوح کی غیر موجودگی میں دی جاتی ہے، وقت و ماحول کی نزاکت اور مکمل احساس ذمّہ داری اور جُرأت کے ساتھ بیان کئے ہوئے یہ جملے ایک بہترین ادبی مرقّع بن گئے ہیں۔

ابو صالح سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ضرار بن ضمرہ سے کہا کہ بتاؤ علی (رضی اللہ عنہ) کیسے تھے؟ ضرار نے کہا اگر آپ مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا، انھوں نے کہا، نہیں، بیان کرو، کہنے لگے، کیا آپ مجھے اس خدمت سے معاف نہیں کریں گے؟ کہا: نہیں، نہیں کہنا ہوگا، اس پر وہ بولے: اچھا تو سنئے!

"اُن کی نظر انتہائی دُور رس تھی، اُن کے قُویٰ انتہائی مضبوط تھے، بات دو ٹوک اور صاف صاف کہتے، اور فیصلے پورے عدل و انصاف کے ساتھ کرتے، اُن کی شخصیت سے علم کے چشمے اُبلتے تھے، دنیا اور دنیا کی دل آویزیوں سے مُتوحّش رہتے، رات اور اس کی تاریکی سے دل لگاتے تھے، خدا گواہ ہے کہ (راتوں کو

عبادت میں) اُن کے آنسو تھمتے نہ تھے، دیر دیر تک فکر مند اور سوچتے رہتے اپنے کفِ دست کو اُلٹتے پلٹتے اور اپنے آپ باتیں کرتے، موٹا جھوٹا پہنتے رُوکھا سوکھا کھاتے، بخدا بالکل اپنے ہی ساتھیوں اور بے تکلف لوگوں کی طرح رہتے، جب کچھ پوچھا جاتا جواب دیتے، جب اُن کے پاس جاتے تو خود بڑھ کر بات شروع کرتے، جب بلاتے تو حسب وعدہ آجاتے لیکن ہم لوگوں کو (باوجود اس قربت اور رفاقت اور اُن کی سادگی کے اُن کا رُعب ایسا تھا کہ) ان کے سامنے بولنے کی ہمت نہ ہوتی اور نہ کوئی گفتگو چھیڑتے، اگر وہ مسکراتے تو آپ کے دندان ایسے نظر آتے جیسے سفید موتیوں کی لڑی ہو، دینداروں کی توقیر کرتے، مساکین سے محبت کرتے کسی طاقتور انسان کی یہ جُرأت نہ تھی کہ اُن سے باطل کی تائید میں توقع رکھتا اور کوئی کمزور اُن کے عدل وانصاف سے مایوس نہ ہوتا۔

اور میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اُن کی راتوں کے چند مناظر دیکھے ہیں کہ رات نے اپنی سیاہ چادر پھیلا دی ہے، تارے ڈوبنے لگے ہیں، اور علی محراب مسجد میں اپنی داڑھی ہاتھ سے پکڑے درد بھرے شخص کی طرح رو رہے ہیں اور اس طرح تڑپ رہے ہیں، جیسے کوئی ایسا شخص تڑپے جس کو کسی زہریلے سانپ بچھو نے ڈس لیا ہو مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان کی آواز اب بھی سنائی دے رہی ہے، اور وہ کہہ رہے ہیں۔

"اے دنیا کیا تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کر رہی ہے یا مجھ سے کوئی امید رکھتی ہے؟ مجھ سے کچھ اُمید نہ رکھ، میرے علاوہ کسی اور کو فریب دے، میں تو تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں جس کے بعد تیری طرف رجعت کی گنجائش ہی نہیں، تیری عمر کوتاہ،

تیری دی ہوئی کامرانی حقیر، تیرے خطرات بھیانک اور بڑے، آہ! زادِ راہ کتنا کم ہے، سفر کتنا طویل ہے، اور راستہ کس درجہ سنسان ہے"!

"راوی کہتے ہیں: یہ سن کر معاویہؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور اس کے قطرے ان کی داڑھی پر گرنے لگے، اپنی آستین سے وہ آنسو پونچھنے، اور رونے سے آواز حلق میں گھٹنے لگی، پھر معاویہؓ نے کہا: اللہ ابوالحسن پر رحم فرمائے، واقعی اُن کا یہی حال تھا ضرار! تم اپنا حال کہو اُن کی جدائی سے کیا محسوس کرتے ہو؟ کہا: مجھے ایسا غم ہے جیسا اس عورت کو ہو گا جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا گیا ہو، اور نہ اس کے آنسو تھمتے ہوں، نہ غم ہلکا ہوتا ہو"[1]

دنیا سے بے رغبتی اور خشیتِ الٰہی

حضرت علیؓ کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت، اور وہ بات جو اُن کی علامت اور پہچان بن گئی تھی، وہ اُن کی دنیا سے ایسی حالت میں بے رغبتی و بے نیازی تھی، جب کہ عیش و آرام کے تمام اسباب اُن کے قدموں پر تھے، اور حکومت کے پورے اختیارات اور فراغت و دولت کے سارے وسائل و اسباب آپ کو حاصل تھے، لوگوں کی طرف سے تعظیم و تکریم میں کمی نہ تھی، کوئی اُن پر نقد نہیں کر سکتا تھا، اور نہ محاسبہ کر سکتا تھا۔

یحییٰ بن معین علی بن جعد سے روایت کرتے ہیں، اور وہ حسن بن صالح سے نقل کرتے ہیں کہ "حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مجلس[2] میں ایک بار زُہّاد (دنیا سے بے رغبتی میں ممتاز افراد)

---

[1] "صفة الصفوة" از ابن الجوزی، ج ۱ ص ۱۲۱-۱۲۲ (دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد، ط ۱ ۱۳۵۵ھ)

[2] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خود بھی بڑے زاہدوں میں تھے (ملاحظہ ہو سیرت عمر بن عبدالعزیز لابن الجوزی)

کا ذکر چھڑا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ "أزھد الناس فی الدنیا علی بن أبي طالب" دنیا میں سب سے زیادہ زاہد علی بن ابی طالب تھے[1]۔

ابو عبیدہ عنترہ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ انھوں نے کہا: "میں خورنق[2] میں علی بن ابی طالبؓ کے پاس گیا، وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے سردی سے کانپ رہے تھے، میں نے کہا: امیر المؤمنین! اللہ نے آپ اور آپ کے افرادِ خاندان کے لئے اس مال میں حصہ رکھا ہے اور آپ سردی سے کانپ رہے ہیں؟ فرمایا: "میں تمھارے مال سے کچھ نہیں لیتا، میری یہی چادر ہے جس کو میں اپنے گھر سے لے کر نکلا تھا" ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: "یہی چادر ہے جس کو میں مدینہ سے لے کر نکلا تھا"[3]۔

ابو نُعیم، بنی ثقیف کے ایک ایسے شخص کے حوالہ سے کہتے ہیں جن کو حضرت علیؓ نے عکبرا[4] کا حاکم (گورنر) بنایا تھا، اُن کا بیان ہے کہ اس علاقہ[5] میں نمازی نہیں تھے، (حضرت علیؓ وہاں آئے) تو مجھ سے کہا کہ جب ظہر کا وقت ہو تو میرے پاس آجانا، چنانچہ ظہر کے وقت میں وہاں پہونچا تو دیکھا حضرت علیؓ کے سامنے ایک پیالہ اور پانی کا ایک آبخورہ رکھا ہے، آپ نے مٹی کی ایک ہانڈی طلب کی جو وہاں رکھی تھی، جب اُن کے سامنے آئی تو اس پر

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۸ ص ۵ [2] خورنق: شاہی محل، امیر کے رہنے کا قلعہ یا وہ جگہ جہاں قدیم ایرانی محل خورنق تھا۔ (مترجم)

[3] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۳، اور اسی طرح کی روایت ابو نعیم نے "الحلیۃ" میں کی ہے۔ ج ۱ ص ۸۲

[4] موصل کے قریب ایک شہر ہے، یہاں بہت سے مصنفین پیدا ہوئے مثلاً "املاء ما من بہ الرحمن" کے مؤلف حسین بن عبد اللہ العکبری۔ (مترجم)

[5] اصل لفظ السواد ہے "اقرب الموارد" میں ہے کہ بصرہ اور موصل کے درمیانی مقامات کو السواد کہتے ہیں، لیکن عام طور پر پورے عراق کو السواد کہتے ہیں۔ (مترجم)

مہر لگی تھی، میں نے دل میں کہا کہ یہ میری لالچ بڑھا رہے ہیں کہ اس میں سے کوئی ہیرا جواہر نکالیں گے، مگر جب انھوں نے اس کی مہر توڑی تو اس میں صرف ستّو تھا، آپ نے اس میں سے تھوڑا نکالا، اس پر پانی ڈالا، خود پیا اور مجھے بھی پلایا، مجھ سے رہا نہ گیا، میں نے کہا: "امیر المؤمنین! آپ عراق میں رہ کر یہ کھاتے ہیں، یہاں کے عوام کا کھانا بھی اس سے کہیں بہتر ہوتا ہے" فرمایا: واللہ میں اس کو مُہر بند بخل کی وجہ سے نہیں رکھتا، بات یہ ہے کہ میں اسی قدر خریدتا ہوں جتنی ضرورت ہو اور ڈرتا ہوں کہ اگر یہ ختم ہو جائے تو دوسرے مال سے ستّو بنا دیا جائے اس لئے اس کی اتنی حفاظت کرتا ہوں، میں پسند نہیں کرتا کہ میرے پیٹ میں سوائے حلال و پاک چیز کے کچھ جائے"۔[1]

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں فالودہ پیش کیا گیا، آپ نے اس فالودہ کو مخاطب کر کے فرمایا: تیری خوشبو اچھی ہے، رنگ حسین ہے، مزہ لذیذ ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ نفس کو ایسی چیز کا عادی بناؤں جس کا وہ اب تک عادی نہیں ہے۔[2]

زید بن وہب سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت علیؓ اپنے گھر سے اس حال میں نکلے کہ ایک تہ بند باندھے ہوئے تھے، اور ایک چادر سے جسم ڈھکے ہوئے تھے، تہ بند کو کپڑے کے ایک چیتھڑے سے (کمر بند کی جگہ) باندھ رکھا تھا، اُن سے کہا گیا کہ آپ اس لباس میں کس طرح رہتے ہیں؟ تو فرمایا: میں یہ لباس اس لئے پسند کرتا ہوں کہ یہ نمائش سے بہت دُور اور نماز میں عافیت دِہ ہے، اور مومن کی سنّت ہے۔[3]

مجمع بن سمعان التیمی سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لئے بازار کی طرف گئے اور وہاں جا کر کہا کون مجھ سے یہ تلوار خریدتا ہے؟ اگر میرے پاس

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۸۲ (دار الکتاب العربی بیروت، ط ۳ سنہ ۱۹۸۰ء) [2] الیضاح ج ۱ ص ۸۱، [3] المنتخب ج ۵ ص ۵۸

چار[۱] درہم ہوتے جن سے میں تہ بند خرید سکتا تو یہ تلوار نہ فروخت کرتا۔[۱]

احمد عبداللہ بن رزین کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میری طرف خربوزہ بڑھایا، ہم نے کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے، آپ نے بط کھلائی ہوتی، اللہ نے بہت فراغت کی ہے، فرمایا: یا ابن رزین! میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ خلیفہ کے لئے صرف دو ہی کھانے حلال ہیں، ایک جس کو وہ خود اور اس کے گھر والے کھائیں اور دوسرا وہ جو لوگوں کے سامنے پیش کرے۔[۲]

ابو عبیدہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے سال میں تین[۳] بار مقررہ حصے تقسیم کئے، اس کے بعد اصبہان سے مال آگیا، آپ نے فرمایا اس کو چوتھی بار دی جانے والی رقم قرار دو، میں تمھارے مال کا خازن نہیں ہوں، کچھ لوگوں نے اس کو لیا اور کچھ لوگوں نے نہیں لیا۔[۳]

ایک بار حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اس میں فرمایا:۔

"لوگو! اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے تمھارے مال سے نہ تھوڑا لیا ہے، نہ بہت، سوائے اس شئے کے، اور جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر دکھائی جس میں عطر یا کوئی خوشبو تھی، حضرت علیؓ نے کہا مجھے ایک دہقان نے یہ ہدیہ دیا ہے، پھر وہ بیت المال تشریف لائے، اور کہا یہ لو (وہ شیشی بیت المال میں جمع کر دی) اور یہ شعر پڑھنے لگے ؎

أفلح من كانت له قوصرة[۴] ... يأكل منها كل يوم تمرة

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۳ [۲] ایضاً [۳] کنز العمال ج ۲ ص ۳۲۲، عربی متن میں ہے "أنه أعطى العطاء في سنة ثلاث مرات" العطاء اصطلاح میں اس مقررہ یا غیر مقررہ رقم یا مال کو کہتے ہیں، جو بیت المال سے فوجیوں یا اصحاب خدمت کو دی جایا کرتی تھی (مترجم) [۴] القوصرة: لکڑی کے چھوٹے سے ڈبہ کو کہتے ہیں۔

کامیاب ہوا وہ جس کے پاس ایک لکڑی کا چھوٹا سا ڈبہ ہو، اس میں سے روزانہ
ایک کھجور نکال کر کھا لیتا ہو۔"

ہبیرۃ بن مریم کا بیان ہے: انھوں نے کہا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت علیؓ کی وفات پر ایک مرتبہ خطبہ دیا اس میں فرمایا:۔

"اے لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص جدا ہوا ہے، جس نے سونا چاندی نہیں چھوڑا ہے، صرف سات سو درہم اس کی تحویل میں تھے جو اس کو بیت المال کے مقررہ حصہ میں ملے تھے، اس رقم سے وہ ایک خادم خریدنے کا ارادہ کر رہا تھا۔"[1]

مال اور کھانے پینے کی چیزوں میں احتیاط و تورّع سے زیادہ مشکل زُہد وہ ہے جو حکمِ شرع اور قاضی کے فیصلہ پر سر جھکا دینے اور راضی خوشی اس کو قبول کرنے پر مائل کرے، خاص طور پر جب کہ فریقِ ثانی غیر مسلم ہو اور ایسے موقع پر اپنی سیادت اور حکمرانی کا اظہار بھی نہ کرے، یہ بات مذکورہ ذیل قصہ میں نظر آتی ہے۔

حاکم، شعبی سے روایت کرتے ہیں:۔

"معرکۂ جمل کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ کی زرہ ضائع ہو گئی، ایک شخص کو ملی اس نے بیچ ڈالی کسی نے ایک یہودی کے پاس وہ زرہ دیکھ کر پہچان لیا، اس کا مقدمہ شُریح کے محکمۂ قضا میں پہنچا، علیؓ کی طرف سے شہادت حسنؓ اور ان کے غلام قنبر نے دی، قاضی شُریح نے کہا: حسنؓ کے بجائے کوئی اور گواہ لائیے، حضرت علیؓ نے فرمایا، کیا آپ کو حسنؓ کی شہادت قبول نہیں ہے؟ کہا: نہیں کیونکہ میں نے آپ کی ہدایت یاد رکھی ہے کہ باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت قبول نہیں کی جاتی،

---

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ۔ کتاب الفضائل، ج ۱۲ ص ۷۴ (ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی۔ پاکستان۔ ۱۹۸۷ء)

پھر یہودی سے کہا، یہ زرہ تم لے لو، یہودی نے کہا: امیرالمؤمنین خود سے مسلمانوں کے قاضی کے پاس آئے اور اس نے ان کے خلاف فیصلہ دیا اور اس پر وہ راضی رہے!! واللہ اے امیرالمؤمنین آپ نے سچ کہا تھا، یہ آپ ہی کی زرہ ہے، آپ کے اونٹ سے گر گئی تھی، جس کو میں نے اُٹھا لیا تھا" اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ" حضرت علیؓ نے وہ زرہ اس کو بخش دی اور وہ شخص جو اسلام لایا تھا، ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا اور صفّین کے موقع پر شہید ہوا[۱]۔

اس زُہد، وَرَع اور صلابتِ دینی کے باوجود آپ میں کبھی خُشکی و تُرش روئی، چہرے اور پیشانی پر نفرت و بیزاری کے آثار نہیں دیکھے گئے، آپ اُن میں بھی نہیں تھے، جن کی صحبت سے لوگ ان کی خشکی اور خشک مزاجی کی وجہ سے دور رہتے ہیں، اور پاس بیٹھنے سے گھبراتے ہیں، اس کے برخلاف آپ انتہائی خندہ جبیں محبت و شفقت سے پیش آنے والے تھے، چہرہ پر شگفتگی کے آثار نظر آتے تھے، آپ کے اوصافِ ذاتی بیان کرنے والوں نے لکھا ہے:-

"آپ میں مردانہ حُسن اور وجاہت تھی، متبسّم رہتے تھے، چال میں میانہ روی تھی، زمین پر ہلکے قدم رکھتے تھے"[۲]

سیّدنا علی کرّم اللہ وجہہ کی شہادت

علّامہ ابن کثیر کہتے ہیں:-

"امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ کو حالات نے بہت مکدّر کر دیا تھا، ان کی فوج میں بے راہ روی تھی، اہلِ عراق نے اُن کی مخالفت شروع کر دی تھی،

---

[۱] کنز العمال ج ۴ ص ۶، حاکم نے "الکنی" میں اور ابو نعیم نے "الحلیۃ" (ج ۴ ص ۱۳۹) میں تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ [۲] البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۲۳

اُن کے ساتھ تعاون سے کترا رہے تھے، ادھر شامیوں کی قوت زور پکڑ چکی تھی، اب وہ دائیں بائیں حملے کرتے اور لوٹ مار مچا رہے تھے، عراق کے امیر علیؓ بن ابی طالبؓ اس عصر میں روئے زمین پر بسنے والے انسانوں میں سب سے اعلیٰ وافضل انسان تھے، سب سے زیادہ اللہ کے عبادت گزار، سب سے زیادہ دنیا سے بے غرض اور بے رغبت، سب سے زیادہ علم وفضل کے حامل، سب سے زیادہ خوف خدا رکھنے والے انسان تھے، پھر بھی لوگوں نے اُن کو بے یار ومددگار چھوڑ دیا، ان سے کنارہ کش ہوگئے، یہاں تک کہ خود امیر المؤمنین اپنی زندگی سے اُکتا گئے، اور موت کی تمنا کرنے لگے، کہتے تھے: "یہ (اپنی ریش مبارک کی طرف اشارہ کرکے) اس کے (اپنے سر کی طرف اشارہ کرکے) خون سے رنگ دی جائے گی" اور بالآخر یہی ہو کر رہا[۱]۔

شہادت کے واقعۂ فاجعہ کی تفصیل یہ ہے کہ تین خارجی اکٹھا ہوئے جن کے نام یہ ہیں: عبدالرحمٰن ابن عمرو عرف ابن ملجم الحمیری ثم الکندی، بُرک بن عبداللہ التیمی اور عمرو بن بکر التیمی، ان سبھوں نے اپنے ہم مشرب اہلِ نہروان کے بارے میں باتیں کیں، جن کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قتل کیا تھا، اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی، اُس کے بعد ان لوگوں نے کہا: اگر ہم اپنی جان بیچ کر بھی گمراہوں کے سربراہوں کو قتل کردیں تو ملک کو ان سے نجات مل جائے گی، اور اس طرح ہم اپنے بھائیوں کے خون کا بدلہ لے لیں گے، اس پر ابن ملجم نے کہا: علیؓ کو ختم کرنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، بُرک نے کہا، معاویہؓ کا صفایا کرنا میرے ذمہ ہے، عمرو بن بکر نے کہا، عمرو بن العاص کو میں دیکھ لوں گا، ان تینوں نے آپس میں عہد وپیمان کئے، اور ایک دوسرے سے قسم لی کہ کوئی اس معاہدہ کو نہیں توڑے گا،

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ ج ۷، صفحہ ۳۲۴ (مختصراً)

یہاں تک کہ جس کے قتل کی ذمہ داری لی ہے، اس کو قتل نہ کر دے یا خود ہلاک نہ ہو جائے،
ان لوگوں نے اپنی اپنی تلواریں سنبھالیں اور اُن کو زہر میں بجھایا اور طے کیا کہ ۱۷ رمضان کو
ہر شخص اس شہر میں رات گزارے جہاں اس کو اپنا کام کرنا ہے۔

ابنِ ملجم کوفہ پہنچ گیا، اور اپنے ساتھیوں (خوارج) سے بھی اپنے ارادہ کا اظہار نہیں کیا، شب جمعہ، ۱۷ رمضان کو اس دروازہ کے چھجے کے نیچے آکر بیٹھ گیا، جس سے حضرت علیؓ نماز کے لئے نکلا کرتے تھے، جس وقت آپ نماز فجر کے لئے نکلے اور لوگوں کو بیدار کر رہے تھے، نماز نماز کہہ رہے تھے، اور لوگ نیند سے بیدار ہو کر نماز کے لئے اُٹھ رہے تھے کہ ابن ملجم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سر کے اگلے حصّہ پر وار کیا، سر کے خون سے ریش مبارک رنگین ہو گئی، جب اس نے وار کیا اس وقت نعرہ بھی لگایا" لاحکم الا للہ لیس لك ولا صحابك یا علی" (یعنی حکومت صرف اللہ کی ہے، علی! تمہاری یا تمہارے ساتھیوں کی نہیں ہے) حضرت علیؓ نے آواز دی اس کو پکڑو، ابنِ ملجم پکڑا گیا، جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب کو آگے بڑھایا جنھوں نے نماز فجر پڑھائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر لایا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں مر جاؤں تو اس کو قتل کر دینا، اور اگر زندہ رہ گیا تو مجھے معلوم ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہئے[1]،

جب وہ شخص حضرت علیؓ کے سامنے حاضر کیا گیا تو فرمایا: اس کو گرفتار رکھو، اور قید میں حُسنِ سلوک کا معاملہ کرو، اگر زندہ رہا تو سوچوں گا کہ کیا کروں، معاف کروں یا قصاص لوں، اور اگر مر جاؤں تو ایک جان کا بدلہ ایک ہی جان سے لیا جائے، اور اس کا "مُثلہ" نہ کیا جائے[2]۔

اپنے صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ایک طویل وصیّت کی جس کے آخر میں فرمایا:

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۳۲۸ (مختصراً) [2] الجوہرۃ فی نسب النبیؐ واصحابہ العشرۃ۔ ج ۲ ص ۲۷۴

" مُثلہ" کا مطلب ہے ناک کان کاٹنا اور الگ الگ اعضاء کو زخمی کرنا۔

"اے عبدالمطلب کے فرزندو! مسلمانوں کا بے تکلف خون نہ بہانا تم کہو گے امیرالمومنین قتل کر دیئے گئے، مگر خبردار سوائے میرے قاتل کے کسی اور کو قتل نہ کرنا، دیکھو اگر میں اس کے وار سے مر جاتا ہوں تو اس پر بھی ایک ہی وار کرنا، اُس کا مُثلہ نہ کرنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے، خبردار کسی ذی روح کو مار کر اُس کا مُثلہ نہ کیا جائے، خواہ وہ بھونکنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو"[1]

جُندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیرالمؤمنین اگر آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو کیا آپ کی جگہ ہم لوگ حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں؟ فرمایا: نہ میں اس کا تم کو حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی زبان سے جو آخری لفظ نکالے وہ یہ آیت تھی: "فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝" (سورۃ الزلزال - ۷، ۸) آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو خوفِ خدا اور حسنِ عمل کی وصیّت کی، اور وصیت نامہ میں اس کو تحریر فرما دیا۔[2]

ابن ملجم نے کہا:-

"میں نے اُن (حضرت علیؓ) پر ایسا وار کیا ہے کہ اگر پورے شہر والوں پر یہ وار پڑتا تو سب کے سب مر جاتے، واللہ میں نے اپنی تلوار کو ایک مہینہ تک زہر میں بجھایا، ایک ہزار میں یہ تلوار لی تھی، اور ایک ہزار خرچ کر کے اس کو زہر آلود کیا"۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ جمعہ کے روز شہید ہوئے[3] سحر کا وقت تھا، رمضان کے سترہ روز[4]

---

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۳ صـ ۲۳۵ [2] ملاحظہ ہو۔ ابن کثیر ج ۷، صـ ۳۲۸ - ۳۲۹

[3] مولانا روم کا ایک شعر حسب حال ہے ؎

در بشر روپوش گشتہ آفتاب فہم کن واللہ اعلم بالصواب (مترجم)

[4] حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے ساتھ جو پیش آیا اور جس طرح وہ اس سازش سے بچ کر نکل گئے اس کی تفصیل "البدایۃ والنہایۃ" ج ۷، صـ ۳۳۰ میں ملاحظہ ہو۔

ہو چکے تھے، صحیح روایت کے بموجب حضرت علیؓ نے ۱۷ رمضان کو صبح صادق کے وقت ۴۰ھ میں ترسٹھ سال کی عمر میں سفر آخرت اختیار کیا، آپ کی خلافت کی مدت چار سال نو ماہ ہے، آپ کے جنازہ کی نماز آپ کے صاحبزادہ حضرت حسنؓ نے پڑھائی، کوفہ کے دار الامارہ میں دفن ہوئے، کیونکہ خوارج سے خوف تھا کہ کہیں آپ کے جسدِ مبارک کو کھود کر نکال نہ لیں۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آل اولاد

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علیؓ کے دو صاحبزادے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے، اور کہا جاتا ہے کہ ایک صاحبزادہ محسن تھے، جو صغر سنی میں وفات پا گئے تھے، صاحبزادیوں میں حضرت زینب الکبریٰ اور اُمِ کلثومؓ تھیں، اُمِ کلثومؓ سے حضرت عمر فاروقؓ نے نکاح کیا تھا، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری ازواج سے حضرت علیؓ کی اولاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ام البنین بنت حذام سے حسب ذیل اولاد ہوئیں،

عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان۔

لیلیٰ بنت مسعود سے عبیداللہ اور ابوبکر پیدا ہوئے۔

اسماء بنت عمیس سے محمد اصغر و یحییٰ پیدا ہوئے۔

صہباء بنت ربیعہ (جاریہ) سے ایک فرزند عمر، اور ایک دختر رقیہ۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۷ ص ۳۳۱-۳۳۳، ان روایات کو ابن کثیر نے مشتبہ قرار دیا ہے، جس میں کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کا جسدِ مبارک کسی اور جگہ لے جا کر دفن کیا گیا، ان روایات کی صحت بہت مشتبہ ہے۔

امامہ بنت ابی العاص (بنت زینب بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)
سے ایک فرزند محمد اوسط۔

خولہ بنت جعفر سے ایک فرزند محمد اکبر جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔
سعید بنت عروہ سے اُم الحسن اور رملہ الکبریٰ، اور ام کلثوم تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔
من جملہ اولاد نرینہ کے صرف پانچ⁵ بیٹوں امام حسن، امام حسین، محمد بن الحنفیہ،
عباس اور عمر سے آپ کا سلسلۂ نسل جاری ہے۔[1]

آپ کے صاحبزادہ محمد الاکبر (جو ابن الحنفیہ کے نام سے مشہور ہیں) سربرآوردہ اور ممتاز قائدین اور بزرگوں میں اُن کا شمار ہے، بہت ہی شجاع اور صاحبِ قوت تھے، فصاحت بیان میں ممتاز تھے، کتاب اللہ اور سنّتِ نبوی کے بڑے عالم تھے حضرت ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کی افضلیت کے قائل تھے، حضرت عثمانؓ کی تعریف کرتے تھے، طائف میں ۸۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا، اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔[2]

ابن خلکان کہتے ہیں کہ محمد بہت ہی پرہیزگار عالم جلیل تھے، جسمانی لحاظ سے بھی قوی تھے، جنگ جمل میں میں نے ان کو دیکھا تھا، اپنے والد کا جھنڈا وہی اٹھائے ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دو² سال پہلے ان کی ولادت ہوئی، وفات محرم ۸۱ھ میں ہوئی، وفات کی تاریخ سے متعلق اختلاف بھی ہے، بقیع میں مدفون ہیں۔[3]

حضرت محمد بن حنفیہؒ کی اولاد میں جلیل القدر علماء، مشائخ وصوفیاء اور مصلح ومجاہد افراد پیدا ہوئے، ہندوستان کے مختلف مقامات میں یہ خاندان موجود ہے، تذکرہ اور تراجم کی کتابوں میں اور سلاسلِ تصوف کے سلسلہ میں ان کے نام آتے ہیں،

---

[1] ابن الاثیر والوالفداء [2] الجوہرۃ ج ۲ ص ۲۲۹ [3] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۱۲-۳۱۱

عام طور پر اس خاندان کے افراد "علوی" کہلاتے اور لکھے جاتے ہیں۔

ابن جریر کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ کی کُل اولاد چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں تھیں، واقدی کا بیان ہے کہ آپ کی نسل پانچ افراد سے باقی رہی، اُن کے نام یہ ہیں: حسن، حسین، محمد بن الحنفیہ، عبّاس اور عمر رضی اللہ عنہم۔

آپ کی حکمت و بلاغت

قبل اس کے کہ ہم سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکمت آموز اقوال جو ضرب المثل بن گئے ہیں، اور آپ کی بلاغت کے نمونے پیش کریں، اور دکھائیں کہ آپ کے بعض اقوالِ زرّیں ایسے ہیں، جن کی نظیر دوسری زبانوں کی ادبیات میں بھی ملنا مشکل ہے، مناسب ہوگا کہ نامور ادیب و نقّاد الاستاذ احمد حسن الزّیات کی "تاریخ الادب العربی" سے ایک پیراگراف نقل کردیں جس میں وہ لکھتے ہیں:-

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد گزشتہ زمانوں میں یا بعد کی آنے والی نسلوں میں کوئی بھی علیؓ سے زیادہ فصیح البیان ہمیں نظر نہیں آیا، خطابت میں بھی ایسا کوئی شخص نظر نہیں آیا، جو ایسا زبان آور اور قادر الکلام ہو، وہ حکیم تھے، حکمت کے سوتے ان کے بیان سے پھوٹتے تھے، وہ خطیب تھے، بلاغت کا دریا ان کی زبان سے رواں تھا، واعظ تھے، قلب و نگاہ پر چھا جانے والے، رواں و شاداب قلم جن کے دلائل بڑے قوی و عمیق ہوتے تھے، کلام و بیان پر اس درجہ قدرت تھی کہ جس بات کو چاہتے اور جس طرح چاہتے ادا کرتے، اس پر سب کا اتفاق اور اجماع ہے کہ آپ،

مسلمانوں کے سب سے بڑے خطیب اور انشا پردازوں کے امام تھے"۔[۱]

یہاں ہم عباس محمود العقّاد کی رائے کا اضافہ کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں :۔

"امام سے جو پُرشکوہ کلام مروی ہے، وہ ایک ایسا طرز ہے جس سے بلند کوئی دوسرا طرز نہیں ہو سکتا، اس میں ضرب المثل فقروں کی حکمت کارفرما ہے، اور ایک سے بڑھ کر ایک تعبیر ہے کہ عقل کو فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ کون سی تعبیر زیادہ افضل اور زیادہ طاقتور ہے، معانی میں صداقت، ادا میں بلاغت کی تعریف کی جائے یا فنّی خوبیوں کو شمار کیا جائے"۔[۲]

ان پُرحکمت کلمات، وصیتوں اور امثال کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بہت ہی واضح اور روشن طریقہ پر بتا رہے ہیں کہ یہ سب سلامتِ فکر، قوتِ مشاہدہ اور باریک بینی، زندگی کے گہرے مطالعہ اور لوگوں کی فطرت شناسی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام اور تحریریں، گہرے اور طویل تجربات کا نچوڑ ہیں، جو نفسیاتِ انسانی کے عمیق مطالعہ، اسرارِ حیات سے واقفیت اور قوموں کی صحیح نبض شناسی کا نتیجہ ہیں۔

اِن اقوالِ زرّیں میں سے صرف چند اقوال یعنی صرف بیس[۲] جملے اور حکیمانہ اقوال پیش کئے جاتے ہیں، لیکن اس سے پہلے ان کے شہرۂ آفاق مجموعۂ خُطب و مکاتیب "نہج البلاغہ" پر ایک ناقدانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔

"نہج البلاغہ" جس کو الشریف الرضی (۳۵۹-۴۰۴ھ) نے جمع کیا ہے، یہ وہ مجموعہ ہے جس میں امیر المؤمنین کے خطبات، مکتوبات و رسائل اور حکیمانہ اقوال و امثال جمع کئے گئے ہیں، اس کے بارہ میں تاریخ ادبِ عربی کے ایک مشہور مؤرخ و ناقد کی رائے لکھی جاتی ہے۔

---

[۱] تاریخ الادب العربی للزیّات ص ۱۷۴ [۲] العبقریات الاسلامیۃ ص ۹۷۳-۹۷۴

استاذ احمد حسن الزیّات لکھتے ہیں:۔

"کچھ لوگوں کا رجحان اس طرف ہے کہ اس مجموعہ کا بڑا حصہ الشریف الرضی کی تصنیف ہے کیونکہ اس میں صحابۂ کرام پر طنز و تعریض ہے، اور ان کے حق میں نامناسب الفاظ آگئے ہیں، اور اس لئے بھی کہ اس میں فلسفۂ اخلاق اور علم الاجتماع کی ایسی باتیں بھی ہیں جو بعد کی پیداوار ہیں، اور بہت بارکی کے ساتھ کسی چیز کا وصف اور صنائع و بدائع کا تکلف پایا جاتا ہے جو اس زمانہ کی چیز نہیں تھی، اور وہ اس زمانہ کے لوگوں کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتا، ظاہر ہے کہ اس مجموعہ میں بہت کچھ حضرت علیؓ کا کلام ہے اور زیادہ حصہ اُن سے منسوب کیا گیا ہے[۱]۔"

لیکن ایک صاحبِ بصیرت ناقد جس کو اُس عصر کی زبان و اُسلوب سے واقفیت اور اُس کا ذوق ہے، وہ جانتا ہے کہ حضرت علیؓ کو استثنائی طور پر کیا وہبی صلاحیتیں اللہ نے عطا کی تھیں اور انسانی نفوس کے کیا تجربات اُن کو حاصل تھے، زندگی کے سرد و گرم کا انھیں کس درجہ تجربہ تھا، جس کو یہ معلوم ہے، وہ بہ آسانی تمیز کرسکتا ہے کہ کون سا کلام اُن کے شایانِ شان ہے، اور کون سا نہیں، اور ان باتوں کو بآسانی تمیز کرسکتا ہے جو اُن کی جانب منسوب ہیں، انہی خطبات و رسائل میں سے جو واقعی انھیں کا کلام ہو سکتا ہے، ہم نے اپنی کتاب میں استشہاد کیا ہے، متعدد مستند ادبی مجموعات مثلاً "الکامل" از المبرّد "العقد الفرید" از ابن عبد ربہ، اور جاحظ کی "البیان والتبیین" میں بھی یہ عبارتیں آئی ہیں۔

"نہج البلاغہ" کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں، جن کی تعداد پچاس[۵] سے زیادہ ہے،

---

[۱] تاریخ الادب العربی۔ از الزیّات صفحہ ۲۳ طبع القاہرہ۔

ان میں امام بیہقی، امام فخر الدین الرازی کی شرح بھی ہیں، عز الدین بن ابی الحدید المدائنیؒ نے اس کی سب سے مفصل اور صحیح شرح لکھی ہے، جس کو دار الفکر بیروت نے بیس جلدوں میں شائع کیا ہے، علمائے متأخرین میں سے شیخ محمد عبدہ نے بھی "نہج البلاغہ" کی شرح لکھی، اور ادبی و تعلیمی حلقوں کو اس کی اہمیت اور اس سے استفادہ کی طرف خصوصی توجہ دلائی، اس سے اس کے ساتھ اعتنا اور اہتمام بڑھ گیا۔

۱۔ قیمة کل امرئ مایحسنه۔	ہر انسان کی قیمت اس کام سے لگائی جاتی ہے جس کو وہ (دوسروں کے مقابلہ میں، اور اپنے دوسرے کاموں کے مقابلہ میں) بہتر طریقہ پر انجام دیتا ہے (انسان کی قیمت اس کے خاص ہنر سے لگائی جاتی ہے)
۲۔ کلموا الناس علی قدر عقولهم، أتحبون أن یکذب الله ورسوله۔	لوگوں سے اُن کی ذہنی سطح اور فہم کے مطابق بات کرو، کیا تمھیں پسند ہے کہ کوئی (اپنے فہم اور ادراک سے بالا ہونے کی وجہ سے) اللہ اور اُس کے رسولؐ کو جھٹلائے۔
۳۔ احذروا صولة الکریم إذا جاع، وصولة اللئیم إذا شبع۔	ایک شریف آدمی اس وقت بے قابو ہوتا ہے جب بھوکا ہو اور ایک پست فطرت انسان اس وقت بے قابو اور جامہ سے باہر ہوتا ہے، جب شکم سیر ہو (اور اُس کو

کسی کی ضرورت نہ ہو۔)

۴۔ أجموا هذه القلوب والتمسوا لها طرف الحكمة فإنها تمل كما تمل الأبدان.

اُن دلوں کو بھی آرام دو، اُن کے لئے حکمت آمیز لطیفے تلاش کرو، کیونکہ جسموں کی طرح دل بھی تھکتے اور اُکتا جایا کرتے ہیں۔

۵۔ النفس مؤثرة للهوى، آخذة بالهوينى، جامحة إلى اللهو، أمّارة بالسوء، مستوطنة للفجور، طالبة للراحة، نافرة عن العمل، فإن أكرهتها أنضيتها، وإن أهملتها أرديتها۔

نفس خواہشات کو ترجیح دیتا ہے، سہل اور سست راہ اختیار کرتا ہے، تفریحات کی طرف لپکتا ہے، بُرائیوں پر اُبھارتا ہے، بدی اس کے اندر جاگزیں رہتی ہے، راحت پسند ہے، کام چور ہے، اگر اس کو مجبور کرو گے تو لاغر ہو جائے گا، اور اگر چھوڑ دو گے تو ہلاک ہو جائے گا۔

۶۔ ألا لا يرجون أحدكم إلا ربه، ولا يخافن إلا ذنبه، لا يستحي أحدكم إذا لم يعلم أن يتعلم، وإذا سئل عما لا يعلم أن يقول لا أعلم۔

خبردار و ہوشیار! اللہ کے سوا قطعاً تم میں سے کوئی کسی سے امید نہ قائم کرے، اپنے گناہوں کے سوا کسی بات سے نہ ڈرے، اگر کوئی چیز نہ آتی ہو تو سیکھنے سے شرم نہ محسوس کرے، اور اگر اس سے کوئی ایسی بات دریافت کی جائے جس کو نہ جانتا ہو تو کہہ دے مجھے معلوم نہیں۔

۷۔ الفقر يُخرس الفَطِنَ عن حجته، والمقلّ غريب في بلدته۔

غربت ذہانت کو کند کر دیتی ہے، ایک غریب آدمی اپنے وطن میں رہ کر بھی پردیسی ہوتا ہے۔

۸۔ العجز آفة، والصبر شجاعة، والزهد ثروة، والورع جُنّة

ناکارگی آفت ہے، صبر بہادری ہے، زُہد خزانہ ہے، خوفِ خدا ڈھال ہے۔

۹۔ الآداب حُلَل مجدّدة، والفكر مرآة صافية۔

اخلاق و آداب ایسے جوڑے ہیں جو بار بار نئے نئے پہنے جاتے ہیں، ذہن ایک صاف و شفاف آئینہ ہے۔

۱۰۔ إذا أقبلت الدنيا على أحد أعارته محاسن غيره، وإذا أدبرت عنه سلبته محاسن نفسه۔

جب کسی کا اقبال ہوتا ہے تو دوسروں کی خوبیاں بھی اس سے منسوب کر دی جاتی ہیں، اور جب زوال آتا ہے تو اس سے اس کی ذاتی خوبیوں کا بھی انکار کر دیا جاتا ہے۔

۱۱۔ ما أضمر أحد شيئا إلا ظهر في فلتات لسانه وصفحات وجهه۔

جب کوئی بات آدمی دل میں پوشیدہ رکھتا ہے تو زبان سے اس کے اشارے مل جاتے ہیں، چہرہ کے اُتار چڑھاؤ سے معلوم ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ لا تكن عبد غيرك وقد جعلك الله حُرّا۔

کسی دوسرے کے غلام مت بنو جب کہ اللہ نے تم کو آزاد پیدا کیا ہے۔

۱۳۔ ایّاکَ والاتکال علی المُنیٰ فانّہا بضائع النَّوکیٰ۔
جھوٹی تمناؤں پر بھروسہ کرنے سے بچے رہو تمنائیں بیوقوفوں کا سرمایہ ہیں۔

۱۴۔ اَلا اُنبّئکم بالعالِم کل العالِم من لم یزیّن لعباد اللّٰہ معاصی اللّٰہ، ولم یؤمنہم مکرہ، ولم یؤیسہم من رّوحہ۔
تم کو بتاؤں کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ وہ جو بندگانِ خدا کو معصیت کی باتیں حسین بنا کر نہ دکھائے اور خدا کی کارروائی سے بے خطر نہ رکھے اور اس کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے۔

۱۵۔ الناس نیام، اِذا ماتوا انتبھوا۔
لوگ محوِ خواب ہیں جب مریں گے تو ہوش آجائے گا۔

۱۶۔ الناس اعداء ما جھلوا۔
لوگ جن باتوں کو نہیں جانتے اُن کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

۱۷۔ الناس بزمانہم اَشبہ منہم بآبائہم۔
لوگ اپنے آباو اجداد سے زیادہ اپنے زمانہ کے مشابہ ہوتے ہیں (یعنی لوگوں پر وقت اور ماحول کا اثر زیادہ پڑتا ہے)۔

۱۸۔ المرء مخبوءٌ تحت لسانہ۔
انسان اپنی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے، (یعنی جب تک آدمی بولے نہیں اس کی علمیت اور حقیقت پوشیدہ رہتی ہے۔ (بقول شیخ سعدیؒ ۵

"تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد)

۱۹۔ ما هلك امرؤ عرف قدره۔

جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس کے لئے کوئی بڑا خطرہ یا دھوکہ کا اندیشہ نہیں۔

۲۰۔ رُبّ کلمۃ سلبت نعمۃ۔

کبھی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ نعمتوں کو چھین لیتا ہے۔

حضرت علیؓ کے اشعار

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے اشعار کا دیوان بہت مشہور ہے، بہت سے لوگ اُن اشعار سے مثالیں پیش کرتے ہیں، لیکن ناقدوں کو اُس کے اکثر حصہ کے بارے میں شک ہے بعض اشعار اُن کے معیار سے کم درجہ کے ہیں۔

"معجم الأدباء" میں لکھا ہے:۔

"میں نے "کتاب التہذیب" میں ابو منصور محمد بن احمد الازہری اللغوی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر پڑھی ہے کہ ابو عثمان المازنی نے کہا کہ یہ بات ہمارے نزدیک مسلّم نہیں ہے کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام نے سوائے ان دو شعروں کے اور اشعار کہے ہوں ؎

تلكم قريش تمناني لتقتلني
ولا وجدّك ما برّوا ولا ظفروا

فإن هلكتُ فرهني ذمتي لهم

بذات ودقين لا يعفولها أثر[1]

(قریش کے یہ لوگ مجھ کو قتل کرنے کی تمنا رکھتے ہیں، تمہاری عظمت کی قسم ایسا نہیں ہوگا، اپنی قسم نہ پوری کر سکتے ہیں نہ کامیاب ہو سکتے ہیں، اور اگر میں ہلاک ہوا تو میری جان اُن کے ذمہ دَین ہوگی، ایسی عظیم طاقتور تلوار کے ذریعہ جس کا نشان نہیں مٹ سکتا۔)

ابن ہشام نے "السیرۃ النبویہ" میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے اشعار مختلف مقامات پر نقل کئے ہیں لیکن اُن کے حضرت علیؓ کے کلام ہونے کی نسبت میں شک ظاہر کیا ہے۔

خلفائے اربعہؓ

(رضوان اللہ علیہم)

حیرت انگیز وحدتِ مزاج و وحدتِ منہاج

کتاب کا اختتام مصنّف کے ایک قدیم مقالہ پر کیا جاتا ہے جو اس نے "خلیفۂ راشد امیر المؤمنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرّم اللہ وجہہ" کے عنوان سے ۱۹۵۹ء میں لکھا تھا، اور رسالہ "فاران" کراچی کے اپریل ۱۹۵۹ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا، سیدنا علی (کرّم اللہ وجہہ) کی سیرت و سوانح کے سلسلہ میں اسلامی کتب خانہ اور تحقیق و تصنیف کی دنیا میں جو ایک محسوس کیا جانے والا خلا پایا جاتا ہے، اور اُس کو پُر کرنے کی جو ضرورت ہے اُس کا ذکر کرنے کے بعد لکھا گیا تھا:

راقم سطور کے نزدیک خلافتِ راشدہ اور اس کے ارکانِ اربعہ کی یہ تعبیر صحیح نہیں کہ وہ چند مختلف المزاج، ومختلف الاغراض، متبائن الاسالیب اشخاص کے اتفاقی مجموعہ کا نام ہے، اور یہ چاروں حضرات چار مختلف سیاستوں اور رجحانات کی نمائندگی کرتے ہیں، بخت و اتفاق نے اُن کو ایک زنجیر (خلافت و قیادتِ اسلامی) میں جوڑ دیا ان میں سوائے ایمان و اخلاص اور صداقت اور حقّانیت کے کوئی مشترک عنصر نہیں، جو لوگ زیادہ تاریخی بصیرت اور دقّتِ نظر کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، وہ خلافتِ راشدہ کو دو حصوں اور خلفائے راشدین کو دو گروپوں پر تقسیم کرتے ہیں، خلافتِ راشدہ کے پہلے حصے یا دور کو

اسلام کی ترقی و پیش قدمی اور دوسرے دور کو اسلام کے تنزّل اور وقوف سے تعبیر کرتے ہیں، پہلے دور کا امام صدیق اکبر اور فاروق اعظم (رضی اللہ عنہما) کو مانتے ہیں، اور دوسرے دور کا امام عثمان غنی اور علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) کو کہتے ہیں، میرے نزدیک یہ تقسیم جسارت سے خالی نہیں، میرے نزدیک یہ چاروں حضرات فرداً فرداً خلافتِ نبوی کا مظہرِ اَتم اور مصداق کامل تھے، ذاتی فضائل و مناقب اور ان کی بنا پر تفاوتِ درجات کو الگ کر کے خلافتِ راشدہ کا مزاج اور اس کی روح ان میں سے ہر ایک میں بدرجۂ اَتم پائی جاتی تھی، خلافتِ راشدہ کیا ہے؟ خلافتِ راشدہ نہ اسلامی مملکت کی وُسعت کا نام ہے، نہ کثرتِ فتوحات کا، نہ کامیابیوں کے تسلسل کا، اگر معیار یہی ہو تو پھر ولید بن عبدالملک اور ہارون الرشید کو سب سے بڑا خلیفۂ راشد ماننا پڑے گا، خلافتِ راشدہ نام ہے، نبی کے مزاج اور طرزِ زندگی میں نیابتِ کاملہ کا، نبوّت کا امتیازی مزاج کیا ہے؟ ایمان بالغیب کی قوّت، اطاعتِ الٰہی کا جذبۂ صادق و کامل، غیب پر شہود، احکام پر مصالح و فوائد کو قربان کرنا، دنیا پر آخرت اور غنا پر فقر و زُہد کو ترجیح دینا، اسبابِ دنیا سے کم سے کم متمتّع ہونا اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ متمتّع کرنے کی کوشش کرنا، یہ وہ اجمال ہے جس کی تفصیل پوری سیرتِ محمدی ہے اور جس کے مظاہر بدر و خندق کے معرکے، تبوک کا سفر، حُدیبیہ کی صُلح، مکّہ کی فتح اور ۲۳ برس کی وہ زاہدانہ زندگی ہے، جس کا اول شعبِ ابی طالب کی اسیری اور جس کا اخیر زندگی کی وہ آخری شب ہے، جس میں گھر میں چراغ بھی نہ تھا، اور زرہِ نبوی تیس[۳۰] صاع جَو کے عوض میں ایک یہودی کے یہاں رہن تھی۔

اس معیار سے ان خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم وارضاہم) کی زندگی

اور دورِ خلافت، خلافتِ راشدہ کا مکمل نمونہ تھا، جس میں نبی ؐ کے مزاج اور طرزِ زندگی کی پوری نمائندگی تھی، واقعۂ ارتداد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بے نظیر صلابت و استقامت اور اس فتنۂ عالم آشوب میں مٹھی بھر جماعتِ صحابہ کے ساتھ پورے ملک عرب سے جنگ کرنے کا عزم اور فیصلہ، پھر عین اس نازک وقت میں جبکہ ایک ایک سپاہی جیش کا قائم مقام تھا، اور اسلام کا مرکزِ ثقل (مدینہ طیبہ) دشمنوں کے نرغہ میں تھا جیشِ اسامہؓ کو شام کی جانب روانہ کر دینے اور منشاءِ نبوی کے تکمیل پر (حالات و تغیرات کا لحاظ کئے بغیر) اصرار، پھر مسلمانوں کی موت وحیات کی اسی فیصلہ کن گھڑی میں دنیا کی دو عظیم ترین شہنشاہیوں (رومۃ الکبریٰ اور فارس اعظم) میں جنگ کا سلسلہ چھیڑ دینا، ایمان و اطاعت کا وہ واقعہ ہے، جس کی نظیر صرف انبیاء اور اُن کے خلفائے اولوالعزم کی تاریخ میں مل سکتی ہے اسی کے ساتھ زمانۂ خلافت و فتوحات میں ایسی زاہدانہ زندگی گزارنا جس میں بیت المال کے روزینہ سے منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے اور بچوں کا منہ میٹھا کرنے کی بھی گنجائش نہ تھی، اور پھر انتقال کے وقت اس پوری رقم کو جو زمانۂ خلافت میں (مسلمانوں کے فیصلے سے) بیت المال سے اپنی گزر اوقات کے لئے لی تھی، ذاتی زمین فروخت کر کے بیت المال کو واپس کر دینے اور اس پورے سامان کو جس کا خلافت کے دور میں اضافہ ہوا تھا، بیت المال میں منتقل کر دینے کی وصیت زہد و ایثار کے ایسے واقعات ہیں جن کی نظیر شاید انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے علاوہ کہیں اور نہ مل سکے، اور جو اسی اصل کا "ظِل" ہے، جس کی خلافتِ اولیٰ کا شرف اُن کو حاصل تھا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کا روم و شام کی جنگوں اور یرموک قادسیہ کے

معرکوں میں افواج کی تعداد و اسلحہ کے بجائے اللہ کی فتح و نصرت اور اسلامی افواج کے اعمال و اخلاق اور تعلق باللہ پر اعتماد، یرموک کے معرکہ کے موقع پر (جس سے سخت معرکہ تاریخ اسلام میں کم پیش آیا ہوگا) اسلام کے مظفر و منصور قائد اور اسلامی افواج کے محبوب و معتمد سپہ سالار خالد بن الولیدؓ کو اسلامی افواج کی قیادتِ عُلیا سے معزول کر دینا، اور ابو عبیدہؓ جیسے نرم خُو و نرم مزاج کو قائد مقرر کرنا عظیم ترین عُمّالِ حکومت کا بے لاگ احتساب، جبلہ بن الایہم جیسے سردار قوم اور بادشاہ پر ایک غریب فزاری کے مقابلہ و معاملہ میں قصاص جاری کرنا، ایسی ایمان و اطاعت کی مثالیں ہیں، جو نبوّت کا مزاج اور خلافتِ راشدہ کا تمغۂ امتیاز ہے، پھر اُن کا زُہد و احتیاط جس نے عام الرّمادہ (قحط عام) میں ان کو ہر ایسی غذا سے باز رکھا جو عام مسلمانوں اور ان کی وسیع مملکت کی عام آبادی کو میسّر نہیں تھی، یہاں تک کہ لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس قحط نے طول کھینچا تو وہ بچ نہیں سکیں گے، اور ان کی زاہدانہ زندگی اور تقشّف جس نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی ہے، اسی زاہدانہ زندگی کا پرتو ہے، جس کی اصل و ظلّ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے خلیفۂ (اوّل) کی نیابت اُن کے حصّہ میں آئی تھی۔

اسی طرح وہ ثبات و استقامت اور وہ عزم و یقین جس کا اظہار حضرت عثمانؓ نے بلوائیوں کی شورش اور ترکِ خلافت کے مقابلہ کے موقع پر کیا، اور بالآخر مظلومانہ شہادت پائی، پھر اسبابِ غنا کی فراوانی و موجودگی میں اپنی ذاتی زندگی میں اس زُہد و ایثار کا اظہار جو اُن کے تین نامور پیشروؤں کی میراث تھی، حکومت کے مہمانوں اور عام مسلمانوں کو امیرانہ اور پُر تکلف کھانا کھلانا اور خود گھر میں جا کر

زیتون کے تیل سے روٹی کھانا وہ صحیح خلافت ہے، جس کی خلعت رسول اللہؐ نے ان کو پہنائی اور جس کے اُتارنے سے انھوں نے صاف انکار کر دیا، خلافتِ نبوّت کا یہی مزاج اور زندگی کا یہی انداز اسی سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی اور ابنِ عمِّ رسولؐ کی زندگی میں پورے طور پر نمایاں و روشن ہے، اس طلائے خالص اور اس جوہرِ اصلی پر جمل اور صفّین کی جنگوں کا جو عارضی غبار پڑ گیا ہے، اس کو اگر آپ ہٹا دیں تو اس گوہرِ آبدار کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرے، اور خلافتِ نبوّت کے وہ تمام خصائص نظر آجائیں جو اس کے تین پیشروؤں اور زندگی کے رفیقوں میں مشترک ہیں، حکم اور اصول پر مصلحت و سیاست کو قربان کرنا، خلافت کے بقا و استحکام کے لئے ان تمام طریقوں اور تدبیروں کے اختیار کرنے سے انکار کر دینا جو اہلِ حکومت اختیار کرتے ہیں لیکن خلافتِ نبوّت کے امین کے لئے ان کی گنجائش نہیں، عمّالِ حکومت اور ارکینِ مملکت میں سے ایسے اصحاب کو اُن کے عہدوں سے سبکدوش کر دینے میں تامّل نہ کرنا جو اس کی نظر میں وَرع و تقویٰ کے اس بلند معیار پر نہیں جس پر رسولؐ اور اس کے خلفاء چھوڑ کر گئے ہیں، اور جو اس نظامِ خلافت کے شایانِ شان ہے، اصول و عقیدہ کی خاطر اور خلافت کو "منہاجِ نبوّت" پر باقی رکھنے کے لئے ان تمام ناخوشگوار فرائض کو انجام دینا جو اس کے لئے سوہانِ روح تھے، لیکن عقیدہ اور مومن کے یقین کا تقاضا اور وقت کا مقابلہ تھا، خلافت کی پوری مدّت کو ایک مسلسل مجاہدہ، ایک مسلسل کشمکش، ایک مسلسل سفر میں گزارنا لیکن نہ تھکنا نہ مایوس ہونا، نہ بددل ہونا، نہ شکایت کرنا، نہ راحت کی طلب، نہ محنت کا شکوہ، نہ دوستوں کا گلہ، نہ دشمنوں کی بدگوئی، مدح و ذم سے بے پروا، جان سے بے پروا، انجام سے بے پروا، نہ ماضی کا غم،

نہ مستقبل کا اندیشہ، فرض کا ایک احساسِ مسلسل اور سعی کا ایک سلسلۂ غیر منقطع، دریا کا سا صبر، سورج اور چاند کی سی پابندی، ہواؤں اور بادلوں کی سی فرض شناسی معلوم ہوتا ہے جس طرح ذوالفقار ان کے ہاتھ میں سرگرم و بے زبان ہے، اسی طرح وہ کسی اور ہستی کے دستِ قدرت میں سرگرمِ عمل اور شکوہ و شکایت سے ناآشنا ہیں، ایمان و اطاعت کا وہ مقام ہے جو "صدّیقین" کو حاصل ہوتا ہے، لیکن اس کا پہچاننا اور ان نزاکتوں اور مشکلات سے واقف ہونا بڑے صاحبِ نظر اور صاحبِ ذوق کا کام ہے، اس لئے ان کی زندگی اور اُن کی عظیم شخصیت کا پہچاننا ایک بڑا امتحان ہے، اور اہلِ سنّت کا ایک امتیاز ہے، اس ایمان بالغیب اور اس جذبۂ اطاعت کا ظہور جس ماحول اور جس ناخوشگوار واقعات کی شکل میں ہوا، وہ اس ماحول اور ان واقعات سے بہت مختلف تھے، جن میں اُن کے پیشرو خلفاء کے ایمان بالغیب اور جذبۂ اطاعت کا اظہار ہوا تھا، اس لئے بہت سے مؤرّخین اور اہلِ قلم اور مدّعیانِ فکر و نظر بھی اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے، وہ جس کو داخلی فتنے اور مسلمانوں کی خانہ جنگی کہتے ہیں، ہم ان میں حضرت علیؓ کو نہ صرف معذور بلکہ ماجور پاتے ہیں، ہم اگرچہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ فریقِ مقابل (اہلِ شام) ایک اجتہادی غلطی کا مرتکب تھا، اس لئے اس کی تضلیل و تفسیق ہرگز درست نہیں لیکن ہم یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں جو کچھ کیا وہ ایمان و اطاعت کے جذبہ، اور ادائے فرض کی روح کے ساتھ کیا اس لئے یہ عمل ان کے لئے تقرّب و رفعِ درجات کا باعث تھا۔

پھر اُن کی زاہدانہ زندگی خلافتِ نبوّت کا پرتوِ کامل اور خلافتِ صدّیقی وخلافتِ فاروقی کا نور تھی، یہ فقر وزُہد، تقشّف وقناعت کی ایسی زندگی تھی کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے زُہّاد اس میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتے تھے، اور بالآخر اُن کے منتخب عُمّالِ حکومت اور اُن کے قریب ترین عزیز بلکہ حقیقی بھائی عقیل بن ابی طالب بھی اُن کا ساتھ نہ دے سکے۔

درحقیقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام میں جو ایمان بالغیب اور ایمان بالآخرۃ پیدا کیا ہے اس نے اُن کے ذہن ودل، سیرت واخلاق، زندگی اور کردار اور معیشت وسیاست کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا تھا، عُسر ویُسر، کامیابی وناکامی، فقر وفاقہ، اور امارت وحکومت میں اسی کا بے تکلف اظہار ہوتا تھا، اس ایمان کے سلسلۂ معجزات کی سب سے طاقتور اور سب سے نمایاں وممتاز کڑیاں خلفائے راشدین ہیں، وہ اسی معنیٰ میں خلفائے راشدین ہیں کہ نبوّت کا یہ مزاج اور نبیؐ کی یہ میراث ان کی طرف منتقل ہوئی اور انھوں نے اس مزاج ومنہاج میں نبیؐ کی کامل نیابت کی، تاہم یہ سمجھے کہ یہ بھی کسی بادشاہِ وقت یا حاکم شہر کی نیابت کا مسئلہ ہے اور سوال ان فوائد سے کسی شخص اور اس کے خاندان اور متعلّقین کے مُتمتّع ومنتفع ہونے کا ہے جو اس کی مسند پر بیٹھے گا، اور ساری کشمکش اسی بات کی تھی، حالانکہ سوال نبیؐ کے فرائض انجام دینے اور اس کی سی زُہد وتقشّف اور ایثار وقربانی کی زندگی گزارنے، خلقِ خدا کو زیادہ سے زیادہ دینے اور حظوظِ دنیا اور سامانِ معیشت میں سے کم سے کم لینے، زیادہ سے زیادہ محنت کرنے اور کم سے کم راحت وفراغت حاصل کرنے کا سوال تھا، اور اس میں کیا شبہ ہے کہ خلفائے راشدین

نے یکے بعد دیگرے اس حق کو ادا کر کے دکھایا، نبوّت خلافتِ الٰہی ہے، اور خلافتِ راشدہ خلافتِ نبوی ہے، اخلاق و صفاتِ الٰہی میں بڑا درجہ "صمدیت" کا ہے، اور خدا کی شان "يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ" کی ہے، انسان اس مقام تک تو کیا پہنچ سکتا ہے، اس کی معراج یہی ہے کہ وہ دوسروں کو زیادہ سے زیادہ فیض پہنچائے، اور ان سے کم سے کم فیض اٹھائے، جہاں تک "يُطْعِمُ" (دوسروں کو کھلانے کا) تعلق ہے، اس کا ہاتھ کشادہ، اس کی ہمّت بلند اور جہاں تک "يُطْعَمُ" (دوسروں کا کھانے) کا تعلق ہے، اس کا ہاتھ کشیدہ اور اس کی نظر بلند رہے ؎

عدیل ہمّت ساقیست فطرت عرفی
کہ حاتم دگران و گدائے خویشتن است

میرے نزدیک اسلام کی زندگی میں پیش آنے والے تمام ادوار و مراحل کی نمائندگی خلافتِ راشدہ کے اس مختصر سے دور میں (جو ۳۰ سال سے متجاوز نہیں) کردی گئی ہے، اور ہر آنے والے ناگزیر دور کے لئے اس میں رہنمائی کا سامان ہے، آغازِ کار اور اقبال و ترقی کے زمانہ میں کس استقامت اور ایمان و یقین کا مظاہرہ کرنا چاہیئے، اس کی رہنمائی ہم کو ابو بکر صدیقؓ کی حیاتِ طیبہ اور خلافتِ راشدہ سے حاصل ہوتی ہے، عروج و شباب اور امن و نظام کے زمانہ میں کس استقامت اور ایمان و یقین کا مظاہرہ کرنا چاہیئے، اس کی رہنمائی ہم کو فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت سے ملتی ہے، مخالفتوں، شورشوں اور فتنوں اور بے نظمی اور انتشار کے وقت کس ثبات و استقامت، کس پامردی اور دلبری اور کس ایمان و یقین کی ضرورت ہے، اس کا نمونہ ہم کو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی زندگی میں ملتا ہے، اگر اسلامی تاریخ کے

ذخیرہ میں صرف خلافتِ راشدہ کے ڈیڑھ باب (جو دراصل ایک ہی باب کی ۲ دو فصلیں ہیں) اور صرف خلافتِ صدّیقی اور خلافتِ فاروقی کا نمونہ ہوتو یہ رہنمائی ناتمام ہوتی، اور دورِ انتشار اور دورِ فتن کے لئے مسلمانوں کے پاس تقلید و اتّباع کے لئے کوئی امام اور پیشوا نہ ہوتا، جس اُمّت کے لئے قیامت تک باقی رہنے اور تمام انسانی ادوار اور تاریخ کے نشیب و فراز سے گزرنا مقدّر تھا، اس کے لئے دونوں طرح کے نمونوں کی ضرورت تھی، اور خلافتِ راشدہ نے اپنے پورے اجزاء کے ساتھ اُن نمونوں کو فراہم اور اس رہنمائی کو مکمل کر دیا، رضی اللہ تعالیٰ عن ابی بکر و عمر و عثمان و علی وارضاھم و اکرمھم وجزاھم عن الاسلام وعن ھٰذہ الأمۃ خیر الجزاء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

حضرت علیؓ اور علومِ نبویؐ

از

جناب مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ابنِ عم، آپ کے داماد، سابقین الاولین میں ممتاز سب سے پہلے اسلام لانے والے، عشرہ مبشرہ کے بزم نشیں، خلافتِ راشدہ کے چوتھے رکن، ان کے فضائل و کمالات کو کوئی کیا بیان کرے۔

بقول حافظ ابن حجر عسقلانی

مات فی رمضان سنة اربعین وھو یومئذ افضل الاحیاء من بنی آدم بالارض باجماع اھل السنة۔ (تقریب التہذیب)

رمضان سنہ ۴۰ھ ہجری میں جب اس خاکدانِ عالم کو آپ نے خیر باد کہا تو باجماع اہل سنت روئے زمین پر جتنے بھی انسان بقید حیات تھے اُن سب سے آپ افضل تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

اِنَّ الْخِلَافَةَ لَمْ تُزَیِّنْ عَلِیًّا بَلْ عَلِیٌّ زَیَّنَهَا۔

خلافت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زینت نہیں بخشی بلکہ حضرت علیؓ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کو زینت بخشی [1]

اور اسی بنا پر امام ممدوح کی تصریح ہے کہ

من لم یربع بعلیٍّ فی الخلافۃ فھو اضل من حمار اھلہ [2] جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفۂ چہارم نہ مانے وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی زیادہ بے وقوف ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی گرانقدر تصنیف "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" میں حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل کا ایک مختصر سا جائزہ لیا ہے جو ہدیہ ناظرین ہے۔ فرماتے ہیں:

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت ہیں اور ان کے مناقب بے شمار۔

۱۔ وہ پہلے ہاشمی ہیں جو ایک ہاشمی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔

۲۔ اُن کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی۔ یہ ایسی فضیلت ہے جو اُن سے پہلے صرف ایک صاحب کو نصیب ہوئی تھی۔ اور یہ صاحب جیسا کہ "مُستدرک حاکم" میں مذکور ہے، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

۳۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آغوشِ تربیت میں نشو و نما پائی۔

۴۔ ایک قول کے مطابق یہی پہلے شخص ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے۔ دوسرے قول کے مطابق پہلے مسلمان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

---

[1] حافظ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اس کو امام احمد سے بسند روایت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "تاریخ بغداد" ج۔ ۱، ص ۱۳۵۔ طبع مصر۔)

[2] "منہاج السنۃ" از حافظ ابن تیمیہ۔ ج۔ ۱، ص ۱۴۴ طبع مصر ۱۳۲۱ھ

۵۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ عنہ کے خویش (داماد) تھے اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ ان ہی کے صلب سے باقی رہا۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے موقع پر بستر نبوی پر جا کر یہی سوئے تاکہ لوگ یہ گمان نہ کریں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جا چکے ہیں۔

۷۔ (مدینہ نبوی میں) عقد مواخات کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مواخات (یعنی آپ کے بھائی بننے) کا شرف حاصل ہوا۔

۸۔ غزوۂ بدر میں قریش کے پہلوانوں نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰ حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ان کے مقابلہ میں میدانِ جنگ میں اُترے اور غالب رہے اور پھر اس بشارت سے سرفراز ہوئے کہ "روز قیامت جب (مومنین کی) کفار سے مخاصمت شروع ہوگی تو سب سے پہلے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہوں گے۔"

۹۔ غزوۂ اُحد میں ان چند بزرگوں میں سے یہ بھی تھے جو معرکے میں ثابت قدم رہے اور اس جنگ میں نمایاں سعی آپ سے ظاہر ہوئی۔

۱۰۔ غزوۂ خندق میں عمرو بن عبدوُد کو جو قریش کا مشہور پہلوان تھا جہنم رسید کیا۔

۱۱۔ غزوۂ خیبر میں آشوب چشم کی وجہ سے جو اس وقت آپ کو لاحق تھا اوّلاً شرکت کا موقع نہ مل سکا لیکن بعد کو توفیق الٰہی نے دستگیری کی اور باوجود آشوب چشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آشوب چشم سے شفا پائی اور قلعۂ خیبر آپ ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا، اور اس موقع پر ایسی

فضیلت تامہ آپ کے نصیب میں آئی کہ زبانِ رسالت سے یہ کلمات آپ کے حق میں صادر ہوئے

لا بعثن غدًا رجلًا یحب اللّٰہَ ورسولَہ ویحبہ اللّٰہُ ورسولُہ۔	میں کل ہی ایسے شخص کو اس مہم پر بھیجونگا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت رکھتے ہیں۔

۱۲۔ غزوات نبوی میں بہت سے مواقع پر عساکر نبوی کے علم بردار آپ ہی تھے۔

۱۳۔ ۹ھ ہجری میں آیۂ برات کی تبلیغ کا شرف آپ ہی کے حصہ میں آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرماتے ہوئے کہ

لا یبلغہ الا انا او رجل منی	اس کی تبلیغ یا تو میں کرسکتا ہوں یا میرے خاندان کا کوئی فرد۔

اس حکم کی تبلیغ کی ذمہ داری آپ ہی کے سپرد کی۔

۱۴۔ غزوۂ تبوک میں مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہوئے اور اس باب میں

انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی	جو منزلت ہارون کی موسٰیؑ کے یہاں تھی وہی تمہاری میرے یہاں ہے کی فضیلتِ عظمٰی آپ کو نصیب ہوئی۔

۱۵۔ ہجرت کے آخری سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی حکومت پر آپ کو متعین فرمایا اور وہاں کا قلعہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔

۱۶۔ اور جب مال غنیمت کے خمس میں سے ایک لونڈی آپ کے حصہ میں آئی اور اس کے بارے میں لوگوں میں قیل وقال شروع ہوگئی تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے پاس غیرت کی بنا پر لوگوں کو اُن کی ایذا رسانی سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا

هو منی وانا منه (تم نے علی کو کیا سمجھا ہے) وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔

۱۷۔ اور "غدیر خم" کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ میں جس کا دوست ہوں علی اس کے دوست ہیں۔

۱۸۔ اور مباہلہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل بیت کو اپنے ہمراہ لے کر تشریف فرما ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے۔

۱۹۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ دعا فرمائی

اللھم ھؤلاء اھل بیتی اے اللہ یہ لوگ (علی، فاطمہ و حسنین) میرے

فطھرھم تطھیرًا اہل بیت ہیں تو ان کو خوب پاک کر دے

تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان حضرات میں نہ صرف شامل بلکہ ان سب کے بڑے تھے۔

۲۰۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے حق میں ارشاد ہے:

لا یحب علیًا منافق علی سے نہ کوئی منافق محبت رکھ سکتا ہے

ولا یبغضه مومن اور نہ کوئی مومن بغض رکھ سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اس بنا پر تھا کہ آپ امر حق پر عمل پیرا اور امر الٰہی کی بجاآوری میں شدت کے ساتھ سرگرم تھے۔

۲۱۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حکم دیا کہ مسجد نبوی کے سب دروازے جو لوگوں نے اپنی آمد و رفت کے لئے کھول رکھے ہیں بند کر دیئے جائیں تو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے دروازے کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ کیونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمسائیگی کا شرف حاصل تھا اور آپ کو ان کا قرب مطلوب تھا۔

ان اکیس[21] فضائل کو بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب ممدوح کے الفاظ ہیں:

ایں بود شرح قیام او بیک جناح نبوت کہ افشائے اسلام است و نصرت او در جناح دیگر از جناحین خلافت نبوت کہ افشائے علم است آثار جمیلہ از وے ظاہر شدند۔

اشاعت اسلام جو نبوت کا ایک بازو ہے اس کے برپا کرنے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو مساعی تھیں یہ ان کی شرح ہے اور خلافت نبوت کے دو بازوؤں میں سے دوسرے بازو کی نصرت یعنی اشاعت علم کے سلسلے میں جو آپ سے آثار جمیلہ ظاہر ہوئے (ان کی تفصیل یہ ہے)

۱۔ تعلیم قرآن۔ چنانچہ تاحال آپ کی روایت باقی ہے اور قرّاء سبعہ میں سے بعض حضرات اس قرآن مجید کو آپ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ حدیث نبوی کی روایت کے اعتبار سے آپ کا شمار مُکثرین میں ہے یعنی ان اصحاب میں جن سے بکثرت احادیث نبویہ مروی ہیں۔

۳۔ فقہ۔ آپ کے عہد خلافت میں آپ کے ہاتھوں بکثرت مسائل کے فیصلے ظاہر ہوئے۔ اور امت میں محفوظ رہے۔

۴۔ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے علم کی گواہی دی اور فرمایا کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا "میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں"۔

۵۔ اور مسائل قضا میں ان کے تفوّق کو بھی بتایا، چنانچہ ارشاد ہے:
اقضاکم علیؓ۔ "تم میں سب سے بڑے قاضی (مسائل کا فیصلہ کرنے والے) علیؓ ہیں"۔

۶۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر سے پناہ مانگا کرتے تھے کہ کوئی سخت الجھا ہوا مسئلہ اُن کے سامنے ایسے وقت پیش آئے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ ہوں۔

۷۔ خود حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ

سلونی عن کتاب اللہ فواللہ ما من اٰیۃٍ الا وانا اعلم اَبِلیلٍ نزلت ام بنھار ام فی سھل ام فی جبل

مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھ لیا کرو بخدا کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ وہ رات میں اُتری تھی یا دن میں اور وہ وادی میں اُتری تھی یا پہاڑ پر۔

۸۔ حکمت۔ اور ذہن کا جلدی سے (مسئلہ کی حقیقت کی طرف) منتقل ہو جانا جو حکمت کے شعبوں میں سے ایک عظیم شعبہ ہے اس کا بھرپور حصّہ آپ کو ملا تھا چنانچہ حساب کے دقیق مسائل نیز مسئلہ کے ماخذ پر کتاب و سنّت اور قواعد مقرّرہ مسلّمہ کی روشنی میں متنبّہ کرنے کے بے شمار واقعات آپ سے منقول ہیں۔

۹۔ اور زہد اور بیت المال کے تصرّف میں غایت احتیاط۔ کھانے پینے

پہننے میں سادگی اور بیت المال کی تقسیم میں اپنی قرابت کا پاس و لحاظ نہ کرنا۔ ان امور میں بڑے بلند مقام پر فائز تھے۔

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے مناقب جمیلہ آپ میں موجود تھے[۱]

یہ بھی واضح رہے کہ "قرۃ العینین" میں شاہ صاحب ممدوح علیہ الرحمۃ کے پیش نظر اختصار ہے لیکن انھوں نے اپنی دوسری بے نظیر تصنیف ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء کی جلد دوم میں مناقب مرتضوی پر نہایت مبسوط بحث کی ہے۔ جس کی خوبی اس کے دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ یہ بحث بڑی تقطیع کے پورے چوبیس صفحات پر صفحہ ۲۵۱ سے لیکر ۲۷۴ تک پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی خدمات کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے "ازالۃ الخفاء" میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا نہایت ہی مختصر سا تعارف درج ذیل ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ و نصیب او از احیاء علوم دینیہ آنست کہ جمع او کرد قرآن را بحضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۲۷۳)	۱۔ دینی علوم کے احیاء کے سلسلے میں ان کا حصہ یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ کی حیات مبارکہ ہی میں آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔

چنانچہ تابعین کی ایک جماعت نے آپ سے قرآن مجید کو روایت کیا ہے اور اس روایت کا سلسلہ تا حال باقی ہے۔ امام عاصم جن کے شاگرد امام حفص کی قراوت آج تمام دنیا میں متداول ہے اور ہم اہل ہند و پاک بھی اسی قرأت میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اس کا سلسلۂ اسناد بھی حضرت مرتضیٰؓ حضرت

---

[۱] ملاحظہ ہو: قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، از ص ۱۳۸ تا ۱۴۰۔ طبع مجتبائی۔ دہلی ۱۳۱۰ھ

عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ پر منتہی ہوتا ہے۔ اسی طرح قراء سبعہ میں امام حمزہ کی قرأت کی سند بھی حضرت ذی النورینؓ و حضرت علی مرتضیٰ پر ختم ہوتی ہے۔ اور ان حضرات صحابہ نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن مجید اخذ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن جو آج ہم پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسی طرح بعینہ لوگوں کے سینوں میں جمع اور محفوظ تھا۔[۱]

وے رضی اللہ عنہ از حفاظ حدیث واز مکثرین صحابہ است۔ در بادی النظر قریب شش صد حدیث در کتب معتبرہ از احادیث مرفوعہ وے رضی اللہ عنہ مذکور است، و فی الحقیقت مرفوعات او از ہزار بیشتر میتواں یافت (ص ۲۷۳)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث کے حفاظ اور مکثرین صحابہ میں سے تھے۔ بادی النظر میں تو چھ سو احادیث مرفوعہ کے قریب معتبر کتابوں میں آپ سے منقول ہیں لیکن درحقیقت آپ کی مرفوع احادیث ایک ہزار سے زیادہ مل سکتی ہے۔

آپ کی مرویات کی ایک اہم خصوصیت جس کی طرف شاہ ولی اللہ صاحب نے توجہ دلائی یہ بھی ہے کہ:

و بعض ابواب حدیث کہ پیش از وے روایت نکردہ بودند او فاتح اوّل آں باب است (ص ۲۷۳)

اور حدیث کے وہ بعض ابواب جن کی آپ سے پہلے روایت نہیں کی گئی اس باب کے بیان کرنے کی ابتداء آپ ہی سے ہوئی۔

چنانچہ اس سلسلے میں شاہ صاحب ممدوح نے خاص طور پر جن احادیث کی

---

[۱] معلوم ہوا جو لوگ قرآن کی تحریف یا اس میں کمی بیشی کے قائل ہیں وہ مسلمان نہیں۔ نعمانی

نشاندہی کی وہ یہ ہیں :

۱۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیۂ منورہ اور اوقاتِ شب وروز کے گزران کی کیفیت جو شمائل ترمذی میں مذکور ہے

۲۔ نماز مناجات جو نورانیتِ باطن میں بغایت مؤثر ہے اور "جامع ترمذی" میں مروی ہے۔

۳۔ نوافلِ یومیہ ضحیٰ، صلوٰۃ الزوال وغیرہ جو تصوّف کا خاص باب ہے اس کی روایت "مسند احمد" میں موجود ہے۔

واز مسائلِ فتاویٰ واحکام بسیارے نقل کردہ شد۔ خصوصًا در کتبِ امام شافعی و در مصنف عبدالرزاق و در مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ حصّہ وافرہ مذکور است

آپ سے مسائل فتاویٰ واحکام بہت منقول ہوئے خصوصًا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں، نیز مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ میں ان کا بڑا حصّہ مذکور ہے۔ ۱؎

(ص ۲۷۳)

۴۔ در بحث توحید وصفاتِ زبانے داشت فصیح وآن مبحث در خطب وے رضی اللہ عنہ یافتہ می شود، واز میان صحابہ

توحید وصفات الٰہی کے بارے میں آپ کی زبان فیض ترجمان پر فصاحت کے دریا جاری تھے یہ مضمون آپ کے خطبات میں پایا جاتا ہے۔ صحابہؓ

۱؎ بندہ ناکارہ کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے اصحاب کی تصانیف میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جتنی روایتیں کی ہیں ان سے بھی زیادہ روایات مذکور ہیں۔

کبار وے کرم اللہ وجہہ بآں	کبار میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ
زبان متفرد است گویا در	وجہہٗ اس بحث میں اپنے زورِ بیان
باب توحید وصفات از فن	میں منفرد ہیں۔ گویا فن کلام میں جو توحید
کلام متکلم اوّل او است و	وصفات کا باب ہے اس کے پہلے متکلم
وے درآں مقامات از اصل	امت میں آپ ہی ہیں اور ان مقامات
سنت سنّیہ انبیاء بیروں نہ	کے بیان میں انبیاء کی اصل سنت سنّیہ
رفتہ (ص ۲۷۴)	سے آپ نے قدم باہر نہیں رکھا ہے۔
۵ ـــ درباب تصوّف بحرے بود	اور علم تصوّف کا تو آپ ایک نہایت
لغایت وسیع ...... قال	وسیع سمندر تھے...... حضرت
الجنید رحمہ اللہ شیخنا	جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ
فی الاصول والبلاء علی	اُصول اور بلاء میں تو ہمارے شیخ
المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(ص ۲۷۴)	ہی ہیں“
ـــ در رسم فصاحت وبلاغت در	خطبات میں فصاحت وبلاغت کا
خطبہ آوردۂ او است خلفائے	طریقہ آپ ہی کا جاری کردہ ہے خلفائے
سابق بآں مشغول نمی شدند۔	سابق اس میں مشغول نہ ہوئے۔
ـــ باز در زمانِ شیخین مشیر در	پھر حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما
مسائل دینیہ ووزیر در تدبیرات	کے عہد میں دینی مسائل کے مشیر اور
ملکیۂ ایشاں بود وایشاں	ملکی تدابیر میں ان کے وزیر رہے اور
در تعظیم وتوقیر او دور دور	یہ حضرات بھی ان کی تعظیم وتوقیر بہت
رفتہ ومناقب وفضائل	ہی زیادہ کرتے تھے اور ان کے مناقب

او رضی اللہ عنہ واضح ساختہ اند۔ (ص ۲۷۴)	و فضائل خوب کھول کر بیان کرتے تھے۔

اور شاہ صاحب نے "قرۃ العینین" میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اعتماد بر فتاوی عبداللہ بن مسعود در غالب حال و بر قضایائے مرتضیٰ در بعض احوال بآں شرط کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود روایت کردہ باشند و اثبات نمودہ و بعد ازاں بر تحقیقات ابراہیم نخعی و شعبی و تخریجات ایشاں اصل مذہب ابی حنیفہ است کہ بسبب آں صورت خاص مذہب او پیدا شد۔ (ص ۱۷۲)	اکثر حالات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاوی پر اور بعض حالات میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلوں پر اعتماد کرنا بشرطیکہ ان کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ نے نقل کیا اور ثابت رکھا ہو[1]۔ بعد ازاں ابراہیم نخعی و شعبی کی تحقیقات و تخریجات کو سامنے رکھنا یہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کا اصول ہے جس کی بنا پر ان کے مذہب کی ایک خاص شکل پیدا ہو گئی۔

---

[1] اس شرط کو ملحوظ رکھنے کی وجہ خود شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ بتائی ہے کہ:

اصحاب عبداللہ بن مسعود رضؓ ثقات و فقہاء اند، و رواۃ حضرت مرتضیٰ لشکریان مستور الحال۔ و حدیث مرتضیٰ بدرجہ صحت نرسیدہ است الا آنچہ اصحاب عبداللہ بن مسعود روایت کردہ اند (قرۃ العینین ص ۱۷۱)	کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب ثقات اور فقہاء ہیں۔ اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے ان کے لشکر کے وہ لوگ ہیں جن کا حال ظاہر نہیں۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہی حدیث صحت کے درجہ پر پہنچتی ہے کہ جس کو ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب روایت کرتے ہیں۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ مذہب حنفی پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سب سے زیادہ جس کا اثر ہے وہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام فقہی مسائل مستقل کتاب کی صورت میں علیحدہ بھی مدوّن کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں:

لالکائیؒ از محدثین اہل سنت مذہب علی مرتضیٰ را در فقہیات از کتاب الطہارۃ تا کتاب القضاء بہ ترتیب جمع کردہ کتابے مستقل در فقہ ساختہ است. ہر کسے کہ خواہد بطرف آں کتاب رجوع کند[1]

محدثین اہل سنت میں سے لالکائی نے مسائل فقہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کو کتاب الطہارت سے لیکر کتاب القضاء تک جمع کر کے ایک مستقل کتاب فقہ کی تیار کر دی ہے۔ چنانچہ جو شخص چاہے اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں محدث لالکائی کا ترجمہ لکھا ہے جو ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے۔ اللالکائیؒ الامام ابو القاسم ھبۃ اللہ بن الحسین بن منصور الطبری الرازی الحافظ الفقیہ الشافعی محدث بغداد۔ انھوں نے بہت سے محدثین سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ فقہ کی تعلیم ابو حامد اسفرائینی سے پائی تھی۔ محدّث خطیب بغدادی حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔ رمضان ۴۱۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں اس کتاب کے علاوہ جس کا ذکر شاہ عبد العزیز صاحب نے کیا ہے ایک کتاب السنہ ہے دوسری رجال صحیحین پر اُن کی ایک تالیف ہے۔

---

[1] فتاویٰ عزیزی - ج - ۱ - ص ۸۰ - مطبع مجتبائی سنہ ۱۳۴۱ھ

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی احادیث مرویہ کو جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے لکھا۔ حدیث کی معتبر کتابوں میں علماء محدثین نے جمع کر دیا ہے۔ کتب حدیث کا ایک مستقل عنوان ہے "مسند" اس نام سے حدیث کی جتنی کتابیں جمع کی گئی ہیں ان میں ہر صحابی کے نام کے تحت اس صحابی کے تمام مرویات کو بلا لحاظ مضمون یکجا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

مسانید اسلام میں بکثرت مرتب ہوئیں۔ سیکڑوں ہزاروں کتابیں اسی عنوان کے تحت لکھی گئیں مگر ان میں سب سے مبسوط کتاب امام شیخ الاسلام ابو عبد الرحمٰن بقی بن مخلد القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۲۷۶ھ کی "مسند کبیر" ہے۔ حافظ ابن حزم اندلسی کا بیان ہے کہ اس مسند میں تیرہ سو سے زائد صحابہ کی مرویات درج ہیں اور پھر ہر صحابی کی حدیث ابواب فقہیہ پر بھی مرتب ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب "مسند" بھی ہے اور "مصنَّف" بھی۔ اس خوبی کی حامل کسی اور مصنف کی کتاب نہیں[1]۔ شیخ الاسلام بقی بن مخلد علم حدیث میں بخاری و مسلم کے ہمسر تھے۔ امام ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ

کان بقی ذا خاصة من احمد بن حنبل وجاریا فی مضمار البخاری ومسلم والنسائی[2]

بقی کو امام احمد بن حنبل کی خدمت میں بڑا اختصاص حاصل تھا۔ یہ بخاری، مسلم نے اور نسائی کے ہم عناں ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو کشف الظنون، زیر عنوان "مسند امام بقی بن مخلد" خاکسار کہتا ہے کہ اسی صفت کی حامل شیخ الاسلام بقی بن مخلد کے معاصر امام ابن جریر طبری کی تہذیب الآثار بھی ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ کتاب مصنف کی زندگی میں تمام نہ ہو سکی شیخ الاسلام بقی کی مسند تو آج دنیا میں ناپید ہے لیکن امام ابن جریر طبری کی کتاب کے کئی حصے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ از امام ذہبی ترجمہ بقی بن مخلد۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ دو سو اسّی[۲۸۰] سے زاید شیوخ حدیث سے انھوں علم حدیث اخذ کیا اور طلب حدیث میں مشرق و مغرب کو پے سپر کیا تھا۔ حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان الفاظ میں ان کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے "وکان اماماً علماً قدوۃً مجتهداً ، لایقلد احداً ثقۃً حجۃً صالحاً عابداً متهجداً زاهداً ، عدیم النظیر فی زمانه"۔ متاخرین محدثین جو عام طور پر کسی صحابی کی مرویات کی تعداد بیان کیا کرتے ہیں وہ اسی کی مسند کی مرویہ احادیث کی تعداد ہوتی ہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث مرفوعہ کی تعداد شاہ ولی اللہ صاحب نے چھ سو کے قریب بتلائی ہے۔ حافظ ابن جوزی کی کتاب "تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر" کا جو نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اور جس کو سید محمد یوسف ٹونکی نے اپنی تصحیح و اہتمام سے جید برقی پریس دہلی میں طبع کرا کر شائع کیا ہے اس میں اس "قریب" کی تعیین پانچسو چھتیس[۵۳۶] کی ہے۔ چنانچہ "اصحاب المئین" کے زیر عنوان اس کی عبارت یہ ہے:

علی بن ابی طالب خمس مائۃ حدیث وستۃ وثلاثون ، وقال ابونعیم الاصفهانی اسند اربع مائۃ ونیفا من المتون سوی الطرق وقال البرقی الذی حفظ لنا عنہ نحو مائتی حدیث (ص ۱۸۴)	علی ابن ابی طالب کی پانچسو چھتیس[۵۳۶] روایات ہیں اور حافظ ابونعیم اصفہانی نے کہا ہے کہ چار سو سے زاید متونِ حدیث ان سے مروی ہیں طرق و اسانید کا اس میں شمار نہیں اور حافظ برقی کہتے ہیں کہ جو حدیثیں ہمارے پاس ان کی محفوظ ہیں وہ دو سو کے قریب ہیں۔

حافظ ابن جوزی نے تعداد حدیث کا سارا باب اسی مسند بقی بن مخلد سے

نقل کیا ہے البتہ اس سلسلہ میں وہ مزید اضافہ حافظ ابوبکر برقی کی تاریخ اور حافظ ابونعیم اصفہانی کی کتاب سے کرتے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث کی تعداد بیان کرتے ہوئے بھی انھوں نے کیا ہے۔

ہماری تحقیق کے مطابق "تلقیح" میں "ستة و ثلاثون" کے الفاظ غلطی سے طبع ہو گئے ہیں۔ اصل میں "ستة و ثمانون" ہیں۔ یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ اصل مخطوطہ منقول عنہا میں بھی یہ غلطی تھی یا مطبوعہ نسخہ ہی میں واقع ہوئی ہے۔ حافظ ابن حزم کے پیش نظر بھی "مسند بقی" ہی تھی اور انھوں نے بھی ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر قلمبند کیا ہے۔ جو اُن کی کتاب "جوامع السیرة" کے ساتھ آخر میں طبع ہو گیا ہے۔ اس میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی مرویات کی تعداد ۵۸٦ ہی مرقوم ہے اور یہی تعداد انھوں نے اپنی دوسری کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" میں لکھی ہے۔ چنانچہ ان کی عبارت حسب ذیل ہے:

ولم یروعن علی الاخمس مائة وستة وثمانون حدیثا مسندة یصح منها نحو خمسین وقد عاش بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازید من ثلاثین سنة وکثر لقاء الناس ایاہ وحاجتھم الی ما عندہ لذھاب جمھور الصحابة رضی اللہ عنھم وکثر سماع اھل الآفاق منہ مرة بصفین واعواما

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پانچ سو چھیاسی مسند حدیثیں مروی ہیں جن میں پچاس کے قریب صحیح ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد تیس سال سے زیادہ زندہ رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بڑی جماعت کے گزر جانے کے سبب لوگ کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس جو علم تھا اس کی ان کو ضرورت پڑی چنانچہ کثرت سے اہل آفاق نے آپ سے حدیثیں

بالكوفة ومرةً بالبصرة والمدينة (ج ٤ ص ١٣٧)

سنیں کبھی صفین میں اور کئی برس کوفہ میں اور کبھی بصرہ اور مدینہ میں۔

حافظ ابن حزم نے جو تعداد بیان کی ہے یہی تعداد امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء اور علامہ خزرجی کی کتاب "خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال" میں مرقوم ہے۔ خزرجی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں بیس حدیثیں "متفق علیہ" ہیں یعنی امام بخاری و مسلم دونوں نے ان کو روایت کیا ہے اور نو حدیثوں کی روایت صرف بخاری نے کی ہے اور پندرہ کی صرف مسلم نے۔ غالباً اسی نقطۂ نظر سے ابن حزم نے صحیح احادیث کی تعداد پچاس کے قریب لکھی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تعداد "صحیح لذاتہ" کی ہے جو محدثین کے نزدیک صحیح کی سب سے عالی قسم شمار کی جاتی ہے ورنہ ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں (۱) صحیح لذاتہ (۲) صحیح لغیرہ (۳) حسن لذاتہ (۴) حسن لغیرہ۔ یہ چاروں قسمیں بالاتفاق مقبول ہیں اور حجت مانی جاتی ہیں۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تعداد ان احادیث کی ہے جو "مسند بقی بن مخلد" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہیں۔ ان کی جملہ مرویات کی یہ تعداد نہیں۔ بعض لوگوں کو اس سلسلہ میں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ "مسند بقی" میں ہر صحابی کی مرویات کی جو تعداد مذکور ہے اس سے زیادہ اس صحابی سے اور کچھ مروی نہیں۔ یہ محض غلط ہے۔ حافظ ابن جوزی "تلقیح" میں لکھتے ہیں:

وقد كان ابو عبد الرحمٰن بقي بن مخلد جمع في مسنده حديثا كثيرا عن جمهور الصحابة فعد منه بعض رواية الاحاديث التي يرويها

ابو عبدالرحمٰن بقی بن مخلد نے اپنی مسند میں جمہور صحابہ کی حدیثیں جمع کی ہیں چنانچہ اسی بنا پر ہر صحابی نے جو حدیثیں روایت کی ہیں ان میں بعض کی تعداد اسی کتاب کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان کر دی گئی ہے،

كل صحابي فتوهم بعض المتاخرين ان الصحابي لايروي سوى ذلك وليس كما توهم وانما هو قدر ما وقع الى المصنف (ص ۱۸۲)	اس سے بعض متاخرین اس وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ یہ صحابی بس اتنی ہی حدیثیں روایت کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں جیسا کہ ان کو وہم ہوا ہے بلکہ یہ تو روایت کی اس مقدار کا بیان ہے جو مصنف کو پہنچی ہے۔

مسند بقی تو آجکل ناپید ہے لیکن جو مسانید طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں :۔

۱۔ مسند امام ابو داؤد سلیمان بن داؤد طیالسی المتوفی ۲۰۴ھ جس کا شمار اسلام کے قدیم ترین مسانید میں ہے بلکہ بعض حضرات اس باب میں سب سے پہلی تصنیف انھیں کی مسند کو خیال کرتے ہیں۔ یہ مسند دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۱ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۲۶ تک درج ہیں مگر درمیان میں کچھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں بھی آگئی ہیں۔ آج کل اس کتاب کی مسند علی کی احادیث پر فرزند عزیز محمد عبد الشہید سلمہ اللہ تعالیٰ امام سخاوی کی ترتیب مسند طیالسی کے ایک قلمی نسخے کی مدد سے جس کا ایک حصہ ان کو دستیاب ہو گیا ہے کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد ان کو اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۔ مسند امام عبد اللہ بن زبیر حمیدی المتوفی ۲۱۹ھ یہ کتاب دو جلدوں میں مجلس علمی کراچی نے شائع کی ہے اور اس کی تصحیح و تحشیہ کا کام مولانا حبیب الرحمن صاحب محدث اعظمی نے انجام دیا ہے۔ مگر اس مسند میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت ہی کم روایتیں مذکور ہیں جن کی کل تعداد ۲۳ ہے۔

۳۔ مسند امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ۔ جو اس وقت موجودہ تمام مسانید میں سب سے زیادہ ضخیم ہے اور باریک ٹائپ پر چھ ضخیم جلدوں میں پہلے مصر اور پھر بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ اس "مسند" میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات ص ۷۵ سے ۱۶۰ پر ختم ہوتی ہیں۔

"صحاح ستہ" میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات کی تعداد تین سو بائیس ۳۲۲ ہے جن کو ان سے ایک سو ترپن صحابہ و تابعین نے نقل کیا ہے۔ ان سب احادیث کی فہرست حافظ جمال الدین مزی نے اپنی گرانقدر تصنیف "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" میں راویوں کے اسماء کو حروف تہجی پر مرتب کر کے پیش کر دی ہے اور ہر حدیث کے بارے میں نشاندہی کر دی ہے کہ صحاح ستہ کے کس باب میں کس راوی کی سند سے وہ مروی ہے۔

ان کے علاوہ حدیث کی بکثرت قلمی اور مطبوعہ کتابیں ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکثرت روایتیں پائی جاتی ہیں اور عین ممکن ہے کہ ان کتابوں میں بعض وہ حدیثیں بھی موجود ہوں جو "مسند بقی" میں نہیں ہیں۔

"صحاح ستہ" کی بزم کے رکن رکین امام احمد بن شعیب نسائی المتوفی سنہ ۳۰۳ھ جو امام بقی کی طرح امام بخاری و امام مسلم کے ہم پایہ ہیں بلکہ بعض محققین حفاظ حدیث تو ان کو امام مسلم پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ انھوں نے مستقل طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں کو جمع کرنے پر توجہ دی اور ان کو ایک علیحدہ کتاب میں مدوّن کر دیا جس کا نام ہے "مسند امیر المؤمنین علی بن ابی طالب"۔

اسی دور کے ایک اور بزرگ حافظ علامہ ابو یوسف یعقوب بن شیبہ سدوسی بصری نزیل بغداد المتوفی سنہ ۲۶۲ ہجری ہیں۔ جو شیخ الاسلام بقی بن مخلد، امام محمد بن جریر طبری اور امام نسائی سب سے عمر اور طبقے میں بڑے تھے انھوں

نے بھی حدیث میں ایک بہت مسند لکھی تھی جس کا تعارف حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان الفاظ میں کرایا ہے

ما صنف مسند احسن منه ولكنه ما اتمه	اس سے بہتر مسند تصنیف نہیں ہوئی لیکن وہ اس کو مکمل نہ کر سکے

اور اپنی دوسری مشہور تصنیف "سیر اعلام النبلاء" میں اس "مسند" کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں

المسند الكبير العديم النظير المعلل الذى تم من مسانيده نحو من ثلاثين مجلداً، ولو كمل لجاء فى مائة مجلداً (ج ۱۲ ص ۴۷۶)	مسند کبیر، عدیم النظیر معلل، جس کی مسانید میں سے صرف تیس جلدوں کے قریب مکمل ہو سکیں۔ ورنہ اگر یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی تو سو جلدوں میں آتی۔

"معلل" کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کی اسانید کے ساتھ ان کے علل پر بھی تفصیل سے کلام کیا جائے۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ کوئی معلل کتاب پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی کیونکہ اس کے ختم ہونے سے پہلے مصنف کی عمر ختم ہو جاتی ہے۔ یعقوب بن شیبہ بڑے پایہ کے محدث تھے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے وکان من کبار علماء الحدیث۔ حق تعالیٰ نے ان کو دولت علم کے ساتھ دولت دنیوی سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ "مسند" کی تبییض پر دس ہزار اشرفیاں صرف کیں ان کی حویلی میں چالیس لحاف ان مبیضہ نویسوں کے لئے تیار رکھے رہتے تھے جو اس خدمت کو انجام دینے کے لئے رات ان کے یہاں ہی بسر کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس مسند کی "مسند ابی ہریرۃ" کا حصہ جو مصر میں لوگوں کی نظر سے گزرا وہ دو سو جزء پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ مسند یعقوب کے جو اجزاء مبیضہ ہو کر منظر عام پر آئے۔ وہ مسانید عشرہ

مبشرہ، مسند ابن مسعود، مسند عمار، مسند عباس اور بعض موالی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسانید ہیں۔ ان میں صرف علی کرم اللہ وجہہ کی مسند پانچ جلدوں پر مشتمل تھی [۱]

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث نبوی کی روایت میں جن احتیاطوں کو مدنظر رکھتے تھے۔ امام ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان کو بالخصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

۱۔ وکان اماماً عالماً متحریاً فی الاخذ بحیث انہ لیستحلف من یحدث بالحدیث	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام تھے عالم تھے۔ اخذ حدیث (یعنی روایت قبول کرنے میں) احتیاط برتتے تھے چنانچہ جو شخص بھی آپ کے سامنے کوئی حدیث بیان کرتا تو پہلے اس سے قسم لیتے

البتہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت اس اصول سے مستثنیٰ تھی کہ آپ ان کی روایت بغیر حلف لئے بھی قبول فرما لیتے تھے۔

۲۔ عن علی قال حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، لوگوں کو وہ حدیثیں بیان کرو جو جانی پہچانی ہوں اور وہ نہ بیان کرو جن سے وہ بدکیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

حضرت ممدوح کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد امام ذہبی نے یہ افادہ فرمایا ہے :۔

فقد زجر الامام علی رضی اللہ عنہ عن روایۃ المنکر وحث علی التحدیث بالمشہور وھذا اصل کبیر فی الکف	(اب دیکھئے) بلا شبہ امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکر (اوپری) روایات کے بیان کرنے سے سختی سے روک دیا اور مشہور روایت کے بیان کرنے کی ترغیب

---

[۱] ان ساری تفصیلات کے لئے "تذکرۃ الحفاظ" امام ذہبی میں ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

عن بث الاشیاء الواھیة والمنکرة من الاحادیث فی الفضائل والعقائد والرقائق ولا سبیل الی معرفة ھذا من ھذا الا معان فی معرفة الرجال۔

دلائی اور یہ فضائل، عقائد و مواعظ کے بارے میں واہی اور منکر روایات کے بیان کرنے سے رک جانے کا بڑا کارآمد اصول ہے اور منکر کی غیر منکر سے شناخت جب تک فن رجال میں گہری نظر نہ ہو نہیں ہو سکتی۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان چند صحابہ میں شامل ہیں جن کو عہدِ رسالت میں حدیث نبوی کی کتابت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے:۔

عن علی قال ماکتبنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا القرآن وما فی ھذہ الصحیفة۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ علیہ وسلم سے سوائے قرآن کریم کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے (جو تمہارے سامنے ہے) اور کچھ نہیں لکھا۔

اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔ حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بہت ہیں اور میں نے ایک مستقل کتاب آپ کے لئے فضائل اور مناقب پر لکھی ہے جو ایک پوری جلد میں ہے اور اس کا نام ہے "فتح المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب"۔

احادیث نبویہ کے مطالب و معانی کے سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد بھی آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے:

اذا حدثتم عن رسول اللہ

جب تمہارے سامنے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم حدیثاً فظنوا بہ الذی ھو اھناٗ والذی ھو اھدی، والذی ھو اتقی (مسند احمد بن حنبل (ج ۱۔ ص ۱۳۰)	صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو وہ معنی لو جو سب سے زیادہ عمدہ، سب سے زیادہ قرین ہدایت اور سب سے زیادہ تقویٰ کو بتاتے ہوں۔

محدثین نے اختلافِ روایت کے تحت ترجیح کے بہت سے اصول بیان کئے ہیں، چنانچہ حافظ ابوبکر حازمی نے اپنی مشہور کتاب "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار" میں پچاس کے قریب وجوہ ترجیحات ذکر کی ہیں۔ یہ کتاب مصر اور ہندوستان دونوں جگہ طبع ہو چکی ہے۔ اس میں پچاسواں ضابطہ یہ بتایا ہے کہ جب کسی ایسے مسئلے میں دو مختلف حدیثیں وارد ہوں کہ جن کا تعلق قضاء سے ہو تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔

اہل سنت میں مذہب حنفی کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خصوصی نسبت ہے۔ یہ مذہب آپ کے انفاس قدسیہ کی خصوصی برکات کا حامل ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے جد امجد ایک بار اپنے صغیر السن صاحبزادہ جناب ثابت علیہ الرحمہ کو جو امام صاحب کے والد ماجد ہیں لے کر خدمت مرتضوی میں حاضر ہوئے تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے اور اُن کی اولاد کے حق میں برکت کی خصوصی دعا فرمائی تھی۔ چنانچہ یہ اسی دعا کی برکت کا اثر ہے کہ فقہ حنفی کو چار دانگ عالم میں غلبہ نصیب ہوا اور آج بھی اسلامی دنیا کی غالب اکثریت اسی مذہب کی پیرو ہے۔ فقہ مرتضوی کا اصل ترجمان مذہب حنفی ہی ہے۔ دور کیوں جایئے۔ نماز کے مشہور مسائل؛

آہستہ سے آمین کہنا۔ رکوع میں جاتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہ کرنا۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا، گاؤں میں نماز جمعہ و عیدین کا نہ پڑھنا تراویح کی بیس رکعت۔ ان تمام مسائل میں فقہ حنفی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہی کے فتاویٰ پر عمل ہے۔

صحیح مسلم کے مقدمہ میں مغیرہ بن مقسم ضبی علیہ الرحمہ سے جو کوفہ کے مشہور فقہا و محدثین میں ہیں اور امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد بھی۔ مروی ہے کہ

لم یکن یصدق علی علیؓ فی الحدیث الا من اصحاب عبد اللہ بن مسعود	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات میں صرف وہی روایت درست سمجھی جاتی تھی جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کے تلامذہ ان سے نقل کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی مسند علمی کے صدر نشین ہیں جس کا سلسلہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب سے عہد بعہد آپ تک منتہی ہوا۔ اسی لئے مذہب حنفی میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو علم منتقل ہوا وہ بالکل صحیح طریقہ پر منتقل ہوا، پھر مذہب حنفی میں جس کثرت سے اولیا ہوئے ہیں دوسرے مذاہب میں نہیں ہوئے۔ تمام اولیاء اللہ کے سلاسل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔

امام حافظ شمس الدین ذہبی نے جو علم تاریخ اور اسماء الرجال کے ایک عنصر خیال کئے جاتے ہیں۔ اپنی مشہور بے نظیر کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں تصریح کی ہے کہ

فافقہ اھل الکوفۃ علی	اہل کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ علی اور

وابن مسعود، وافقه اصحابهما علقمة، وافقه اصحابه ابراهيم، وافقه اصحابه ابراهيم حماد ابوحنيفة، وافقه اصحابه ابويوسف، وانتشر اصحاب ابي يوسف في الآفاق، وافقهم محمد، وافقه اصحاب محمد ابوعبدالله الشافعي رحمهم الله تعالیٰ

(ج ۵ ص ۲۳۶)

اور ابن مسعود ہیں، اور ان دونوں کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ علقمہ ہیں اور علقمہ کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابراہیم نخعی ہیں اور ابراہیم کے اصحاب سب سے بڑے فقیہ حمّاد ہیں اور حمّاد کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابوحنیفہ ہیں اور ابوحنیفہ کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابویوسف ہیں۔ پھر ابویوسف کے اصحاب آفاق عالم میں پھیل گئے۔ اور ان میں سب سے بڑے فقیہ محمد ہیں۔ اور محمد کے اصحاب میں سب سے بڑے ابوعبداللہ شافعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان سب پر رحمتیں نازل ہوں۔

ہمارے محترم دوست سیّد جمیل احمد نقوی صاحب کی یہ بڑی سعادت ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کو یہ توفیق بخشی کہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی جتنی روایت کردہ احادیث، حدیث کی مشہور و متداول کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" میں موجود ہیں ان سب کو انھوں نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ یہ کام علماء کے کرنے کا تھا۔ سیّد صاحب عالم نہیں مگر توفیق حق ہے جس کو ارزانی ہو جائے۔ سچ ہے ؂

داد ِ اُو را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد ِ اوست

دُعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر اس پر اجر جزیل

عطا فرمائے۔ آمین۔

والحمد للہ اولاً و آخراً وصلی اللہ تعالیٰ
علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم

محمد عبدالرشید نعمانی

۱۰/ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

مناقبِ صحابہ کرام و اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم

نفیس الحسینی

ارشادِ باری تعالیٰ :

وَ السّٰبِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْأَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ أَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (التوبہ)

اور جو لوگ قدیم ہیں، پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے اور جو اُنکے پیچھے آئے نیکی سے، اللہ راضی ہوا اُن سے اور وہ راضی ہوئے اُس سے اور رکھے ہیں واسطے اُنکے باغ، نیچے بہتی نہریں، رہا کریں اُن میں ہمیشہ یہی ہے بڑی مراد ملنی ۞ (ترجمہ: شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱۔ "میرے کسی صحابی کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی بھی نہ کرو، کیونکہ اُن کا مرتبہ حق تعالیٰ کے یہاں اس درجہ بلند ہے کہ اگر کوئی غیر صحابی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرے تو میرے صحابی کے ایک سیر بھر بلکہ آدھ سیر جَو خیرات کرنے کے برابر بھی نہ ہوگا۔"

(رواہ البخاری، مسلم، ابوداؤد و الترمذی)

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو، جو میرے صحابہ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہوں تو اُن سے یوں کہہ دو کہ تمہاری اس بُری حرکت پر خدا کی لعنت ہو۔" (ترمذی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)

۳۔ سردارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو، اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرو، میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد (یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا) اس کے بعد فرمایا کہ میرے صحابہ کو لعن و طعن کا نشانہ مت بناؤ، یاد رکھو جو میرے صحابہ سے محبت کریگا تو درحقیقت اس کو میری محبت کی بناء پر اُن سے محبت ہوگی اور جو اُن سے بُغض رکھے گا، تو درحقیقت مجھ سے بُغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بُغض ہوگا۔ جو میرے صحابہ کو اذیت دیگا اس نے مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس نے مجھ کو اذیت پہنچائی، اس نے حق تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے حق تعالیٰ کو اذیت دی تو اس پر عذابِ الٰہی نازل ہونے کا اندیشہ ہے۔ (ترمذی عن عبداللہ بن مغفل مرفوعاً)

مناقبِ سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱۔ "جس نے علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی تو گویا اس نے میری شان میں گستاخی کی۔" (رواہ احمد)

۲۔ حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس ہوتے ہوئے مقام غدیر خم پر پہنچے تو آپ نے حضرت صحابہ کرام کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر یہ ارشاد فرمایا کہ اے

لوگو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمام مومنوں کے نزدیک ان کی جانوں سے بھی عزیز تر ہوں۔ سب نے تسلیم کرتے ہوئے عرض کیا بیشک ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ میں ہر مومن کو اُس کی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوں۔ سب نے عرض کی، بیشک ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے اللہ! میں جس کا مولیٰ بن جاؤں، علیؓ بھی اُس کے مولیٰ ہوں، اے اللہ محبت کیجئے اس شخص سے، جو علیؓ سے محبت کرے اور دشمن رکھئے اس شخص کو جو علیؓ سے دشمنی رکھے اس ارشاد کے بعد عُمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ کو مبارکباد دی اور فرمایا، اے ابنِ ابی طالب مبارک ہو، اب تو آپ ہر مومن مرد و عورت کے مولیٰ بن گئے۔ (رواہ احمد)

مناقب سیّدۃ النّساء فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ عنہا

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو مبغوض رکھا۔ اُس نے مجھ کو مبغوض رکھا اور جس نے اس کو ناخوش کیا اُس نے مجھ کو ناخوش کیا اور جس نے اس کو اذیت پہنچائی اُس نے مجھ کو اذیت پہنچائی۔" (بخاری و مسلم)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ حذیفہ (صحابی) رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آج کی رات میں ایک مقدس فرشتہ زمین پر نازل ہوا جو اس سے پہلے زمین پر نہیں آیا تھا اور حق تعالیٰ سے اجازت لے کر اس مقصد سے نازل ہوا کہ مجھ کو سلام کرے اور یہ بشارت سُنائے کہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) جنّت کی عورتوں کی سردار ہوں گی اور حسن و حُسین (رضی اللہ عنہما) نوجوانانِ جنّت کے سردار ہوں گے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: وفات مبارک سے چند روز پہلے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا) اے فاطمہ تمہارے لئے بہت خوشی کا مقام ہے کہ تجھے جنتی عورتوں کی سردار بنایا جائے گا۔ (حاصل حدیث: رواہ البخاری و مسلم)

مناقب سیّدنا حَسن و حُسین رضی اللہ عنہما

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ (حضرت) حَسن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے نصفِ اعلیٰ میں سَر تا بہ سینہ تک بہت مشابہ تھے اور (حضرت) حُسین سینہ کے بعد سے قدم مبارک تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر سے بہت ہی مشابہت رکھتے تھے۔ (ترمذی)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) تھے اور آپ یہ دُعا فرمارہے تھے " اے اللہ میں حَسن اور حُسین سے محبت کرتا ہوں۔ اے اللہ آپ بھی ان دونوں کو اپنا محبوب بنا لیجے اور اُن لوگوں سے بھی محبت فرمایئے جو اُن سے سچی محبّت کریں۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے ایک کاندھے پر حسن (رضی اللہ عنہ) اور دوسرے پر حسین (رضی اللہ عنہ) تھے۔ آپ غایت شفقت سے کبھی ایک کو پیار کرتے اور کبھی دوسرے کو۔ اس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! خدا کی قسم آپ کو تو ان دونوں بچوں سے بہت محبت معلوم ہوتی ہے۔ اس پر نبی کریم صلی علیہ وسلم نے فرمایا: "جو حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) سے محبت کریگا اس نے درحقیقت مجھ سے محبت کی اور جو ان دونوں سے بُغض رکھے گا وہ دراصل مجھ سے بُغض رکھنے والا ہے۔" (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۰۵ ج ۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو اہلِ بیت میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے تو اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے محبوب مجھ کو حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) ہیں اور بارہا آپ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا کرتے تھے: "میرے پاس میرے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کو بُلا دو تاکہ میں اُن کو محبت سے اپنے سینے سے لگاؤں اور پیار کروں۔" (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "ایک روز صبح کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس شان سے کہ آپ ایک اُونی منقش کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ اتنے میں حسن بن علی آگئے، آپ نے ان کو اپنے کمبل میں داخل کرلیا، پھر حسینؓ بھی آگئے۔ آپ نے ان کو بھی اپنے کمبل میں داخل کرلیا۔ پھر حضرتِ فاطمہ تشریف لائیں تو آپ نے اُن کو بھی اپنے کمبل میں داخل کرلیا۔ اُن کے بعد حضرت علی تشریف لے آئے۔ آپ نے اُن کو بھی اسی کمبل میں لے لیا۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ اے پیغمبر کے گھر والو! تم سے (معصیت و نافرمانی کی) گندگی کو دُور رکھے اور تم کو (ظاہراً و باطناً، عقیدۃً و عملاً و خلقاً) بالکل پاک و صاف رکھے۔ (ترجمہ از تفسیر بیان القرآن)

حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ اپنی تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں: "غرض کہ لفظ اہلِ بیت کے دو مفہوم ہیں۔ ایک ازواج، دوسرے عترت۔ خصوصیتِ قرائن سے کسی مقام پر ایک مفہوم مراد ہوتا ہے، کہیں دوسرا اور کہیں عام بھی ہو سکتا ہے۔" (ص ۴۸ جلد ۹)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مقام خم کے قریب جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں واقع ہے۔ کھڑے ہو کر عام مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیا۔ خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد مختلف نصیحتیں فرمائیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں بھی ایک انسان ہوں، عنقریب زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے پاس میرے

پروردگار کا پیامی آئے گا اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں گا تو میں تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑ کر جاؤں گا۔ ان میں پہلی چیز کتاب اللہ ہے۔ جس میں ہدایت اور نور ہے۔ تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑ لو اور اُسکی حفاظت کی پوری پوری کوشش کرو۔" اُسکے بعد آپ نے مختلف طریقے پر کتاب اللہ کی حفاظت اور اس پر عمل کرنے کی رغبت دلائی اس کے بعد ارشاد فرمایا: "دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ تم خدا سے ڈرنا، میرے اہلِ بیت کے معاملے میں۔ تم اللہ سے ڈرنا میرے اہل بیت کے معاملے میں۔" (یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا) (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ جب ایک عراقی محرم نے ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ بحالت احرام مکھی کو مارنا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت ابن عمرؓ نے ناخوش ہو کر ارشاد فرمایا: "اہلِ عراق مجھ سے بحالتِ احرام مکھی مارنے کے بارے میں مسئلہ پوچھ رہے ہیں، حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا اور یاد رکھو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں دنیا میں میری "خوشبوئیں ہیں"۔ (رواہ البخاری)

حضرت اُم فضل (رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے کہ ایک روز میں حسین (رضی اللہ عنہ) کو گود میں لئے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور آپ کی گود میں اُن کو بٹھلا دیا۔ آپ ان کو گود میں لئے ہوئے تھے کہ میں پھر کسی کام میں لگ گئی۔ اچانک جب میری نگاہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے مسلسل آنسو بہ رہے ہیں۔ حیرت سے میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کی آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہو رہے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس ابھی جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تھے اور مجھ کو مطلع کیا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ میرے اُمتی میرے اس پیارے بیٹے کو قتل کر دیں گے۔ اُم فضل رضی اللہ عنہ کہتی ہیں۔ میں نے دوبارہ تعجب سے معلوم کیا کہ کیا حُسین (رضی اللہ عنہ) ہی کے ساتھ یہ معاملہ پیش آئیگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں حُسین ہی کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا۔" (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پراگندہ بال غبار آلود تھے۔ آپ کے دستِ مبارک میں ایک شیشی تھی جس میں خون تھا پس میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کا یہ کیا حال ہے اور یہ شیشی کیسی ہے؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ حُسین اور اُن کے یاروں کا خون ہے۔ میں صبح سے اب تک اسے جمع کرتا رہا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اُس وقت کو اچھی طرح سے یاد رکھا۔ پس میں نے پایا کہ حُسین (رضی اللہ عنہ) ٹھیک اسی وقت میں شہید کئے گئے۔

(رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ و رواہ احمد) (مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ)

سیدنا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما

تحریر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما پانچویں شعبان سنہ ۴ھ کو پیدا ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد چٹایا اور اُن کے دہن پاک کو اپنی زبان بابرکت سے تر کیا، اُن کو دعائیں دیں، اور حسینؓ نام رکھا، اور جیسا کہ پہلے گزر چکا، حضرت حسنؓ کا چہرۂ مبارک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور سے مشابہ تھا، اور حضرت حسینؓ کا جسم پاک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسدِ اطہر کے مشابہ تھا، وفات نبوی کے وقت (جو ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں ہوئی) حضرت حسینؓ کی عمر ساڑھے چھ سال (۶½) کی تھی۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "ایک روز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) دونوں آپؐ کے صدر مبارک پر چڑھے کھیل رہے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیک وسلم) کیا آپ ان دونوں سے اس درجہ محبت کرتے ہیں؟ فرمایا "کیوں نہیں یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں[۲]" اور حارث علیؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "حسنؓ وحسینؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں[۳]" یزید بن ابی زیاد کی روایتوں میں ہے کہ

---

۱ گزشتہ باب میں اس کے نمونے گزر چکے ہیں۔

۲ رواہ الطبرانی فی المعجم　　۳ ایضاً

ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسینؓ کے رونے کی آواز سنی تو اُن کی والدہ سے کہا: "کیا تم کو معلوم نہیں کہ ان کا رونا مجھے اندوہگیں کرتا ہے"۔[1]

حضرت حسینؓ نے اس جنگ میں بھی شرکت فرمائی تھی جس نے ۵۱ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا، اس حملہ میں یزید بن معاویہ بھی تھے[2]، حضرت حسین رضی اللہ عنہ بہت عبادت گزار تھے، نماز، روزہ اور حج کا بہت اہتمام فرماتے تھے، آپ نے بیسؔ حج پا پیادہ کئے تھے[3]، حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) انتہائی متواضع تھے، ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار گزر رہے تھے، غربا کی ایک جماعت نظر آئی جو زمین میں بیٹھی روٹی کے ٹکڑے کھا رہی تھی، آپ نے اُن کو سلام کیا، اُن لوگوں نے کہا (ھلم یا ابن رسول اللہ) فرزند رسول اللہ ہمارے ساتھ کھانا تناول فرمایئے! آپ گھوڑے سے اتر کر ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور کھانے میں شریک ہوئے، آپ نے اس موقع پر یہ آیت پڑھی: "اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ"[4] یعنی اللہ تعالےٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب ان لوگوں کی روٹی کے ٹکڑوں پر شرکت فرما چکے اور فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: بھائیو! آپ نے مجھے دعوت دی میں نے قبول کیا، اب آپ سب میری دعوت قبول کیجئے، ان لوگوں نے بھی دعوت قبول کی، اور آپ کے مکان پر آئے، جب سب آکر بیٹھے تو آپ نے فرمایا، رباب! لاؤ جو بھی بچا ہوا محفوظ رکھا ہے[5]۔

حضرت ابن عیینہ نے کہا کہ عبد اللہ بن ابی زید سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے حسین بن علیؓ کو اس وقت دیکھا جب آپ کے سر اور ریش مبارک کے بال سیاہ تھے، سوائے چند بالوں کے جو ریش مبارک کے اوپری حصہ میں سفید تھے، عمر بن عطا نے کہا:

---

[1] الطبرانی [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۵۱ بعض مؤرخین نے، جن میں امام بخاری کے استاد الحافظ الخلیفہ ابن الخیاط بھی ہیں، حضرت حسینؓ کا جنگ میں شریک ہونے والوں میں ذکر نہیں کیا ہے۔ [3] الجوہرۃ ج ۲ ص ۲۱۳ [4] سورۃ النحل ۔ ۲۳ [5] الجوہرۃ ج ۲ ص ۲۱۳-۲۱۴

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو میں نے وسمہ (ایک طرح کے خضاب) سے بال رنگتے ہوئے دیکھا ہے، ان کے سر اور ریش کے بال بالکل سیاہ تھے۔[1]

یزید بن معاویہؓ کی ولایت

حضرت معاویہؓ نے اپنے بعد حضرت حسنؓ کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا، ان کے بعض عمال نے یزید کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کی اس میں اُن کو تردد تھا، مگر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو یزید کے معاملہ میں حضرت معاویہؓ کی توقعات اور ولیعہدی کے امکانات روشن ہوگئے، پدرانہ محبت و تعلق کی بنا پر معاویہؓ سے ایسا ہونا غیر طبعی اور غیر فطری بھی نہ تھا، انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے اثنائے گفتگو کہا کہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ رعیت کو اپنے بعد بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ کی طرح چھوڑ دوں جو بارش میں بھیگ رہی ہو، اور اس کا کوئی راعی نہ ہو۔[2] یزید کی بیعت جس روز لی گئی اُن کی عمر چونتیس ۳۴ سال تھی۔[3]

حضرت معاویہؓ نے یزید کی بیعت کے لئے لوگوں کو ۴۹ھ میں بلایا، مسلمانوں نے اس کو عام طور پر ناپسند کیا، اور سخت اختلاف کا اظہار کیا، کیونکہ لوگوں کو یزید کے مشاغل، شکار و تفریح سے شغف کا علم تھا، لوگوں نے یزید سے کہا کہ وہ اس کے لئے آگے نہ بڑھیں کیونکہ اُس سے اجتناب و احتیاط اس کے لئے سعی و کوشش کرنے سے بہتر ہے۔

یزید اس عام تأثر کو معلوم کر کے اس ارادہ اور اس کے لئے سعی کرنے سے باز رہے، اور اپنے والد سے گفت و شنید کی اور دونوں اس کے ترک کرنے پر متفق ہوگئے۔[4]

جب ۵۶ھ شروع ہوا تو معاویہؓ نے یزید کے لئے بیعت لینے کا انتظام شروع کیا اور

---

[1] سیر اعلام النبلاء، از ذہبی ج ۳ ص ۲۸۱، [2] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۰، [3] ایضاً ص ۱۴۶، [4] ایضاً ص ۸۰

لوگوں کو اس امر کی دعوت دی اور تمام ممالک میں اس کی اطلاع بھیج دی، سبھوں نے تمام ممالک میں بیعت کر لی، سوائے حضرات عبد اللہ بن عمرؓ، حسین بن علیؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، اور عبد اللہ بن عباسؓ کے، حضرت معاویہؓ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آئے، جب (مکہ مکرمہ سے واپسی میں) مدینۂ طیبہ سے گزرے تو ایک تقریر کی یہ لوگ منبر کے پاس موجود تھے، لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی، اور یہ حضرات بیٹھے رہے نہ موافقت کی نہ مخالفت کی کیونکہ اس سلسلہ میں خاصا ڈرایا دھمکایا گیا تھا پس یزید کی بیعت سارے ملکوں میں تسلیم کر لی گئی، اور تمام ملکوں سے یزید کے پاس وفود آنے لگے۔[1]

یزید کا طرزِ زندگی اور اس کی اخلاقی حالت

طبرانی نے بیان کیا ہے کہ "یزید اپنی نوجوانی میں پینے پلانے والا آدمی تھا، اور نوعمروں کی راہ پر چلتا تھا"۔[2]

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ "یزید میں اچھی عادتیں بھی تھیں، سخاوت، مروّت، حسنِ فصاحت، بیانی شعر گوئی، بہادری، ملکی معاملات میں صحیح رائے دینا اور صورت شکل بھی اچھی تھی، ملنے جلنے میں خوش اخلاق تھا، اس کے ساتھ ساتھ آزادی اور تعیّش کی طرف بھی میلان تھا، بعض اوقات نمازیں چھوڑ دیتا تھا، اور اکثر اوقات بالکل غائب کر دیتا"[3] سب سے زیادہ جو بات قابلِ اعتراض اور لوگوں کی ناراضگی کا سبب تھی، وہ شراب نوشی کی شہرت غیر اخلاقی طرزِ عمل اور خلاف شرع وضع حرکات تھیں[4] اس پر الحاد و زندقہ کا الزام نہیں تھا، البتہ اس کے بعض اخلاق و اعمال فاسقانہ تھے[5] کہا گیا ہے کہ یزید کی ناچ گانے، شراب نوشی،

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ صنہ ۸ [2] ایضاً صنہ ۲۲۸ ، [3] ایضاً صنہ ۲۳، [4] ایضاً صنہ ۲۳۲ [5] ایضاً

راگ ورنگ اور شکار میں عام شہرت تھی، نابالغ لڑکے اور گانے والیاں اور کتے اپنے پاس رکھتا تھا، بینڈھے، بندر اور ریچھ کو آپس میں لڑانے اور اس کا تماشہ دیکھنے کا شوقین تھا،[1] ۲۵ھ یا ۲۶ھ یا ۲۷ھ میں پیدا ہوا، اُن کے زمانہ میں اس کے ہاتھ پر اس خیال سے بیعت کرائی گئی کہ وہ اُن کے بعد خلیفہ ہوگا اور اُن کے انتقال کے بعد رجب ۶۰ھ میں اپنی بیعت کی تجدید کرائی۔[2]

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:۔

"مجھے معلوم ہے ربِّ کعبہ کی قسم کہ عرب کب ہلاک ہوں گے، جب ان کی قیادت وہ شخص کرے گا جس نے جاہلیت کا زمانہ نہیں دیکھا اور اسلام میں بھی اس کو رسوخ اور خصوصیت حاصل نہیں ہے"۔[3]

یزید کی ولایت اور جیسا کہ اس کے طرزِ زندگی اور اخلاق کا ذکر کیا گیا، ایک ایسا واقعہ تھا جو اس عہد میں (جو خلافتِ راشدہ سے متصلاً بعد آیا) برداشت کے لائق نہیں تھا، اس وقت عظیم المرتبت صحابۂ کرام اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے تابعین زندہ تھے، ان میں ایسے حضرات بھی تھے، جو خلافت اور مسلمانوں کی سربراہی اور قیادت کے بدرجہا زیادہ مستحق تھے، اور ان مقاصد کو پورا کرنے کی بہتر صلاحیت رکھتے تھے، جو اسلام لے کر آیا تھا، اور جن پر قرآن شاہد ہے اور جو قیامِ خلافت کی غرضِ اوّلین ہیں، لہٰذا یہ قدرتی بات تھی کہ لوگوں کو بشدت اس فرق اور عدم تناسب کا احساس ہوا، اگر خاصے عرصہ کے بعد یہ شکل پیش آئی ہوتی تو اس شدت کے ساتھ اس کا احساس نہ ہوتا اور یہ نفسیاتی ردِّ عمل پیش نہ آتا،

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۳۵، [2] ایضاً ص ۲۲۶، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت معاویہؓ کا انتقال دمشق میں رجب ۶۰ھ میں ہوا، اس وقت ان کی عمر ۷۸ سال کی تھی اور بیان کیا جاتا ہے کہ ۸۰ سے متجاوز تھی، دیکھئے البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۴۳، [3] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۳۲

جیساکہ بعد کے واقعات نے (جو خلافتِ اموی وعباسی میں پیش آئے) ثابت کردیا۔

حادثۂ کربلا

اگراس دل فگار حادثہ کو چھوڑ دینے کی گنجائش ہوتی جو ہر صاحبِ ایمان اور صاحبِ ضمیر انسان کا سر شرم سے جھکا دینے اور ندامت سے اس کی پیشانی عرق آلود کردینے کے لئے کافی ہے، تو ہم اس کا سرے سے ذکر ہی نہ کرتے لیکن تاریخ جو حوادث وواقعات کے ساتھ قدم ملاکر چلتی ہے اور وہ ہر نوع اور ہر درجہ کے حوادث ہوتے ہیں (خواہ ان کا دل و دماغ پر کیسا ہی اثر ہو) اُن کا مؤرّخ و راوی اپنی خواہش، عقیدہ اور ضمیر کے علی الرغم اور دل پر پتھر رکھ کر بھی ان ناشدنی واقعات کے ذکر کرنے پر مجبور ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر تاریخ نامکمل رہتی ہے، اور حالات و واقعات کا جائزہ مکمل طور پر نہیں لیا جاسکتا، اور اُن سے صحیح نتائج نہیں نکالے جاسکتے، قلب و ضمیر، اور اُن صاحبِ غیرت وایمان قارئین سے معذرت کرتے ہوئے (جو اہلِ بیتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاندانِ نبوّت کے مقام و حقوق سے واقف ہیں) اس حادثہ کو قلم بند کیا جارہا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور انکارِ بیعت پر مُصر رہے وہ اپنے جدِّ امجد علیہ الصّلاۃ والسّلام کے شہر میں مقیم تھے لیکن حکومتِ یزید کے کارندے، اس کے عُمّال نے ان کے انکارِ بیعت کو وہ اہمیت دی جو حضرات، عبداللہ بن عمر ——— عبداللہ بن زبیر وغیرہ کے انکار کو اہمیت نہیں دی تھی، کیونکہ وہ حضرت حسینؓ کے مقام اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کا جو رشتہ اور نسبت تھی اس کی اہمیت وعظمت اور اُس کے دوررس اثرات سے واقف تھے، اور چونکہ ان کے عظیم المرتبت والد کی

تاریخ سے یہ بات مربوط تھی، اور حضرت معاویہؓ کی حکومت میں جو واقعات پیش آئے تھے، وہ بھی اُن کارندوں کے علم میں تھے، مگر اُن کی کوششوں کے باوجود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جھکنا یا نرم پڑنا قبول نہیں فرمایا انھوں نے جو موقف اختیار فرمایا تھا وہ پوری بصیرت اور عزم وارادہ کے ساتھ اختیار کیا تھا، اس سے وہ سرِ مُو منحرف نہیں ہوئے۔

حضرت حسینؓ کو اہلِ عراق کی دعوت، اور حضرت مسلم بن عقیلؓ کو اُن کے پاس بھیجنا

جب یزید اور اس کے عُمّال کی طرف سے بیعت طلب کرنے میں سختی ہوئی تو حضرت حسینؓ مکہ میں آکر پناہ گزیں ہوئے اور اُن کے پاس کثرت سے ملک عراق سے خطوط آئے، جن میں اُن کو دعوت دی گئی کہ عراق آجائیں، اہلِ عراق نے حضرت حسینؓ کو ڈیڑھ سو[۱۵] کے قریب خطوط لکھے، جن میں انھوں نے لکھا تھا کہ آپ کے ساتھ ایک لاکھ آدمی ہیں، ان خطوط میں اُن سے جلد آنے کا مطالبہ کیا گیا تھا، عراقی ہر خط میں اصرار کرتے اور ان کو بلاتے کہ وہ آکر یزید بن معاویہؓ کی جگہ بیعت لیں، اس وقت حضرت حسینؓ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل بن ابی طالب کو عراق بھیجا کہ حقیقتِ حال کا پتہ چلائیں، عراقیوں کو بھی اس سلسلہ میں ایک خط لکھا۔

حضرت مسلم کوفہ آئے کوفیوں نے ان کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کیا، اور حضرت حسینؓ کی امارت پر بیعت کی، اور قسم کھائی کہ وہ اپنے جان ومال سے مدد کریں گے، اُن کی بیعت پر بارہ ہزار اور پھر بڑھ کر اٹھارہ ہزار جمع ہوگئے تو حضرت مسلم نے حسینؓ کو لکھا کہ وہ تشریف لے آئیں، اُن کے لئے تمام معاملات اور بیعت کی راہ ہموار ہے، حضرت حسینؓ نے مکہ سے کوفہ کا قصد کیا، اور یزید نے کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو معزول کر دیا کہ اس کا موقف حسینؓ کے

بارے میں کمزور تھا، اور اس کی جگہ پر عبیداللہ ابن زیاد بن سمیّہ کو مقرر کیا اور بصرہ کے ساتھ کوفہ کی گورنری بھی ملا دی۔[1]

اہلِ کوفہ کا حضرت مسلم کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا

حضرت مسلم بن عقیل سوار ہوئے اور اپنا شعار جو "یا منصور اَمِت" تھا کا آوازہ بلند کیا، چنانچہ چار ہزار کوفی جمع ہوئے، عبیداللہ بن زیاد اپنے انصار و اعوان کے ساتھ قصر میں داخل ہوا، اور دروازے بند کر لئے، جب حضرت مسلمؓ اپنی فوج کے ساتھ قصر کے دروازہ پر پہونچے تو امرائے قبائل نے (جو عبیداللہ کے ساتھ قصر میں تھے) اپنے قبائلی قوم کے لوگوں کو (جو مسلمؓ کے ساتھ تھے) اشارہ کیا کہ مسلم کو چھوڑ کر چلے جائیں اور اُن کو دھمکیاں دیں اور ڈرایا، بعض حکّام کو عبیداللہ نے نکالا کہ کوفہ میں گشت کریں اور لوگوں کو مسلم بن عقیلؓ سے علیحدہ ہونے پر مائل کریں، لوگوں نے یہی کیا، عورتیں آکر اپنے بھائیوں اور بیٹوں سے کہنے لگیں کہ گھر چلو، اور مرد آکر اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے کہتے کہ نکل بھاگو، ورنہ کل شام کی فوج آپہونچے گی تو پھر کیا کرو گے، لوگوں نے ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑا اور تتر بتر ہو گئے، اور مسلم بن عقیلؓ سے پھر گئے، یہاں تک کہ اُن کے پاس صرف پانچسو (۵۰۰) آدمی رہ گئے، پھر اور کم ہوئے یہاں تک کہ تین سو (۳۰۰) رہ گئے، پھر اور گئے یہاں تک کہ صرف تیس (۳۰) رہ گئے، انھوں نے مغرب کی نماز پڑھائی اور کندہ کے دروازوں کی طرف بڑھے یہاں اُن کے ساتھ صرف دس آدمی تھے، پھر وہ لوگ بھی پھر گئے، اور وہ تنہا رہ گئے، یہاں تک کہ کوئی راستہ بتانے والا بھی نہیں تھا، یا جو اُن سے مؤانست کرتا، یا اپنے گھر میں پناہ دیتا، وہ جیسا سمجھ میں آیا ایک طرف

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۸ ص ۱۵۲

چل پڑے تاریکی پھیل گئی تھی، وہ تن تنہا پھر رہے تھے، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کدھر جائیں[1]۔

اہلِ کوفہ نے حضرت مسلمؓ کا جس طرح ساتھ چھوڑا، یہ حکایت بہت طویل اور دردناک ہے، اور اس میں اس بات کے واضح دلائل ہیں کہ مادّی قوت اور جاہ و منصب سے مرعوبیت اور طمع، انسان کی پرانی کمزوری ہے، خواہ اس کے مقابلہ میں اصول، قدریں اور نمونے جس قدر بھی بلند ہوں[2]۔ بہرحال انجام یہ ہوا کہ حضرت مسلم بن عقیل ایک گھر میں پناہ گزیں ہوئے، اس گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا، اور ان پر لوگ حملہ آور ہوئے، یہ بھی تلوار سونت کر کھڑے ہوئے، انھوں نے اُن کو گھر سے تین[3] مرتبہ نکالا، ادھر سے ان لوگوں نے پتھر پھینکنا شروع کئے اور پھر بانسوں کے ڈھیر میں آگ لگا دی جس سے اُن کا دم گھٹنے لگا، مجبور ہو کر وہ تلوار لے کر نکلے اور اُن سے دست بدست جنگ کی، عبدالرحمٰن نے جن کے گھر میں وہ تھے، امان دیا، انھوں نے اپنے کو اُس کے حوالہ کر دیا، مگر اس نے دشمنوں کے سپرد کر دیا، اور وہ لوگ ان کو ایک خچر پر سوار کر کے لے گئے، تلوار بھی چھین لی، اب اُن کے پاس کچھ نہیں رہ گیا تھا، اس وقت وہ رو پڑے اور انھیں یقین ہو گیا کہ وہ شہید کر دیئے جائیں گے۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۸ ص ۱۵۴-۱۵۵

[2] یہ بات پیش نظر رہے کہ عراق کی اس مسلم آبادی میں جس سے مسلمؓ اور حضرت حسینؓ کا سابقہ پڑا، بڑی تعداد جدید الاسلام لوگوں، آزاد کردہ غلاموں (موالی) اور مشرقی عرب کے قبائل کے ان افراد کی تھی جن پر پورے طور پر اسلامی رنگ نہیں چڑھا تھا، نیز طویل مدت تک مطلق العنان اور عیش پسند ساسانی سلطنت کے زیر سایہ رہنے سے عراق کی آبادی میں طاقت و دولت پرستی، ابن الوقتی اور موقعہ پرستی کی صفات قومی و انفرادی کردار کے طور پر پیدا ہو گئی تھیں، ان خصوصیات کا ظہور اس وقت پورے طور پر ہوا، جب ایک طرف عقیدہ و اصول و اخلاق تھے، دوسری طرف دولت، جاہ و منصب اور وقتی منافع۔

حضرت مسلمؓ کا پیغام حضرت حسینؓ کے نام اور لوگوں کی نصیحت و مشورہ

اسی دن یا اس سے ایک دن پہلے حضرت حسینؓ مکہ سے نکل چکے تھے حضرت مسلم نے محمد بن اشعثؓ سے کہا کہ اگر تم سے ہو سکے تو میری زبانی حسینؓ کو یہ پیغام بھیج دو کہ وہ واپس جائیں، محمد بن اشعثؓ نے حضرت حسینؓ کو کہلایا کہ واپس جائیں لیکن انھوں نے اس پیغام رساں کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا: جو بھی اللہ نے مقدر کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

حضرت مسلمؓ کو ابن زیاد کے پاس لایا گیا اور اُن کے اور ابن زیاد کے درمیان سخت باتیں ہوئیں، حضرت مسلم ابن عقیلؓ کو زیاد کے حکم سے محل کی چوٹی پر چڑھایا گیا، اور وہ تکبیر و تہلیل، تسبیح و استغفار اور اللہ کے ملائکہ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے رہے کہ اتنے میں ایک شخص جس کا نام بکیر بن عمران تھا، اس نے اُن کی گردن ماردی اور ان کا سر قصر کے نیچے پھینک دیا، پھر جسم بھی گرادیا۔[1]

حضرت مسلم بن عقیلؓ نے محمد بن الاشعث سے یہ خواہش کی تھی کہ ایک آدمی سیدنا حسینؓ کے پاس بھیج دیں جو اُن کی جانب سے یہ پیغام دے کہ اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ واپس جایئے اہلِ کوفہ کے دھوکہ میں نہ آیئے، کیونکہ یہ آپ کے والد ماجد کے وہی ساتھی ہیں جن سے وہ اپنی موت یا شہادت کے ذریعہ جدائی چاہتے تھے، اور یہ کہ اہلِ کوفہ نے آپ سے بھی دروغ بیانی کی اور مجھ سے بھی اور جھوٹے کی کوئی رائے نہیں ہوتی ہے، وہ پیغام رساں حضرت حسینؓ سے مقام زبالہ میں ملا جہاں سے کوفہ کی مسافت چار راتوں کی تھی، اس نے خبر دی پیغام پہنچایا، تو حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا، اللہ ہم کو ہمارے اقدام اور عزم کا اور حکّام کی خرابی پر صبر کا اجر عطا فرمائے۔[2]

جب لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ حضرت حسینؓ کوفہ پہونچنے پر مُصر ہیں تو اُن کو اُن کے بارے میں

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۵۶-۱۵۷ [2] ایضاً ص ۱۵۹

اندیشہ ہوا، اور اُن سے اس سے باز رہنے کی درخواست کی، بعض صاحبِ رائے اور محبت رکھنے والے اشخاص نے بھی عراق جانے سے منع کیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان سے کہا کہ اہلِ عراق دھوکہ باز لوگ ہیں، ان سے دھوکہ نہ کھایئے، اسی شہر میں رہیئے تاآں کہ اہلِ عراق اپنے دشمن کو نکال دیں، پھر وہاں جایئے، حضرت حسینؓ نے کہا: اے ابن عم! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ خیرخواہ اور شفیق عزیز ہیں لیکن اب تو میں نکلنے کا قصد کر چکا ہوں[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اگر آپ جانا ہی طے کر چکے ہیں تو بچوں اور عورتوں کو لے کر نہ جایئے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ آپ کو کہیں اسی طرح شہید نہ کیا جائے جیسے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا گیا ان کی عورتوں اور بچوں کے سامنے۔[1]

اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے بھی روکا، مگر حضرت حسینؓ نے واپس جانے سے انکار کیا، اس پر ابن عمرؓ نے گلے لگایا اور رُو دیئے اور کہا کہ میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں ایک شہید کو[2] حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی روکا تو حضرت حسینؓ نے کہا کہ میرے پاس چالیس ہزار[3] آدمیوں کی اطلاع آئی ہے کہ انھوں نے طلاق و عتاق کی قسم کھائی ہے کہ وہ میرے ساتھ ہیں[3] (طلاق کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ اگر انھوں نے غلط بیانی کی تو اُن کی بیویوں کو طلاق، اور عتاق کا مطلب یہ ہے کہ اگر قسم کی خلاف ورزی کی تو ان کے سب غلام آزاد۔)

حضرت ابوسعید الخدریؓ، جابر بن عبداللہ اور سعید بن المسیّب جیسے جلیل القدر حضرات نے بھی اُن کو روکا، لیکن وہ سفر پر مُصِر رہے[3]، راستہ میں فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی، اس سے صورتِ حال دریافت کی، اس نے کہا کہ اے فرزندِ رسولؐ ان کے (اہلِ کوفہ) دل آپ کے ساتھ ہیں، اور تلواریں آپ کے خلاف اور مدد آسمان سے آتی ہے[4]۔

لہ البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۸ صـ۱۶۰، ۲ـہ ایضاً صـ۱۶۱، ۳ـہ ایضاً صـ۱۶۲-۱۶۳، ۴ـہ ایضاً صـ۱۶۷

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کوفہ اور کربلا میں

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرف اپنے خانوادہ کے افراد اور ساٹھ لوگوں کی معیت میں جو کوفہ کے رہنے والے تھے، کوفہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھا، ان کو کچھ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہاں کیا پیش آیا؟ راستہ میں اُن کو حضرت مسلم کی شہادت جس طرح پیش آئی اس کی خبر ملی، وہ بار بار "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" پڑھتے رہے، لوگوں نے کہا کہ اب اللہ ہی آپ کا محافظ ہے، فرمایا: اُن کے بعد اب زندگی میں لذت بھی نہیں ہے، جب حاجر پر پہونچے تو فرمایا کہ ہمارے گروہ والوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے، اب لوگوں میں سے جو شخص واپس جانا چاہے جا سکتا ہے، اس پر کوئی اعتراض یا دار وگیر نہیں ہوگی، چنانچہ لوگ ان کے اردگرد سے ہٹنا شروع ہوئے، یہ وہ اعراب تھے جو دائیں بائیں سے راستہ میں آکر مل گئے تھے، اور آپ کے ساتھ وہی لوگ رہ گئے جو مکہ سے ساتھ تھے[1]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خطوط سے بھرے ہوئے دو تھیلے اٹھائے اور اُن کو کھول کر پھیلا دیا، کچھ حصے پڑھ کر سنائے حُر نے کہا ہم وہ لوگ نہیں ہیں جنھوں نے آپ کو ان خطوط میں سے کوئی خط بھی لکھا ہو، حُر وہاں سے ٹل گئے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چلنے لگے، کوفہ کے چند افراد حضرت حسینؓ کے پاس آئے، ان سے آپ نے دریافت کیا کہ تمھاری پارٹی کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس پر مجمع بن عبداللہ العامری نے کہا: سربرآوردہ قسم کے لوگ سب آپ کے خلاف جتھہ بنائے ہوئے ہیں کیونکہ ان کو بڑی بڑی رشوتیں مل چکی ہیں، اور ان کی خواہشات پوری کی گئی ہیں، وہ سب کے سب آپ کے خلاف برسرپیکار ہیں، رہے عوام تو ان کے دل

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۸ ص ۱۶۹

آپ کی جانب مائل ہیں، مگر ان کی تلواریں کل آپ ہی کے خلاف اٹھیں گی۔[1]

عبیداللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کو بھیجا تو حضرت حسینؓ نے فرمایا: عمر! تین[3] باتوں میں سے میرے لئے ایک بات مان لو، یا تو مجھے چھوڑ دو جیسے آیا ہوں واپس جاؤں، اگر اس سے انکار کرتے ہو تو مجھے یزید کے پاس لے چلو، اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دوں، وہ جو پسند کرے فیصلہ کرے اور اگر یہ بھی ناپسند ہو تو ترکوں کی طرف جانے دو تاکہ میں ان سے جہاد میں اپنی جان دوں، اس نے یہ پیغام ابن زیاد تک پہونچایا، اور اس نے چاہا کہ یزید کی طرف بھجوا دیں، مگر شمر ذی الجوشن نے کہا کہ نہیں ان کو (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو) آپ کا حکم ماننا چاہئے، یہ بات حضرت حسینؓ تک پہنچائی گئی، آپ نے فرمایا نہیں یہ نہیں کروں گا، عمر بن سعد نے آپ سے جنگ میں سستی کی، ابنِ زیاد نے شمر ذی الجوشن کو بھیجا کہ اگر عمر آگے بڑھیں تو جنگ میں شریک ہو ورنہ اس کو قتل کر دے اور اس کی جگہ لے لے، میں نے تجھ کو والی بنایا، عمر کے ساتھ تقریباً تیس[2] آدمی اہلِ کوفہ کے بڑے آدمیوں میں سے تھے، انھوں نے کہا کہ نواسۂ رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تین[3] باتیں پیش کر رہے ہیں، تم اس میں سے کچھ بھی قبول نہیں کرتے؟ یہ سب لوگ حضرت حسینؓ کی جماعت میں آگئے اور اُن کی معیت میں جنگ کی۔[2]

کربلا میں

ابن زیاد نے عمر بن سعد کو حکم دیا کہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو پانی سے روک دیا جائے۔[3]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص۱۶۳ (مختصراً) [2] ایضاً ص۱۷۰، [3] ایضاً ص۱۷۵ اور ۱۸۰، بہت سے مؤرخین کا کہنا ہے کہ حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء سے پانی نہیں روکا گیا، آگے کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء نے آزادی سے پانی استعمال کیا، اور حریف لشکر کے لئے بھی اس کی اجازت دی۔

حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی سب تلواریں حمائل کئے ہوئے تھے، حضرت حسینؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ پانی لیں اپنے گھوڑوں کو پلائیں، اور دشمنوں کے گھوڑوں کو بھی حضرت حسینؓ نے ظہر کی نماز ادا کی۔

عمر بن سعد نے شمر ذی الجوشن کو پیدل فوجوں میں رکھا اور وہ لوگ حضرت حسینؓ اور اصحابِ حسینؓ کی طرف جمعرات کے دن نویں محرم کی شام کو پہونچے، اور پیدل و سوار دونوں نے گھراؤ کر لیا، اس موقع پر حضرت حسینؓ نے اس رات اپنے اہلِ خاندان کو وصیت کی اور اپنے ساتھیوں کے سامنے تقریر کی، اور ان کو اختیار دیا کہ جہاں چاہیں چلے جائیں، اور فرمایا کہ دشمنوں کا ہدف تنہا میں ہوں، اُن کے بھائیوں، صاحبزادوں اور بھائیوں کے صاحبزادوں نے کہا، آپ کے بعد ہماری زندگی بیکار ہے، اللہ ہم کو آپ کے سلسلہ میں وہ نہ دکھائے جسے ہم پسند نہیں کرتے، حضرت عقیل بن ابی طالب کے صاحبزادوں نے کہا کہ ہماری جانیں، ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال سب آپ پر فدا، جو انجام آپ کا ہوگا وہ ہمارا ہوگا اور آپ کے بعد زندہ رہنے پر تُف ہے۔[1]

جمعہ کے دن صبح کی نماز حضرت حسینؓ نے ادا کی (بعض روایتوں میں ہے کہ سنیچر کا دن تھا) اور یہ عاشورہ کا دن تھا، آپ کے ساتھیوں میں بتیس ۳۲ سوار اور چالیس ۴۰ پیادہ تھے، حضرت حسینؓ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور قرآن کریم اپنے سامنے رکھا، اور آپ کے صاحبزادہ علیؓ بن حسینؓ (زین العابدین) جو بیمار اور کمزور تھے، وہ بھی جنگ کے لئے تیار ہوئے، حضرت حسینؓ لوگوں کو یاد دلانے لگے کہ وہ کون ہیں، کس کے نواسے اور بیٹے ہیں، اور اُن کی کیا حیثیت اور مقام ہے؟ وہ فرماتے تھے کہ لوگو! اپنے

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷

دلوں کو ٹٹولو اور اپنے ضمیر سے پوچھو، کیا مجھ جیسے شخص سے جنگ کرنا جبکہ میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں درست ہے؟[1] حرؒ بن یزید الریاحی آپ سے آکر مل گئے، اور اپنے گھوڑے پر یزیدی فوج کے سامنے آگئے اور جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

اس اثناء میں شمر کھڑا ہوا اور آگے بڑھا، اور حضرت حسینؓ کے رفقاء پر حملے کرنا شروع کیا، اور آپ کے ساتھی تنہا یا دو دو آپ کے سامنے جنگ کرتے رہے، اور آپ اُن کے لئے دعا کرتے رہے، آپ فرماتے "جزاکم اللہ احسن جزاء المتقین" وہ لوگ آپ کے سامنے جنگ کرکے ختم ہو گئے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فرزندوں اور حضرت حسینؓ کے بھائیوں میں سے بہت سے لوگ شہید ہو گئے۔

شمر ذی الجوشن نے آواز دی کہ اب (حضرت) حسینؓ کا کام تمام کرنے میں کیا انتظار ہے؟ چنانچہ آپ کی طرف زرعہ بن شریک التمیمی بڑھا اور آپ کے شانۂ مبارک پر وار کیا، پھر سنان بن انس بن عمرو النخعی نے نیزہ چلایا اور گھوڑے سے اتر کر سر مبارک تن سے جدا کر دیا، اور اس کو خولی کی طرف پھینکا، ابو مخنف کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد ان کے جسم اطہر کو دیکھا تو اس پر ۳۳ نشان نیزوں کے اور ۳۴ نشانات دوسری ضربوں کے آئے۔"[2]

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ ۷۲ آدمی شہید ہوئے اور محمد بن حنفیہ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۷۸-۱۷۹ [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۸۸ عبرت کا مقام یہ ہے کہ جس جس شخص کا حضرت حسینؓ سے صف آرا ہونے اور ان کو شہید کرنے میں حصہ تھا، وہ سب ان کے بعد کیفر کردار کو پہنچے، مختار نے (باوجود اپنی مشہور گمراہیوں اور بے راہ رویوں کے) قاتلانِ حسینؓ کا پیچھا کیا اور ان لوگوں کو جن کا اس سلسلہ میں ہاتھ رنگین تھا، سب کو موت کے گھاٹ اتارا "وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ"

ڈاکٹر جمیل عبداللہ مصری لکھتے ہیں:-

"شمر بن ذی الجوشن اپنے باپ ذی الجوشن کی طرح (میکا فیلی) قسم کی فطرت رکھتا تھا، جو اپنی مطلب براری کے لئے جو بھی وسیلہ ہو اس کو اختیار کرسکتا تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ سخت دلی اور کینہ پروری میں وہ مشہور تھا۔" (اثر اھل الکتاب فی الفتن والحروب الاھلیۃ فی القرن الاول الھجری) ص ۲۹۰

کا بیان ہے کہ آپ کے ساتھ سترہ[۱۷] افراد شہید ہوئے، وہ سب حضرت سیدہ فاطمہؓ کی اولاد سے تھے[۱]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جس روز شہید ہوئے، وہ یوم عاشورہ جمعہ کا دن محرم کا مہینہ ۶۱ھ تھا، آپ کی عمر شریف چوّن (۵۴) سال ساڑھے چھ (۶½) ماہ تھی۔

یزید کے سامنے

ہشام کا بیان ہے کہ جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک آیا ہے تو یزید بن معاویہؓ کی آنکھ ڈبڈبا گئی، اور اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے جب بھی میں تم سے کچھ نہ کہتا، اللہ ابن سُمیہ پر لعنت بھیجے، بخدا اگر میں وہاں ہوتا تو معاف کر دیتا[۲]۔

معاویہؓ بن ابی سفیان کے ایک آزاد شدہ غلام نے بیان کیا کہ جب یزید کے سامنے حضرت حسینؓ کا سر لا کر رکھا گیا تو میں نے اس کو روتے دیکھا، انھوں نے کہا کہ ابن زیاد اور حسینؓ کے درمیان کوئی رشتہ ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتا[۳]۔

یزید کے سامنے رفقائے حضرت حسینؓ میں سے جو لوگ بچے تھے، وہ لائے گئے تو پہلے اس نے بدزبانی کی پھر بہت نرمی کا معاملہ کیا، اور اپنے گھر والوں کے پاس بھیج دیا، اور اُن کو سامان سفر دے کر مدینہ عزّت کے ساتھ روانہ کر دیا، کوئی روایت اس طرح کی نہیں ہے کہ اس نے ابن زیاد کو ملامت کی ہو، یا سزا دی ہو، یا معزول کیا ہو۔

اس کے مخالف بھی کچھ روایتیں ہیں جن میں یزید کی خوشی اور مسرّت کا اظہار اور شماتت کا بیان ہے، جو کسی مسلمان کے لائق نہیں۔

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص۱۸۹ (مختصراً)   [۲] ایضاً ص۱۹۱   [۳] ایضاً ص۱۷۱

حرّہ کا واقعہ اور یزید کی موت

۶۳ھ میں حرّہ کا واقعہ پیش آیا جو اسلام کی اوّلین تاریخ کی پیشانی پر بدنما داغ ہے، یزید نے مسلم بن عقبہ کو اجازت دیدی کہ مدینہ میں تین دن تک اس کو ہر طرح کی کارروائی کرنے کی آزادی ہے۔

ابن کثیر کہتے ہیں:-

"ان تین دنوں میں مدینۂ نبوی میں وہ افسوسناک واقعات ہوئے جن کا بیان کرنا مشکل ہے، یزید کا مقصد صرف اپنی سطوت و حکومت کا استحکام اور ہر طرح کی رکاوٹ اور مخالفت کا خاتمہ کرنا تھا لیکن اللہ نے (اس کے منصوبہ و انتظامات کے برخلاف) اس کو ناکام و نامراد بنا دیا۔[1]

یزید اس کے بعد زیادہ دن زندہ نہیں رہا، وہ بادشاہت سے صرف چار سال لذت اندوز ہوا اور ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو اس دنیا سے رخصت ہوا۔[2]"

یزید کی موت پر آلِ ابی سفیان کی خلافت ختم ہوئی اور مروان بن حکم کی طرف منتقل ہوئی[3]، یہاں تک کہ اُن کے جانشین بنی عباس ہوئے۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۸ ص ۲۲۲ [2] ایضاً ص ۲۲۶

[3] معاویہ بن یزید بن معاویہ اپنے باپ کے بعد حاکم ہوا، اور ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو اس کی بیعت لی گئی، یہ شخص عبادت گزار اور صالح تھا، مگر اس کی حکومت کی مدت زیادہ طویل نہیں رہی وہ اپنی حکومت کے زمانہ میں زیادہ تر بیمار رہا، لوگوں کے سامنے نکلتا نہیں تھا، ۲۱ سال کی عمر میں فوت ہوا (کچھ لوگ زیادہ یا کم بھی بتاتے ہیں) بنو اُمیّہ نے اس کے بعد جمع ہو کر ۳ ذی قعدہ ۶۴ھ کو مروان بن حکم کے

(باقی ص۱۹۸ پر)

سیدنا حسینؓ کی شہادت اور حادثۂ کربلا پر کبار اہلِ سنّت کی رائیں اور تأثرات

ائمۂ اہلِ سنّت اور ان کے بزرگ ترین افراد ہمیشہ یزید اور یزیدی افواج کے قائدین مثلاً عبید اللہ بن زیاد، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کی حرکت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور ان سے براءت و بیزاری کا اظہار کرتے رہے ہیں، انھوں نے حضرت حسینؓ کی شہادت پر، اور اُن کے ساتھ جو اہلِ بیت شہید ہوئے اُن کی مظلومانہ شہادت پر اپنے دلی رنج و غم اور نا قدرانہ و نفرت آمیز جذبات و تأثرات کا اظہار کیا ہے، ان بیانات و تأثرات کا استیعاب و استقصاء تو مشکل ہے، یہاں چند نمونے ذکر کیے جاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادہ صالح بن احمد کہتے ہیں :-

"میں نے والد سے پوچھا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو یزید سے محبت ہے تو فرمایا: میرے بیٹے کیا کوئی شخص جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید کو پسند کر سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ والد محترم! پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ امام احمد بن حنبل نے کہا بیٹے! تم نے کب اپنے باپ کو دیکھا ہے کسی پر لعنت کرتے ہوئے؟"[1]

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک گفتگو میں جو اُن کے اور مغل امیر و قائد

(باقی صـ۱۹۷ کا) ہاتھ پر بیعت کی، مروان ۶۵ھ میں فوت ہوا اور اس کا جانشین عبد الملک بن مروان بنا، آلِ مروان میں عرصہ تک حکومت باقی رہی، یہاں تک کہ ان کے خاندان سے بنی عباس کے خاندان میں منتقل ہوگئی اور کئی صدی تک انھوں نے کر و فر کے ساتھ حکومت کی وَالْاَرْضُ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَاءُ۔

[1] فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج ۴ صـ۴۸۳ (طبع اول ۱۳۸۱ھ الریاض)

بولائی کے درمیان اس وقت ہوئی جب وہ فتنۂ کبریٰ کے بعد دمشق آیا تھا۔

امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا:۔

"جس نے بھی حسینؓ کو شہید کیا، ان کے قتل میں مدد کی یا ان سے راضی ہوا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت۔ اللہ تعالےٰ نہ اُن کے عذاب کو دور کرے گا، اور نہ اس کا عوض قبول کرے گا۔[1]

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالےٰ نے شہادت کے ذریعہ عزت بخشی اور اُن کو جن لوگوں نے شہید کیا اور اس میں مدد کی یا اس عمل پر راضی ہوئے اُن کو رسوا کیا، سیدنا حسینؓ اپنے پیش رو شہدائے اسلام کا نمونہ تھے، کیونکہ وہ اور اُن کے بھائی دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں، اور اُن دونوں کی تربیت اسلام کے عین عروج کے زمانہ میں ہوئی، اُن دونوں کو ہجرت، اللہ کے دین کی راہ میں اذیت اور اس پر صبر کا وہ حصہ نہیں ملا تھا، جو اُن کے خانوادۂ عالی کے دوسرے افراد کو مل چکا تھا، اللہ تعالےٰ نے شہادت سے سرفراز کر کے اُن دونوں کی عزت و توقیر کو یہاں تک پہونچا دیا، اُن کے درجات بلند کئے، اُن کی شہادت ایک انتہائی دردناک حادثہ ہے، اللہ سبحانہ و تعالےٰ نے مصیبت کے موقع پر "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھنے کی تعلیم فرمائی ہے:۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ	اور صبر کرنے والوں کو (خدا کی خوشنودی
اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا	کی) بشارت سنا دو، اِن لوگوں پر
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝	جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے،

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہؒ۔ ج ۴ ص ۴۸۷

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ [1] (سورۃ البقرہ۔ ۱۵۷-۱۵۵)	تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔

امام ربّانی شیخ احمد بن عبدالأحد السرہندی (جو مجدد الف ثانیؒ کے لقب سے مشہور ہیں) اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یزید سعادتِ توفیق سے محروم اور زمرۂ فسّاق میں داخل ہے اس پر لعنت بھیجنے میں تأمّل صرف اس لئے ہے کہ اہلِ سنّت کا یہ اصول ہے کہ کسی پر لعنت نہ بھیجی جائے، کوئی متعین شخص اگرچہ کافر ہو اس پر لعنت کرنے میں عجلت نہیں کرنا چاہئے، اِلّا یہ کہ قطعی طور پر معلوم ہو کہ اس کا کفر پہ خاتمہ ہوا ہو جیسے ابولہب اور اس کی بیوی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ (یعنی یزید) لعن کا سزاوار نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ [2] (سورۃ الاحزاب ۵۷)	جو لوگ خدا اور اس کے پیغمبر کو رنج پہنچاتے ہیں اُن پر خدا دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے۔

محدّث جلیل شیخ عبدالحق بخاری دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) اپنی کتاب "تکمیل الایمان" میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ۔ ج ۴ ص ۵۱۱ [2] مکتوبات امام ربّانی۔ ج ۱ مکتوب ۲۵۱

(ج ۴ مکتوبات امام ربّانی ص ۶۰، طبع مطبعۂ مجدّدی امرتسر ۱۳۲۹ھ)

"خلاصۂ کلام یہ کہ یزید ہمارے نزدیک مبغوض ترین افراد میں ہے، وہ جرائم جن کا اس شقی نے (توفیقِ خداوندی سے محرومی کی بنا پر) ارتکاب کیا ہے، وہ ایسے جرائم ہیں کہ اس اُمّت میں کسی سے سرزد نہیں ہوئے ہوں گے۔"[1]

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اپنی شہرۂ آفاق و بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں "مبحث الفتن" اور حدیث کے الفاظ "ثم ینشأ دعاۃ الضلال" (پھر گمراہی کی دعوت دینے والے اُبھریں گے) کی شرح میں لکھتے ہیں:-

"گمراہی کی دعوت دینے والا شام میں یزید اور عراق میں مختار ہے۔"[2]

لعن یزید کے جواز و عدمِ جواز کے سلسلے میں دونوں مسالک پر بحث کرنے کے بعد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے:-

"پس جوازِ لعن و عدمِ جواز کا مدار تاریخ پر ہے، اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے، کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لعن نہ فرض ہے، نہ واجب نہ سنّت نہ مستحب، محض مباح ہے، اور جو وہ محل نہیں ہے تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔"[3]

صالح نظامِ حکومت کے قیام کی کوششیں، غلط صورتِ حال کی تبدیلی کی کاوشیں اور اُن کی قیمت

خلفائے راشدین کے بعد جو خلافت قائم ہوئی وہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ

---

[1] "تکمیل الایمان" ص ۱۷۸ (مطبع فخر المطابع لکھنؤ طبع ۱۹۰۵ء)

[2] حجۃ اللہ البالغۃ۔ ج ۲ ص ۲۱۳ (طبع المکتبۃ السلفیۃ، لاہور۔ پاکستان)

[3] فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹ (مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

موروثی و خاندانی نظام پر قائم تھی، عرب اور مسلمان جس کے زیر نگیں تھے، کسی کی ہمت نہ تھی کہ خلفائے بنی اُمیہ یا خلفائے بنی عبّاس سے مقابلہ کی ہمت کرتا اور کامیابی کی ذرا بھی توقّع ہوتی، صرف وہ شخصیتیں اس بارہ میں مستثنیٰ تھیں جن کی عالی نسبی اور علوِّ خاندانی معروف و مسلّم تھا، اور اُن کو وسیع پیمانے پر مسلمانوں کی حمایت و دینی حمیّت کی قوت حاصل ہو، حقیقت میں لوہا ہی لوہے سے ٹکرا سکتا ہے، اور ہوا کا مقابلہ آندھی ہی کر سکتی ہے۔

اسی لئے دیکھا گیا کہ اُموی اور عبّاسی خلفاء کے مقابلہ میں جس نے جہاد کا عَلَم بلند کیا اور اصلاحِ حال کے لئے آواز لگائی وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانوادہ کے افرادِ گرامی، اور علوی خاندان کے گُلِ سرسبد تھے، اُن ہی لوگوں کو اس کا حقیقی غم تھا کہ زمین میں فساد پھیل رہا ہے، بگاڑ بڑھ رہا ہے، خلافت کی روح ختم ہو گئی ہے، مسلمانوں کی دولت و قوت، نفسانی خواہشات کے پورا کرنے اور عیش کوشی کے اسباب فراہم کرنے اور جاہلیت کی سنّتوں کے احیاء میں صَرف ہو رہی ہے۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ وعن آبائہ کے بعد ان کے پوتے زید بن علی بن حسین نے ہشام بن عبد الملک الاموی کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کیا ۱۲۲ھ میں وہ سولی دے کر شہید کئے گئے، حضرت امام ابو حنیفہ رح نے دس ہزار درہم اُن کی خدمت میں بھیجے اور حاضری سے معذرت کی۔[1]

پھر حضرت حسن بن علی رض کی اولاد میں محمد بن عبد اللہ بن حسن بن علی ذو النّفس الزکیّۃ (رضی اللہ عنہ وارضاہ) مدینہ منوّرہ میں اور اُن کے بھائی ابراہیم آپس میں اتفاق کر کے (منصور عباسی کے مقابلہ میں) کھڑے ہوئے، امام ابو حنیفہ رح اور امام مالک رح دونوں حضرات ذو النّفس الزکیّۃ کے طرفداروں میں تھے، اور امام ابو حنیفہ رح نے علانیہ

---

[1] مناقب ابی حنیفہ۔ ج ۱ ص ۵۵

ان کا ساتھ دیا، اور رقم بھی ان کی خدمت میں بھیجی، اور منصور کے کمانڈر حسن بن قحطبہ[1] کو ان سے جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا اور اس کو اس سے باز رکھا، اور یہی حقیقی سبب تھا، امام ابو حنیفہؒ سے منصور کی عداوت کا، جو اُن کی زندگی کے خاتمہ کا سبب ہوا۔

علامہ ابن الاثیر کی "تاریخ الکامل" میں مذکور ہے کہ امام مالکؒ (بن انس) سے محمد ذوالنفس الزکیہ کے جہاد میں ساتھ دینے یا نہ دینے کے سلسلہ میں فتویٰ مانگا گیا، اور استفتاء میں کہا گیا کہ کیا یہ جائز ہے، اس حال میں کہ ابو جعفر (منصور) کی بیعت کا قلادہ ہماری گردنوں میں ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا:-

"تم لوگوں سے زبردستی بیعت لی گئی ہے، اور مکرہ (جس سے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود کوئی کام کرایا جائے) کی قسم کا اعتبار نہیں"

اس فتویٰ کے بعد لوگ محمد ذوالنفس الزکیہ سے جا کر مل گئے اور امام مالکؒ اپنے گھر سے نہیں نکلے[2] محمد ذوالنفس الزکیہ کو ۱۴۵ھ میں رمضان کے مہینہ میں شہید کیا گیا، اور ان کے بھائی اسی سال ذوالقعدہ میں شہید ہوئے۔

یہ کوششیں ناکام رہیں، اور ان کا عملی نتیجہ نہیں نکلا، کیونکہ جن حکومتوں کے خلاف یہ اقدام کیا گیا تھا، وہ نہایت مستحکم اور منظم تھیں، ان کے پاس ہتھیار اور مکمل جنگی سامان تھا، ہم نے ماضی اور زمانۂ حال کی تاریخوں میں بکثرت ایسی کوششوں کا حال دیکھا ہے، جو باوجود اس کے کہ اخلاص، شجاعت، ایمان اور سرگرمی پر مبنی تھیں، اُن کے علم برداروں

---

[1] بعض تاریخوں میں حمید ابن قحطبہ نام آیا ہے۔ [2] الکامل لابن الاثیر ج ۵ ص ۲۵۱، یاد رہے کہ اپنے عہد کے دو جلیل القدر اماموں (جن کا شمار اہلِ سنت کے مؤقر ائمۂ اربعہ میں ہے) کی تائید وحمایت اور اعانت وتعاون بڑی اہمیت وقیمت کا حامل ہے، اور اس کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اور رہنماؤں کے اخلاص میں کوئی شک نہیں، اُن کے پیروؤں نے بھی ایثار و قربانی اور مہم جوئی میں کوئی کمی نہیں کی، یہ تحریکیں (منظّم اور مضبوط حکومتوں کے مقابلہ میں) ناکام رہیں، تاریخ میں یہ انوکھی مثال اور اس دنیا کے نظامِ تکوینی اور قانونِ فطری میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، لیکن سیاسی اور مادّی نتائج کے لحاظ سے ناکامی کے باوجود ان تحریکوں نے اسلام کی روح و مزاج کے بقا و تسلسل میں بڑا کردار انجام دیا ہے، کیونکہ ان اقدامات نے تاریخ میں اسلام کی عظمت اور اس کی حیثیت کو نمایاں کر دیا، اگر اس طرح کے واقعات عہد بہ عہد کچھ وقفوں سے پیش نہ آتے تو اسلامی تاریخ نفس پرستی، خود رائی، نفع اندوزی، مُطلق العنان سلاطین کے جَور و استبداد اور خود غرض افراد کے استحصال و موقع پرستی کی ایک مسلسل داستان ہوتی، لیکن ان سرفروش قائدین اور اُن کے صاحبِ ایمان و عزیمت متّبعین نے اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر آنے والی نسلوں کے لئے روشنی کے ایسے منارے قائم کر دیئے جن کے ذریعہ تاریخ کے دُھندلکے میں ایمان کی روشنی جگمگاتی اور بعد میں آنے والی نسلوں کو راستہ دکھاتی رہی ہے، اور اُن کو اسلام کی فروسیتِ سابقہ کی یاد دلاتی اور باطل کا مقابلہ کرنے کی ہمّت بخشتی رہی، اور اس نے اسلام کی غُربت، اور حدود و قوانینِ اسلام کے تعطّل پر خلِش کو زندہ رکھا۔

یہ ایک قابلِ صد احترام وراثت ہے جو مسلمانوں کے لئے قابلِ فخر ہے، یہ وہ بیش بہا دولت ہے جس سے نسل در نسل افراد کو رُخصت پر عزیمت، سُہولت پسندی اور۔ ع

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

کے جاہلی اصول پر۔ ع

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

کے بہادرانہ وجرأت مندانہ اسلامی اصول کو ترجیح دینے پر آمادہ کیا، یہ مجاہدانہ کارناموں کا ایک تسلسل ہے جو دل کو ایمان ویقین اور اعتماد سے معمور اور جوشِ اسلامی سے مخمور کرتا ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (سورۃ الاحزاب ۲۳)

(مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انھوں نے خدا سے کیا تھا، اُس کو سچ کر دکھایا، تو اُن میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں۔)

سیدنا امام زین العابدین علی بن حسینؓ رضی اللہ عنہما

(مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی)

نام ونسب: علی نام، ابو الحسن کنیت، زین العابدین لقب، حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرزند اصغر اور ریاضِ نبوت کے گلِ تر تھے، کربلا کے میدان میں اہلِ بیتِ نبوی کا چمن اجڑنے کے بعد یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا جس سے دنیا میں شمیم سعادت پھیلی، اور حسینؓ کا نام باقی رہا،

دادھالی شجرہ آفتاب سے زیادہ روشن اور ماہتاب سے زیادہ منور ہے، لیکن ناںھالی شجرہ بہت مختلف فیہ ہے، مشہورِ عوام یہ ہے کہ آپ ایران کے آخری تاجدار یزدگرد کے نواسہ تھے،

اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں یزدگرد کو شکست ہوئی تو اور قیدیوں کے ساتھ اس کی تین لڑکیاں بھی گرفتار ہوئیں، حضرت عمرؓ نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ انھیں بھی بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ نے اختلاف کیا کہ شاہزادیوں کے ساتھ عام لوگوں کی لڑکیوں کا سا سلوک نہ کرنا چاہئے، اور یہ تجویز پیش کی کہ ان کی قیمت لگوائی جائے، اس کی قیمت جتنی بھی لگے گی جو لے گا اسے ادا کرنا ہوگی چنانچہ قیمت لگوا کر تینوں لڑکیوں کو خرید لیا اور ایک حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت محمدؒ کو دیدی، دوسری حضرت عمرؓ کے فرزند حضرت عبد اللہؒ کو عطا فرمائی، اور تیسری اپنے صاحبزادے حضرت حسینؓ کو، ان کے بطن سے حضرت قاسم بن محمدؒ حضرت سالم بن عبد اللہ اور حضرت علی بن حسینؓ پیدا ہوئے،

قدیم مورخ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے معارف میں[1] لکھا ہے کہ زین العابدینؒ کی ماں سندھ

---

[1] معارف ابن قتیبہ صد ۹۴،

کی تھیں اور انکا نام سلافہ یا غزالہ تھا، ابن سعد نے غزالہ اختیار کیا ہی لیکن سلسلۂ نسب نہیں دیا ہی اور نہ یزدگرد کے شاہی نسب کی طرف اشارہ کیا ہے، بہرحال پہلی روایت عقل و نقل ہر اعتبار سے ناقابلِ اعتبار ہی علامہ شبلیؒ نے الفاروق میں اس پر تفصیلی تنقید کی ہی جس سے ان کی بے اعتباری واضح ہو جاتی ہی،

مگر بہرحال یہ ظاہر ہے کہ وہ کسی غیر قوم کی خاتون تھیں، مگر ان کی سعادت اس سے ظاہر ہے کہ ان کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ نبوت کا سلسلۂ نسب انہی کے واسطہ سے دنیا میں قائم و دائم رہیگا،

ولادت، حضرت زین العابدینؒ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے[1]،

واقعۂ کربلا، اپنے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بچہ تھے، اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ لائق ذکر نہیں ہے، سن رشد کو پہنچنے کے بعد کربلا کا واقعہ ہائلہ پیش آیا، اس سفر میں آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے، لیکن علالت کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے، حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شمر ذی الجوشن نے آپ کو قتل کرا دینا چاہا، لیکن خود اس کے ایک ساتھی کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، اس نے کہا سبحان اللہ ہم اس نوخیز اور بیمار نوجوان کو جس نے جنگ میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا قتل نہیں کر سکتے، عمرو بن سعد بھی پہونچ گیا، اس نے شامیوں کو روک دیا، کہ اس بیمار اور عورتوں سے کوئی شخص تعرض نہ کرے[2]،

قید، اہل بیتؓ کا ایک عقیدت مند شامی آپ پر بہت مہربان ہو گیا تھا، اس نے آپ کو چھپا لیا وہ آپ کی بڑی خدمت کرتا تھا، اس درجہ اس کو آپ کے ساتھ تعلقِ خاطر تھا کہ آپ کے پاس روتا ہوا آتا تھا، اور روتا ہوا واپس جاتا تھا، اس کے اس شریفانہ برتاؤ سے آپ بہت متاثر ہوئے، لیکن عام شامیوں کی طرح دولت کے مقابلہ میں اس کی عقیدت بھی شقاوت سے بدل گئی، ابن زیاد نے آپ کی گرفتاری کیلئے تین سو اشرفی کا انعام مقرر کیا تھا، اسکی طمع میں شامی

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۳۲۱، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷،

نے آپ کو باندھ کر ابن زیاد کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا،[۱]

ابن زیاد سے مکالمہ، | گرفتاری کے بعد دوسرے حسینی قیدیوں کے ساتھ آپ بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے، اس نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے، آپ نے فرمایا علی، نام سنکر اس نے کہا کیا خدا نے علی کو قتل نہیں کر دیا؟ آپ خاموش رہے، ابن زیاد نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے، فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام علی تھا، ان کو لوگوں نے قتل کیا، ابن زیاد بولا لوگوں نے نہیں بلکہ خدا نے قتل کیا، حضرت امامؑ خاموش رہے، ابن زیاد نے پھر پوچھا آپ نے جواب میں یہ دو آیتیں تلاوت فرمائیں،

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا	اللہ ہی نفوس کو انکی موت کے وقت وفات دیتا ہے
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا	اور کسی نفس کو بغیر خدا کے اذن کے مرنے
بِاِذْنِ اللّٰهِ ، (آل عمران - ۱۵)	کا اختیار نہیں ہے،

یہ آیت سنکر ابن زیاد نے کہا تم بھی انہی لوگوں میں ہو، اور آپ کے قتل کا حکم صادر کر دیا، یہ حکم سنکر حضرت زین العابدینؑ نے فرمایا، ان عورتوں کو کس کے سپرد کر وگے؟ آپ کی پھوپھی حضرت زینبؑ یہ ظالمانہ حکم سن کر تڑپ گئیں، اور حضرت زین العابدینؑ سے چمٹ کر ابن زیاد سے بولیں اگر تو انہیں بھی قتل کرنے پر آمادہ ہے، تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دے، لیکن حضرت امام زین العابدین پر مطلق کوئی خوف و ہراس طاری نہ ہوا آپ نے نہایت سکون و اطمینان کیساتھ فرمایا کہ اگر مجھے قتل کرنا ہے تو کم از کم کسی متقی آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کر دو جو انھیں حفاظت کے ساتھ وطن پہنچا دے، انکا یہ استقلال دیکھکر ابن زیاد ان کا منہ تکنے لگا، اور اس کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، چنانچہ اس نے

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۶،

عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے آپ کو چھوڑ دیا،[1]

شام کا سفر اور یزید سے مکالمہ | اس کے بعد ابن زیاد نے اہلِ بیت کرام رضی اللہ عنہم کو یزید کے پاس شام بھجوا دیا، شام پہنچنے کے بعد یہ حضرات یزید کے سامنے پیش کئے گئے، اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر دیکھ کر حضرت زین العابدینؒ سے کہا، علی! جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ اسکا نتیجہ ہے کہ تمہارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا، میرے حق سے غفلت کی، اور حکومت میں جھگڑا کیا، امام ممدوح نے اسکے جواب میں یہ آیت پڑھی،

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ	تمکو زمین میں اور اپنی جانوں میں جو
وَلَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مِّنْ	مصیبتیں پہنچیں، ان کو پیدا کرنے سے پہلے
قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا (حدید - ۳)	ہم نے لکھ رکھا ہے،

یزید نے اپنے لڑکے خالد سے جو پاس بیٹھا تھا کہا کہ تم اس کا جواب دو، مگر وہ نہ دے سکا، تو یزید نے خود بتایا کہ تم یہ آیت پڑھو،[2]

وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا	اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے
کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ	ہی ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے، اور
کَثِیْرٍ (شوریٰ - ۴)	اللہ تعالیٰ بہتوں سے معاف کر دیتا ہے

اس مجلس میں ایک شامی نے کہا کہ یہ قیدی ہمارے لئے حلال ہیں، حضرت علی بن حسینؒ نے فرمایا تو جھوٹ بکتا ہے، اگر تو مر بھی جائے تب بھی تیرے لئے یہ جائز نہیں، جب تک کہ تو ہمارے مذہب سے نکل نہ جائے، (یعنی اسلام پر قائم رہتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے مسلمان قیدی عورت جائز نہیں ہے) یزید نے شامی کو خاموش کر کے بٹھا دیا،[3]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۶ و ابن اثیر ج ۴ ص ۱۷، [2] طبری ج ۷ ص ۳۷۶، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷،

اہل بیت کا معائنہ کرنے کے بعد یزید نے انکو شاہی حرم سرا میں ٹھہرا دیا، یہ سب عورتیں ان کی عزیز تھیں، اس لئے تین دن تک یزید کے محل میں ماتم بپا رہا، جب تک یہ لوگ مقیم رہے یزید انکے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کرتا رہا، زین العابدین کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھلاتا تھا[1]

مدینہ کی واپسی اور یزید کے وعدے

چند دنوں کے قیام کے بعد جب اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے زین العابدین سے کہا اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو یہیں رہو، میں صلہ رحمی سے پیش آؤنگا اور تمہارا پورا حق ادا کروں گا، اور اگر واپس جانا چاہو تو واپس جا سکتے ہو، میں تمہارے ساتھ سلوک کرتا رہوں گا، زین العابدین نے واپس جانے کی خواہش کی[2]

ان کی خواہش پر یزید نے سرکاری فوج کی نگرانی میں انھیں بحفاظت واپس کر دیا، اور رخصت کرتے وقت زین العابدین سے کہا ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں ہوتا تو حسین جو کہتے اسے مان لیتا اور ان کی جان نہ جانے دیتا، خواہ اس میں میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی بہرحال اب تو قضائے الٰہی پوری ہو چکی آئندہ جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے مجھے فوراً لکھنا[3]

مدینہ کا قیام اور عزلت گزینی

اعزہ کی شہادت گھر کی بربادی اور اپنی بے کسی پر زین العابدین کا دل ایسا ٹوٹ گیا تھا کہ مدینہ آنے کے بعد انھوں نے عزلت نشینی اختیار کر لی، اور آئندہ کسی تحریک میں کوئی حصہ نہ لیا، اور ہر فتنہ انگیز تحریک سے اپنا دامن بچاتے رہے یزید نے بھی ہر موقع پر ان کا بڑا لحاظ رکھا،

ابن زبیر کا ہنگامہ اور زین العابدین کی کنارہ کشی

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ہی عبد اللہ بن زبیرؓ یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اہل حجاز نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کر لی، مکہ اور مدینہ کے

---

[1] طبری ج ۷، صفحہ ۳۸۰، [2] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۵۷، [3] طبری ج ۷ صفحہ ۳۷۹،

باشندوں نے اپنے یہاں سے اموی عمال کو نکال دیا، یزید نے حرمین کے باشندوں کی تنبیہ کے لئے مسلم بن عقبہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا، اور امیر عسکر کو ہدایت کر دی، کہ زین العابدین کو گزند نہ پہنچنے پائے، اہل مدینہ مقابلہ میں آئے لیکن نہایت فاش شکست کھائی ہزاروں آدمی مارے گئے اور یزیدی فوج کئی دن تک مدینۃ الرسول کو لوٹتی رہی، اس جنگ میں زین العابدین اور ان کے اعزہ نے کوئی حصہ نہ لیا، بلکہ مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے، مدینہ کو ویران کرنے کے بعد جب مسلم[1] عقیق گیا تو زین العابدین کو پوچھا معلوم ہوا موجود ہیں زین العابدین کو خبر ہوئی تو وہ خود اس سے ملنے کے لئے آئے اور اپنے ساتھ اپنے چچا زاد بھائیوں ابوہاشم عبد اللہ اور حسن بن محمد بن حنفیہ کو بھی لیتے آئے، مسلم بڑی عزت و تکریم کے ساتھ ان سے ملا، انھیں اپنے تخت پر بٹھا کر مزاج پرسی کے بعد کہا امیر المومنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی تھی، آپ نے فرمایا خدا ان کو اس کا صلہ دے، مسلم نے دونوں لڑکوں کے متعلق پوچھا زین العابدین نے کہا میرے چچیرے بھائی ہیں، یہ معلوم کر کے مسلم نے ان سے ملنے پر بھی مسرت ظاہر کی، اس خوش آیند ملاقات کے بعد زین العابدین واپس گئے۔[2]

مختار کا خروج اور زین العابدین کی بیعت کی طمع

ایسے زمانہ میں ایک حوصلہ مند ملحد مختار بن ابی عبید ثقفی حصول حکومت کی طمع میں محب اہل بیت کے روپ میں خون حسین کے انتقام کی دعوت لیکر اٹھا ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے، اس نے مقصد برآری کے لئے زین العابدین کے پاس ایک گراں نقد رقم نذر بھیجکر درخواست کی، کہ آپ ہمارے امام ہیں، ہم سے بیعت لیکر ہماری سرپرستی قبول فرمائیے، لیکن آپ اس کی حقیقت سے آگاہ تھے، اس لئے اس کی درخواست ٹھکرا دی، اور مسجد نبوی میں جا کر اس کے فسق و فجور اور کفر و الحاد کا پردہ فاش کر کے فرمایا کہ اس نے

---

۱ ابن سعد میں "مسرف" لیکن اور تمام تاریخوں میں مسلم نام ہے۔ ۲ اخبار الطوال ص ۲۶۳، ۲۶۴ و ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۸

محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اہل بیت کو آڑ بنایا ہے، اس کے فریب میں نہ آنا، ان سے مایوس ہو کر مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف رجوع کیا، یہ اس کے فریب میں آگئے، زین العابدین نے انھیں بھی روکا کہ اہل بیت کی محبت میں اس کا ظاہر اس کے باطن سے مختلف ہے، وہ محض محبان اہل بیت کو مائل کرنے کیلئے محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے، حقیقت میں اس کو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے، اس لئے میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہیئے، ابن حنفیہ نے ابن عباسؓ سے اس کا تذکرہ کیا، لیکن حضرت حسینؓ کی دردناک شہادت سے تمام محبان اہل بیت خصوصاً اہل ہاشم کے دل زخمی تھے اور ایسی حالت میں جذبات واقعات اور حقیقت دونوں پر غالب آجاتے ہیں، اس لئے ابن عباسؓ نے بھی مختار کی حمایت کی اور ابن حنفیہ کو زین العابدین کا کہنا ماننے سے روکا

اس کے بعد مختار اٹھا، اور بنی امیہ اور ابن زبیرؓ کے ساتھ اس کی بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، لیکن حضرت امام ان سب سے کنارہ کش رہے اور مختار کے قتل ہو جانے کے بعد بھی اس پر لعنت بھیجتے رہے، ابو جعفر کا بیان ہے کہ علی بن حسین باب کعبہ پر کھڑے ہو کر مختار پر لعنت بھیجتے تھے، ایک شخص نے کہا کہ خدا مجھے آپ پر فدا کرے آپ ایسے شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جو آپ کے خاندان کی محبت میں مارا گیا فرمایا: وہ کذاب تھا اور خدا اور رسول پر بہتان باندھتا تھا[1]

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اس عزلت نشینی اور کنارہ کشی کے باوجود ابتداء میں عبد الملک کو آپ کی جانب سے دعویٰ خلافت کا خطرہ تھا، چنانچہ اس نے آپ کو مدینہ سے شام بجبر بلوا لیا تھا، لیکن پھر امام زہری نے آپ کی جانب سے صفائی پیش کی

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲ صد ۱۲۹ و منہ ۱۳۰، ۵۲ ابن سعد ج ۵ صد ۱۵۸

کہ زین العابدین کی جانب سے آپ کی بدگمانی غلط ہے، انھیں دن رات اپنے نفس اور خدا کی عبادت سے کام ہے، وہ کسی جھگڑے میں نہ پڑیں گے، زہری کی اس سفارش پر اس نے رہا کر دیا،[1]

لیکن غالباً یہ بالکل ابتدا کا واقعہ ہے، ورنہ بعد میں دونوں کے تعلقات نہایت خوشگوار ہو گئے تھے، مروان اور عبد الملک دونوں انھیں بہت مانتے تھے، امام زہری کا بیان ہے کہ زین العابدین اپنے خاندان میں سب سے زیادہ سلامت رو اور مطیع تھے، مروان اور عبد الملک تمام اہلبیت میں ان کو سب سے زیادہ مانتے تھے،[2]

وفات | ۹۴ھ میں مدینۃ الرسول میں وفات پائی، اور جنت البقیع میں اپنے بابا حسنؓ اور حضرت عباسؓ کے روضہ میں دفن کئے گئے،[3]

فضل و کمال | آپ جس خانوادۂ علم کے چشم و چراغ تھے، وہ علوم دینی کا سرچشمہ تھا، آپ کے جد امجد علم و عمل کے مجمع البحرین تھے، اس لئے علم کی دولت گویا آپ کو ورثہ میں ملی تھی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ کربلا نے ایسا افسردہ خاطر اور دنیا کی ہر شے سے دل ایسا اچاٹ کر دیا تھا کہ علم و فن کی کتاب بھی آپ نے تہ کر دی تھی، اس لئے آپ کے علمی کمالات کا ظہور نہ ہو سکا، لیکن آپ کا علمی پایہ مسلم تھا، امام زہری کہتے تھے کہ میں نے مدینہ میں ان سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا،[4] امام نووی لکھتے ہیں کہ ہر شے میں ان کی جلالت و عظمت پر سب کا اتفاق ہے،[5]

حدیث | حدیث آپ کے گھر کی دولت تھی، اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۵، [2] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۵۹، [3] ابن خلکان ج اول صفحہ ۳۲۱، [4] تہذیب الاسماء نووی ج اول صفحہ ۳۴۳، [5] ایضاً،

ہو سکتا تھا، اگرچہ آپ کا شمار اکابر حفاظ حدیث میں نہیں ہے، تاہم آپ کی مرویات کثرت کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ مامونا کثیر الحدیث عالیا رفیعا[۱]

حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت حسینؓ، اپنے بابا حسنؓ، اپنے چچیرے دادا ابن عباسؓ، اپنی دادی عائشہؓ، ام سلمہؓ، اور صفیہؓ، اور اپنے خاندانی غلام ابو رافع (مولی رسول اللہ صلعم) ان کے لڑکے عبید اللہ، حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوانؓ اور دوسرے بزرگوں میں ابوہریرہؓ، مسور بن مخرمہ اور سعید بن مسیب سے استفادہ کیا تھا[۲]

روایت میں آپ کے والد اور دادا کا سلسلہ سلسلۃ الذہب سمجھا جاتا ہے، ابوبکر بن شیبہ کا بیان ہے کہ زہری کی وہ روایات جو علی بن حسینؓ ان کے والد اور ان کے دادا کے سلسلہ سے مروی ہیں، وہ اصح الاسانید ہیں[۳]

تلامذہ | خود آپ سے فیض اٹھانے والوں کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، آپ کے صاحبزادوں میں محمد، زید، عبد اللہ، اور عمر اور عام رواۃ میں ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن طاؤس بن کیسان، امام زہری، ابو الزناد، عاصم بن عمر بن قتادہ، عاصم بن عبید اللہ، قعقاع بن حکیم، زید بن اسلم، حکم بن عتیبہ، حبیب بن ابی ثابت، ابو الاسود محمد بن عبد الرحمٰن، مسلم البطین، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، علی بن زید بن جدعان وغیرہ لائق ذکر ہیں[۴]

فقہ | فقہ میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، امام زہری کہتے تھے کہ میں نے علی بن حسینؓ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا، آپ کے فقہی کمال کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کے مشہور

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۲، [۲] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۰۴، [۳] ایضاً ص ۳۰۵، [۴] ایضاً ص ۳۰۵۔

[۵] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ اول ص ۶۵۔

سات فقہا کے بعد آپ ہی کا نمبر تھا[۱]

حکیمانہ اقوال:- آپ کے اقوال بھی آپ کے علمی کمالات کا آئینہ اور پند و موعظت اور حکمت و حقیقت کے اسباق ہیں، ان میں سے بعض یہاں نقل کئے جاتے ہیں،

فرماتے تھے مجھے اس مغرور اور فخر کرنے والے پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا، اور کل مردار ہو جائیگا، اور اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو خدا کی ہستی میں شک کرتا ہے، حالانکہ خود اس کی پیدائش اس کے سامنے ہے، اور اس شخص پر تعجب آتا ہے جو قیامت کے دن دوسری پیدائش کا انکار کرتا ہے، جبکہ پہلی تخلیق اس کے سامنے ہے، اور اس شخص پر تعجب آتا ہے، جو ایک فانی مقام کے لئے عمل کرتا ہے، اور دار بقا کو چھوڑ دیتا ہے، احباب کا کھو دینا مسافرت ہے، خدایا میں تجھ سے اس امر سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو لوگوں کی نگاہ میں میرے ظاہر کو تو اچھا دکھا لیکن میری اندرونی حالت کو خراب کر دے، خدایا میں نے جب کوئی برائی کی تو تو نے میرے ساتھ بھلائی کی، آیندہ جب میں ایسا کروں تو تو بھی ایسا ہی کر، کچھ لوگ خوف سے خدا کی عبادت کرتے ہیں، یہ غلاموں کی عبادت ہے، کچھ (جنت کی) طمع میں عبادت کرتے ہیں یہ تاجروں کی عبادت ہے، کچھ خالص شکر الٰہی میں عبادت کرتے ہیں یہی آزادوں کی عبادت ہے[۲]

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے ... اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

آپ کے صاحبزادے محمد روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ پانچ آدمیوں کے ساتھ کبھی نہ رہنا، میں نے عرض کیا کون فرمایا، فاسق کے ساتھ وہ تمکو ایک لقمہ بلکہ اس سے بھی کم میں بیچ دیگا میں نے پوچھا اس سے کیا کم شے ہے فرمایا، ایک لقمہ کی طمع کیجائے اور وہ بھی نہ ملے

۱؎ اعلام الموقعین ج اول ص۲۲، ۲؎ مختصر صفوۃ الصفوہ ص۱۴۳ و ص۱۴۴،

میں نے پوچھا دوسرا کون، فرمایا بخیل، وہ اس چیز کو جس کی تم کو سب سے زیادہ ضرورت ہوگی تم سے علیحٰدہ کردیگا، میں نے پوچھا تیسرا کون، فرمایا کذاب، وہ سراب کی طرح قریب کو تم سے دور کردیگا، اور دور کو قریب، میں نے عرض کیا چوتھا کون، فرمایا کہ احمق کہ وہ تم کو فائدہ پہنچانا چاہے گا، مگر اُلٹے نقصان پہنچا دیگا، میں نے کہا پانچواں کون، فرمایا قاطع رحم میں نے اس کو کتاب اللہ میں تین مقام پر ملعون پایا، [۱]

فرماتے وہ شخص کس طرح تمہارا دوست ہو سکتا ہے کہ جب تم اس کی تھیلی سے اپنی ضرورت کے موافق لو تو اس کو خوشی نہ ہو، [۲]

فضائل اخلاق، اس ظلمت کدۂ عالم میں اخلاق کی روشنی آپ ہی کے گھر سے پھیلی، آپ اسی آفتاب کی کرن اور اسی نور کا پرتو تھے، اس لئے آپ کی ذاتِ گرامی فضائل اخلاق کی وہ نورانی شمع تھی جس سے دوسرے مستنیر ہوتے تھے، آپ خلقِ نبوی کی مجسم تصویر تھے، خاندان بنی ہاشم میں آپ سے افضل کوئی نہ تھا، [۳]

خشیت الٰہی، خشیت الٰہی ہی وہ تخم ہے، جس سے شجر اخلاق کی شاخیں پھوٹتی ہیں، آپ کا دل خشیت الٰہی سے لبریز رہتا تھا، اور اکثر وہ اس خوف سے بے ہوش ہو جاتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ علی بن حسین حج کو گئے، احرام باندھنے کے بعد جب سواری پر بیٹھے تو مارے خوف کے ان کا رنگ زرد پڑ گیا اور ایسا لرزہ طاری ہوا کہ زبان سے لبیک تک نہ نکل سکا، لوگوں نے کہا آپ لبیک کیوں نہیں کہتے، فرمایا ڈر معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں لبیک کہوں اور ادھر سے جواب ملے "لا لبیک" تیری حاضری قبول نہیں، لوگوں نے کہا مگر لبیک کہنا تو ضروری ہے، لوگوں کے اصرار سے کہا، مگر جیسے ہی زبان سے لبیک نکلا

---

[۱] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۵، [۲] ایضاً، [۳] تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۴۳،

بیہوش ہوکر سواری سے گر پڑے، اور حج ہونے تک یہی کیفیت طاری رہی[1]، جب زور سے ہوا چلتی تھی اور آندھی آتی تھی تو عذاب الٰہی کے خوف سے بیہوش ہو جاتے تھے[2]

عبادت و ریاضت آپ کی رگوں میں ان بزرگوں کا خون صالح تھا، جنکی عبادت زیر شمشیر جفا بھی نہ چھوٹی، اس کا یہ اثر تھا کہ ان کی ذات زہد و عبادت کا مجسم پیکر تھی، سعید بن مسیب جو خود بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے فرماتے تھے کہ علی بن حسین سے زیادہ ورع میری نظر سے نہیں گذرا، عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی، آپ کے اوقات کا بیشتر حصہ عبادت میں گذرتا تھا، شبانہ یوم میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے، اور مرتے دم تک اس معمول میں فرق نہ آیا، اس عبادت کی وجہ سے زین العابدین لقب ہو گیا تھا[3]، قیام لیل سفر و حضر کسی حالت میں ناغہ نہ ہوتا تھا[4]،

اخلاص فی العبادت اور خشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ حضوری کے وقت سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا، عبداللہ بن سلمان کا بیان ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا لوگوں نے پوچھا آپ کو یہ کیا ہو جاتا ہے، فرمایا تم لوگ کیا جانو میں کس کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے سرگوشی کرتا ہوں[5]،

محویت کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں کچھ بھی ہو جائے آپ کو خبر نہ ہوتی تھی، ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ کہیں پاس ہی آگ لگی، لوگوں نے آپ کو بھی پکارا، یا ابن رسول اللہ آگ لگی، یا ابن رسول اللہ آگ لگی، لیکن آپ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا تا آنکہ آگ بجھ بھی گئی، لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو آگ کی جانب سے اس قدر بے پرواہ کس چیز نے کر دیا تھا، فرمایا

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷، صفحہ ۳۰۶، [2] مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۴، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۷۵،

[4] مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۴، [5] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۶۰،

دوسری آگ (آتش دوزخ) سے[۱]

روزانہ کا معمول تھا کہ آپ اور سلیمان بن یسار مسجد نبوی میں قبر نبوی اور منبر نبوی کے درمیان دن چڑھے تک مذاکرۂ حدیث اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، اٹھتے وقت عبد اللہ بن ابی سلمہ قرآن کی ایک سورہ سناتے تھے قرآن سننے کے بعد دعا کرتے تھے[۲]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: آپ کے جد امجد دنیا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے بھیجے گئے تھے، اس لئے آپ نے اس کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھا، اس سے غفلت کو کتاب اللہ سے غفلت شمار کرتے تھے، فرماتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والے کی طرح ہے، بشرطیکہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے اسے نہ چھوڑے، لوگوں نے بچاؤ کا مطلب پوچھا، فرمایا جب کسی ظالم اور سرکش کی زیادتی کا خوف ہو[۳]

انفاق فی سبیل اللہ: انفاق فی سبیل اللہ، فیاضی اور دریا دلی آپ کا خاص وصف تھا آپ خدا کی راہ میں بے دریغ دولت لٹاتے تھے، فقراء اور اہل حاجت کی دستگیری کے لئے ہمیشہ آپ کا دست کرم دراز رہتا تھا، مدینہ کے معلوم نہیں کتنے غریب گھرانے آپ کی ذات سے پرورش پاتے تھے، اور کسی کو خبر تک نہ ہونے پائی، آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ خفیہ مستقل سو گھرانوں کی کفالت کرتے تھے[۴]

لوگوں سے چھپانے کے لئے بہ نفس نفیس خود راتوں کو جا کر ان کے گھروں پر صدقات پہنچا آتے تھے، مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کی معاش کا کوئی ظاہری وسیلہ نہ معلوم ہوتا تھا، آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ آپ رات کی تاریکی میں خود جا کر

۱؎ مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۳، ۲؎ ابن سعد ج ۵ ص ۱۲۲، ۳؎ ایضاً ص ۱۲۲، ۴؎ تہذیب الاسماء، ج اول ص ۳۴۴۔

ان کے گھروں پر دے آتے تھے،[۱]

غلہ کے بڑے بڑے بورے اپنی پیٹھ پر لاد کر غریبوں کے گھر پہنچاتے تھے، وفات کے بعد جب غسل دیا جانے لگا تو جسم مبارک پر نیل کے داغ نظر آئے، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ آٹے کی بوریوں کے بوجھ کے داغ ہیں، جنھیں آپ راتوں کو لاد کر غربا کے گھر پہنچاتے تھے[۲] آپ کی وفات کے بعد اہل مدینہ کہتے تھے کہ خفیہ خیرات زین العابدین کے دم سے تھی، سائلین کا بڑا احترام کرتے تھے، جب کوئی سائل آتا تو میرے توشہ کو آخرت کی طرف لیجانے والے مرحبا کہکر اس کا استقبال کرتے،[۳] سائل کو خود اٹھ کر دیتے تھے، اور فرماتے تھے، صدقات سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتے ہیں،[۴]

عمر میں دو مرتبہ اپنا کل مال و متاع آدھا آدھا خدا کی راہ میں دیدیا،[۵] پچاس پچاس دینار کی قیمت کا لباس صرف ایک موسم میں پہنکر فروخت کرتے اور اس کی قیمت خیرات کر دیتے تھے،[۶]

اکل حلال | اکل حلال کا آپ کو اس درجہ اہتمام تھا کہ اگر آپ چاہتے تو اپنے بزرگوں کے نام پر بڑی دولت کما سکتے تھے، لیکن آپ نے رسول اللہ صلعم کی نسبت یا نام سے ایک درہم کا بھی فائدہ نہیں اٹھایا،[۷]

حلم و بردباری | تحمل اور بردباری میں اپنے بابا حضرت حسنؓ کے مشابہ تھے، آپ تحمل کی ایسی چٹان تھے کہ زبان کے تیز سے تیز نشتر اس پر اثر نہ کرتے تھے، ناگوار سے ناگوار تلخ سے تلخ باتیں سنکر پی جاتے تھے، کوئی جواب نہ دیتے، آپ کے تحمل کا یہ اثر ہوتا

---

[۱] مختصر صفوۃ الصفوۃ صفحہ ۱۳۲، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً، [۴] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۶۰، [۵] ایضاً صفحہ ۱۶۲

[۶] ایضاً صفحہ ۱۶۱، [۷] تہذیب التہذیب ج ۷، صفحہ ۳۰۵

تھا کہ جب مسجد سے اٹھ کر آنے لگتے تو گالی دینے والے روتے ہوئے آپ کے ساتھ ہو جاتے اور کہتے، اب آئندہ آپ کبھی زبان سے ایسا کلمہ نہ سنیں گے جو آپ کو برا معلوم ہو[1]۔

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ کہنے والے کے جانب متوجہ ہی نہ ہوتے، گویا آپ کو کہہ ہی نہیں رہا ہے، بعض گستاخ ایسے جری اور بے باک تھے کہ آپ کو جتاتے کہ میں تم ہی کو کہہ رہا ہوں، یہ سننے کے بعد بھی آپ جواب دیتے میں چشم پوشی کرتا ہوں[2]،

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو کچھ ناملائم الفاظ کہے، آپ سنی ان سنی بنا گئے، اس شخص نے کہا میں تم کو کہہ رہا ہوں، آپ نے کہا میں چشم پوشی کرتا ہوں، اگر کبھی جواب بھی دیتے تو ایسا کہ کہنے والا خود منفعل ہو جاتا، ایک مرتبہ آپ مسجد سے نکلے، راستہ میں ایک شخص ملا اور آپ پر گالیاں برسانی شروع کر دیں، آپ کے غلام اور خدام اس کی طرف لپکے، آپ نے روک دیا اور اس شخص سے فرمایا کہ میرے جو حالات تم سے مخفی ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں، تمہاری کوئی ایسی ضرورت ہے، جس میں میں تمہاری امداد کر سکتا ہوں، یہ جواب سن کر وہ شخص سخت شرمندہ ہوا، آپ نے اپنا کرتہ اتار کر اسے دیدیا اور ایک ہزار درہم سے زیادہ نقد عطا فرمائے، اس شخص پر آپ کے اس حسن انتقام کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ صلعم کی اولاد سے ہیں[3]"

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ فلاں شخص آپ کو برا بھلا کہتا ہے، آپ اس خبر دینے والے کو لیکر اس شخص کے پاس پہنچے، خبر دینے والا یہ سمجھتا تھا کہ آپ نے اس کو مدد کے لئے اپنے ساتھ لیا ہے، وہاں پہنچکر آپ نے اس شخص سے فرمایا تم نے جو کچھ میرے بارہ میں کہا ہے، اگر وہ صحیح ہے، تو خدا میری مغفرت فرمائے، اور اگر جھوٹ ہے، تو خدا

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۵، [2] ایضاً صفحہ ، [3] ایضاً،

تمہاری مغفرت فرمائے۔[۱]

عفو و درگذر آپ اپنے انتہائی کینہ پرور دشمنوں سے بھی جن سے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، موقع ملنے کے بعد انتقام نہ لیتے تھے ہشام بن اسمٰعیل والی مدینہ آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو سخت اذیت پہنچاتا تھا اور برسر منبر اس کو بیان کرتا تھا، اور حضرت علیؓ پر علانیہ سبّ و شتم کرتا تھا، ولید بن عبد الملک نے جو شاید اس سے کسی بات پر کچھ برہم تھا، اپنے زمانہ میں اسے معزول کر دیا، اور حکم دیا کہ لوگوں کے مجمع میں کھڑا کیا جائے کہ لوگ اس سے اپنا اپنا بدلہ لیں، ہشام کا بیان ہے کہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ علی بن حسین کی جانب سے تھا کہ وہ ایک بااثر آدمی تھے، لیکن انھوں نے اپنے لڑکوں اور حامیوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص ہشام سے تعرض نہ کرے، آپ کے صاحبزادے عبد اللہ نے عرض کیا، کیوں، خدا کی قسم اس نے ہمارے ساتھ بہت برائیاں کی ہیں، ہمکو تو ایسے وقت کا انتظار ہی تھا، فرمایا ہم اس کو خدا کے سپرد کرتے ہیں آپ کے اس ارشاد کے بعد ان میں سے کسی نے اس کے متعلق ایک لفظ منہ سے نہ نکالا، ہشام پر اسکا اتنا اثر ہوا کہ اسکو زین العابدین کے فضل کا اعتراف کرنا پڑا۔[۲]

نرمی و ملاطفت آپ فطرۃً بڑے نرم خو تھے درشتی اور سختی کا آپ میں نام تک نہ تھا جانور تک کو مارتے اور جھڑکتے نہ تھے، ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ علی سواری پر مکہ جاتے تھے اور واپس آتے تھے اور اس طویل سفر میں کبھی اپنی سواری کو نہ مارتے تھے۔[۳]

محبوبیت و جلالت اس تحمل اس عفو و درگذر اور اس نرمی اور ملاطفت کی وجہ سے آپ کی محبت و عظمت لوگوں کے دلوں میں اتنی جاگزیں تھی کہ جدھر نکل جاتے تھے آپ کو راستہ دینے کے لئے ہجوم چھٹ جاتا تھا، اس سلسلہ میں آپ اور ہشام بن عبد الملک کا ایک واقعہ لائق

---

[۱] مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۷، [۲] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۶۳، [۳] ایضاً صفحہ ۱۶۰،

ذکر ہے، ہشام بن عبدالملک ایک دفعہ اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں عمائد شام کیساتھ حج کو گیا، طواف کرنے کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھا لیکن ہجوم اتنا تھا کہ انتہائی کوشش کے باوجود نہ پہنچ سکا مجبور ہو کر رُک گیا، اور ازدحام کا تماشہ دیکھنے کے لئے پاس ہی اس کے لئے ایک کرسی بچھا دی گئی، ابھی وہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں امام زین العابدین آئے اور طواف کرکے حجر اسود کی طرف بڑھے، انھیں دیکھ کر خود بخود بھیڑ چھٹ گئی، اور انھوں نے آسانی کے ساتھ حجر اسود کا بوسہ دیا، یہ منظر دیکھ کر ایک شامی نے ہشام سے پوچھا یہ کون شخص ہے، جس کی لوگوں کے دلوں میں اتنی ہیبت ہے، ہشام آپ کو خود پہچانتا تھا، لیکن محض شامیوں کے دلوں میں زین العابدین کی عظمت نہ قائم ہونے اور ان کی توجہ کو ان کی طرف سے ہٹانے کے لئے کہا میں نہیں پہچانتا، فرزدق شاعر بھی موجود تھا، یہ تجاہل عارفانہ سنکر اس کی شراب عقیدت جوش میں آگئی، اس نے کہا میں ان کو جانتا ہوں شامی نے پوچھا کون ہیں فرزدق نے اسی وقت زین العابدین کی شان میں ایک پرزور مدحیہ قصیدہ پڑھا جس کے بعض اشعار یہ ہیں[۱]۔

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته — والبیت یعرفه والحل والحرم

هذا ابن خیر عباد الله کلهم — هذا التقی النقی الطاهر العلم

اذا رأته قریش قال قائلها — الی مکارم هذا ینتهی الکرم

ولیس قولك من هذا بضائره — العرب تعرف من انکرت والعجم

ما قال لا قط الا فی تشهده — لولا التشهد کانت لاءه نعم

یکاد یمسکه عرفان راحته — رکن الحطیم اذا ما جاء یستلم

---

[۱] یہ واقعہ نہایت مشہور ہے اور بہت سی تاریخوں میں ہے۔

مقدم بعد ذکر اللہ ذکرھم | فی کل امر و مختوم بہ الکلم
یغضی حیاء و یغضی من مہابتہ | ولا یکلم الا حین یبتسم
ھذا ابن فاطمۃ ان کنت جاہلہ | بجدہ انبیاء اللہ قد ختموا

یہ قصیدہ سن کر ہشام فرزدق سے بگڑ گیا، اور اس کو قید کر دیا، امام زین العابدین نے اس کے صلہ میں فرزدق کو بارہ ہزار درہم[۱] عطا فرمائے، اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے خدا اور رسول کی خوشنودی کی لئے مدح کی تھی، انعام کی طمع میں نہیں، امام زین العابدین نے اس پیام کے ساتھ پھر اس کے پاس بھجوا دیا کہ ہم اہل بیت جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے، خدا تمھاری نیت سے واقف ہے، وہ اس کا اجر علیحدہ دیگا، خدا تمھاری سعی مشکور فرمائے، اس پیام کے بعد تعمیل ارشاد میں فرزدق نے روپیہ لے لیا[۱]،

غرور سے نفرت، آپ جس خانوادہ کے رکن رکین اور جس رتبہ کے بزرگ تھے اس کے لحاظ سے آپ میں عُجب وغرور کا پیدا ہو جانا تعجب انگیز نہ تھا، لیکن آپ میں اس کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ اس کے برعکس بڑے متواضع اور منکسر تھے، غرور سے سخت نفرت کرتے تھے، فرماتے تھے مجھے اس متکبر اور مغرور انسان پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا اور کل پھر مردار ہو جائیگا[۲]، آپ کی چال ایسی متواضعانہ تھی کہ چلنے میں دونوں ہاتھ رانوں سے آگے نہ بڑھنے پاتے تھے[۳]،

مساوات، غرور نسب کو عملاً مٹانے اور مساوات کی عملی مثال قائم کرنے کے لئے اپنی ایک لڑکی کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی تھی، اور ایک لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ خود عقد کر لیا تھا، عبد الملک کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے خط لکھ کر اس فعل پر ملامت کی، آپ نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ صلعم کی ذات تمھارے لئے نمونہ ہے، آپ نے صفیہ بنت

---

[۱] مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۶، [۲] ایضاً صفحہ ۱۳۳، [۳] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۰،

ئی کو (جو لونڈی تھیں) آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا تھا، اور اپنے غلام زید بن حارثہ رضہ کو آزاد کر کے ان سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی کر دی تھی۔[1]

محبت اہل بیت میں اعتدال کی ہدایت، عموماً مدعیان محبت اہل بیت شدت غلو میں اہل بیت کرام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں، امام زین العابدین اس قسم کی گمراہ کن اور غیر معتدل محبت کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور انہیں ایسی محبت سے روکتے تھے، فرماتے تھے کہ "تم لوگ ہمارے ساتھ اسلام کی بتائی ہوئی حد تک محبت کرو، خدا کی قسم تم لوگ ہمارے متعلق یہاں تک کہتے رہے، کہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں ہمکو مبغوض بنا دیا"[2] کبھی فرماتے "ہمارے ساتھ خدا کے لئے اسلام کی بتائی محبت کیا کرو تمہارے محبت تو ہمارے لئے عار بن گئی ہے"[3]

خلفائے ثلثہ کے ساتھ حسن عقیدت، اپنے حق پرست اسلاف کی طرح خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ امام زین العابدین بھی سچی عقیدت رکھتے تھے، ان کی برائی سننا پسند نہ فرماتے تھے اور برائی کرنے والوں کو اپنے یہاں سے نکال دیتے تھے، ایک مرتبہ چند عراقی آپ کے پاس آئے اور شاید اس غلط فہمی میں کہ آپ بھی ان کے گمراہ کن خیالات میں ان کی ہمنوا ہوں گے، آپ کے سامنے خلفائے ثلثہ کے متعلق کچھ نازیبا باتیں کہیں آپ نے کلام اللہ کی ان آیات کی طرف

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم و اموالهم يبتغون فضلا من الله و رضوانا و ينصرون الله و رسوله اولئك هم الصادقون	[illegible]	مال غنیمت میں ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنے مال سے محروم کئے گئے، اور وہ خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں اور اللہ اور اسکے رسول

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۶، [2] ایضاً ص ۱۵۶، [3] ایضاً۔

جس میں مہاجرین کے فضائل بیان کیے گئے ہیں اشارہ فرما کر پوچھا تم کہہ سکتے ہو کہ تم ان مہاجرین اولین میں سے ہو، جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اور اپنی جائداد اور دولت سے محروم کیے گئے، اور خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں، اور اس کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں،

عراقیوں نے کہا نہیں، پھر آپ نے اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے کی طرف

والذین تبوؤ الدار والایمان	اور ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان کے (مہاجرین)
من قبلهم یحبون من هاجر	پہلے سے مدینہ میں رہتے ہیں، اور اسلام میں داخل
الیهم ولا یجدون فی صدورهم	ہو چکے ہیں اور جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا
حاجة مما اوتوا ویؤثرون علی	ہے اس سے محبت کرتے ہیں، اور (مال غنیمت)
انفسهم ولو کان بهم خصاصة	جو مہاجرین کو دیا جاتا ہے اپنے دل میں اس کی
ومن یوق شح نفسه فاولئك	خواہش نہیں پاتے۔ ور خواہ ان پر تنگی کیوں
هم المفلحون	نہ ہو (مہاجرین کو) اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں جو
(حشر - ۱)	اپنے نفس کو بخل سے بچائیگا وہی لوگ فلاح پائینگے

جو انصار کے فضائل میں ہے اشارہ کرکے پوچھا کہ کیا تم ان لوگوں میں ہو جو ان لوگوں (مہاجرین) کی ہجرت کے پہلے سے (مدینہ میں) گھر رکھتے ہیں، اور ایمان لاچکے ہیں اور جو ان کے یہاں ہجرت کر کے جاتا ہے، اس سے محبت کرتے ہیں،

عراقیوں نے کہا ان میں سے بھی نہیں ہیں، فرمایا تم کو خود اعتراف ہے کہ تم دونوں جماعتوں میں سے نہیں ہو، اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم اس جماعت میں بھی نہیں ہو جن کے متعلق خدا فرماتا ہے،

والذین جاءو من بعدھم		اور وہ لوگ جو ان کے (مہاجرین) بعد
یقولون ربنا اغفر لنا و		آئے اور کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہماری اور
لاخواننا الذین سبقونا بالایمان	(حشر - ۱۰)	ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان
ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین		لا چکے مغفرت فرما، اور ہمارے دلوں میں ان
آمنوا ربنا انک رءوف رحیم،		لوگوں کے لئے جو ایمان لائے کینہ نہ رکھ آگے

جب تم ان تینوں اسلامی جماعتوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہو تو خدا تم کو غارت کرے میرے یہاں سے نکل جاؤ[1] حضرت عثمانؓ کے متعلق ارشاد فرماتے تھے، کہ خدا کی قسم وہ ناحق شہید کئے گئے،[2]

حلیہ صورۃً نہایت حسین و جمیل تھے، بدن سے خوشبو پھوٹتی تھی[3] شانوں تک زلفیں تھیں، مانگ نکلی رہتی تھی[4] خضاب کبھی سیاہ اور کبھی سرخ دونوں استعمال کرتے تھے،

لباس، نہایت خوش لباس تھے، خز کا جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے، جبہ اور اسی کی چادر استعمال کرتے تھے، ایک ایک چادر کی قیمت پچاس پچاس اشرفی تک ہوتی تھی، اور محض ایک موسم پہن کر اسکو بیچ کر قیمت خیرات کر دیتے تھے، سردیوں میں لومڑیوں کا سمور استعمال کرتے تھے، رنگوں میں سپید سرخ، زرد اور سیاہ ہر قسم کا رنگ استعمال کرتے تھے گول سر کی جوتی پہنتے تھے،[5]

نفاست مزاج میں بڑی لطافت و نفاست تھی، گندگی کو مطلق برداشت نہ کر سکتے تھے بہت سی چیزوں کو محض دوسروں کی خاطر انگیز کرتے تھے، ابو جعفر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ علی بن حسین بیت الخلا گئے میں ہاتھ دھونے کے لئے پانی لئے ہوئے دروازہ پر کھڑا تھا، بیت الخلا

---

۱ صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۲، ۲ ابن سعد ج ۵ ص ۱۴، ۳ ایضاً ص ۱۶، ۴ ایضاً،

سے نکلنے کے بعد فرمایا، میں نے بیت الخلا میں ایسی شے دیکھی جس نے مجھے تنگ میں ڈال دیا' میں نے پوچھا وہ کیا، فرمایا میں نے دیکھا کہ مکھیاں غلاظت پر بیٹھتی ہیں، پھر اڑ کر آدمی کی جلد پر بیٹھتی ہیں، اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ بیت الخلاء جانے کے لئے ایک خاص لباس بنواؤں، پھر سوچ کر فرمایا، کہ جس چیز کی لوگوں کو استطاعت نہ ہو اسے مجھے بھی نہ کرنا چاہیئے،[۱]

الامام

زید بن علی رضی اللہ عنہ

تالیف

الشیخ الشریف صالح احمد الخطیب
فاضل جامعہ ام القری مکۃ المکرمہ

تلخیص و ترجمہ

مولانا مختار احمد ندوی
استاذ عربی مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

مزید اختصار

سید نفیس الحسینی

پرورش و پرداخت

نام و نسب:-

زیدؓ آپ کا نام اور کنیت ابو الحسینؒ تھی(۱) نسب اس طرح ہے زید بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم (۲) باپ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا علی ابن ابی طالبؓ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ ﷺ پر منتہی ہوتا ہے آپ کی والدہ سندیہ ام ولد تھیں(۳) نام حیدا یا حیدان تھا کتاب الافادۃ فی تاریخ الائمۃ السادۃ کے مصنف نے حیدا لکھا ہے(۴) اور ابن قتیبہ نے حیدان (۵) ابو الفرج الاصفہانی نے مقاتل الطالبین میں لکھا ہے کہ مختار بن ابی عبید الثقفی نے انہیں خرید کر حضرت علی بن الحسینؒ کو ھدیہ کر دیا تھا(۶) جب کہ صاحب کتاب الافادۃ کی تحریر کے مطابق حضرت علی بن الحسینؒ نے خود انہیں خریدا تھا(۷)

(۱) تہذیب التہذیب لابن حجر المتوفی ۸۵۶-۴۱۹ھ- المعارف لابن قتیبۃ ۳۶۵

(۲) تہذیب التہذیب لابن حجر المتوفی ۸۵۶-۳/۴۱۹ البدایہ والنہایۃ لابن کثیر ۳۲۹/۹

(۳) الافادۃ فی تاریخ الائمۃ السادۃ المخطوط- یحییٰ بن علی و تہذیب تاریخ ابن عساکر لابن بدران ۱۶/۶ مقاتل الطالبین-۱۲۷

(۴) الافادۃ فی تاریخ الائمۃ السادۃ المخطوط

(۵) المعارف لابن قتیبہ ۳۶۵- التاریخ الکبیر للبخاری ۳/۴۰۳ الروض الکبیر لاحمد السیاغی ۹۷/۱

(۶) مقاتل الطالبین ۱۲۴- (۷) الافادۃ فی تاریخ الائمۃ السادۃ المخطوط-

ولادت:-

آپ کے سن ولادت میں اختلاف ہے ابن عساکر نے ۷۸ھ(۱) کتاب الافادۃ کے مصنف نے ۷۵ھ(۲) آپ کا سن ولادت لکھا ہے "تاریخ الفکر الاسلامی فی الیمن" کے مصنف بھی آخر الذکر قول کی موافقت میں ہیں(۳) لیکن راجح قول ابن عساکر کا ہے اس لئے کہ صاحب فوات الوفیات کا کہنا ہے کہ آپ نے ۴۴(۴) سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ اور اکثر مورخین نے آپ کا سن وفات ۱۲۲ھ لکھا ہے(۵) اگر صاحب افادۃ کے قول کو ترجیح دی جائے تو ماننا پڑے گا آپ نے ۴۶۔ یا ۴۷ سال کی عمر میں رحلت فرمائی جبکہ کسی بھی مصنف نے آپ کی عمر ۴۶۔ یا ۴۷ سال نہیں لکھی ہے شیخ ابوزھرہ کا کہنا ہے کہ ۴۶ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ وہ آپ کا سن ولادت ۸۰ ھجری بتاتے ہیں(۶) لیکن کوئی حوالہ انہوں نے ذکر نہیں کیا ہم شیخ ابوزھرہ کے قول کی تائید اس لئے نہیں کر سکتے کہ کسی بھی مصنف نے آپ کا سن ولادت ۸۰ ھجری نہیں لکھا ہے۔

(۱) تہذیب تاریخ ابن عساکر لابن بدران ۶/۱۶

(۲) الافادۃ فی تاریخ الائمۃ السادۃ للسید یحیی بن علی

(۳) تاریخ الفکر الاسلامی فی الیمن (احمد شرف الدین ۱۱)

(۴) تاریخ الیعقوبی ۲/۳۲۶۔ الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ۵/۲۲۹ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۹/۳۲۹ تاریخ ابی الفداء ۱/۲۰۴

(۵) فوات الوفیات محمد شاکر الکتبی ۲/۳۷۔

(۶) زید بن علی لابی زھرہ ۲۲۔

خاندان اور نشوؤنما

امام زید بن علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں جو کہ صحابہ وتابعین کے وجود مسعود سے منارۂ علم و عرفاں تھا(۱) آنکھیں کھولیں اور وہیں پروان چڑھے خوش قسمتی سے گھرانا بھی ایسا ملا جو میراث نبوّت کا پاسباں تھا آپ کے والد حضرت علی زین العابدین کا دین و علم کے اعتبار سے کبار تابعین و سادات میں شمار تھا(۲) بڑے زاھد تھے فقراء و مساکین پر خوب خرچ کیا کرتے تھے بعض خاندان پر آپ انتہائی رازدارانہ طور پر خرچ کیا کرتے آپ کا جب انتقال ہوا تو یہ خاندان نفقہ سے محروم ہو گئے اور ان کا کوئی معین و مددگار نہ رہا(۳) فرمایا کرتے تھے "نفقة السر تطفی غضب الرب" "سرّی انفاق رب العلمین کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے" آپ کے انفاق فی سبیل اللہ کا حال یہ تھا کہ زادراہ تک اللہ کے راستہ میں دیدیتے سیدہ سکینہ بنت الحسین رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں کچھ پیش کیا کہ حج یا عمرہ میں آپ زادراہ کے طور پر استعمال کریں آپ نے اسے بھی اللہ کے راستہ میں دے دیا(۴) ضرورت مند لوگوں کی دلداری کرتے اور انہیں واپس نہ کرتے حضرت محمد بن اسامہ کے مرض وفات میں آپ ان کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے محمد بن اسامہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں سبب دریافت کرنے پر محمد بن اسامہؓ نے جواب دیا میرے ذمہ کچھ قرض ہے اس کی ادائیگی کی فکر ہے آپ نے فرمایا کتنا ہے جواب دیا۔

(۱) الروض النضیر لاحمد السیاغی ۱/۷۹۔ (۲) منهاج السنة النبوية لابن تيمية ۲/۱۲۳

(۳) تهذيب التهذيب لابن حجر ۷/۳۰۶ صفة الصفوة ۲/۹۶ حلية الاولياء لابي نعيم ۳/۱۳۶

(۴) صفة الصفوة ۲/۹۶

۱۵ ہزار دینار، فرمایا یہ قرض میں اپنے ذمہ لیتا ہوں (۱) آپ اعلیٰ درجہ کے متقی و پرہیز گار تھے کثرت عبادت کی بنیاد پر زین العابدین (۲) اور کثرت سجود کے باعث سجاد آپ کا لقب پڑ گیا (۳) خشیت الہیٰ کا یہ حال تھا کہ بوقت وضو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا لوگ سبب دریافت کرتے تو ارشاد فرماتے " اتدرون بين يدى من اريد ان اقوم " (۴) "تمہیں کیا پتہ میں کس کے دربار میں حاضری دینے جا رہا ہوں" ایک مرتبہ آپ گھر میں نماز کے اندر سجدہ کی حالت میں تھے کہ اچانک آگ لگ گئی لوگ چلائے آگ آگ لیکن آپ نے سجدہ سے اس وقت سر اٹھایا جبکہ آگ بجھ چکی تھی لوگوں نے سجدہ میں اس قدر انہماک اور آگ کی مطلق فکر نہ کرنے کا سبب دریافت کیا فرمایا الهتنى عنها نار الآخرة (۵) "مجھے آخرت کی آگ کی فکر تھی اس آگ کی کیا فکر کرتا۔"

حضرت علی زین العابدین حسن اخلاق کا پیکر مجسم تھے معاف و در گزر کر دینا آپ کی طبیعت تھی اینٹ کا جواب پتھر سے تو کیا اینٹ سے بھی نہ دیتے تھے لوگوں کے ساتھ نرمی، محبت اور شفقت سے پیش آتے فتنہ و فساد کے کاموں سے بہت دور رہتے:

یہ تھیں امام زید کے والد ماجد علی زین العابدین کی صفات حسنہ۔ امام زید نے بھی انہیں صفات سے اپنی زندگی کو آراستہ کیا اپنی عمر کے ابتدائی اٹھارہ سال اپنے والد بزرگوار کے سایہ عاطفت میں گذارے اور علم و اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی تحصیل کی اس لئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام زید اپنے پدر بزرگوار کی میراث کے سچے وارث و امین تھے۔

(۱) صفة الصفوة ۲/ ۹۶۔ (۲) تہذیب التہذیب لابن حجر ۲/ ۱۰۰۔

(۳) مروج الذهب للمسعودى ۳/ ۷۹ (۴) صفة الصفوة ۲/ ۹۳

(۵) تہذیب لابن حجر ۷/ ۳۰۵-۳۰۶- الروض النضير (لاحمد السباغى ۱/ ۴۱) صفة الصفوة ۲/ ۹۴

والد ماجد کے رحلت فرما جانے کے بعد کفالت کی ذمہ داری آپ کے برادر اکبر امام محمّد الباقر نے لی محمّد الباقر کے زھد-ورع اور تقویٰ کا اندازہ افلح مولی بن محمّد بن علی کی اس روایت سے لگائیے وہ فرماتے ہیں- میں محمّد بن علی (امام باقر) کے ساتھ حج کے ارادہ سے چلا مسجد حرام میں جب انہوں نے قدم رکھے اور خانہ کعبہ پر نظر پڑی تو ان کی چیخ نکل گئی میں نے عرض کیا- میرے ماں باپ آپ پر قربان لوگوں کی نظریں آپ پر ہیں آواز ذرا پست کر لیتے تو بہتر تھا فرمایا ارے افلح میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں کیوں نہ جاری ہو ممکن ہے اسی باعث پروردگار مجھ پر رحمت کی ایک نظر ڈالدے اور کل روزِقیامت میں سرخرو ہو جاؤں، پھر آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا مقام ابراہیم پر آکر نماز شروع کی سجدہ سے جب آپ نے سر اٹھایا تو آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں جاری تھا (۱) ایک مرتبہ جابر الجعفی سے کسی موضوع پر گفتگو ہونے لگی دوران گفتگو آپ نے فرمایا دنیا کیا ہے ایک سواری ہے جس کو تم نے استعمال کیا ہے ایک کپڑا ہے جس کو تم نے زیب تن کیا ہے ایک عورت جس سے تم نے محبت کی ہے اس کے علاوہ دنیا کی کوئی حیثیت نہیں (۲)

برادر اکبر امام محمّد الباقر کی پاکیزہ زاھدانہ اور ورع و تقویٰ سے متصف زندگی نے بلکہ سراپا خیر گھرانے نے امام زید کے دل میں تقوی خوف خدا زھد اور تلاوت قرآن سے شغف جاگزیں کر دیا تھا عاصم بن عمر بن الخطاب کا قول ہے۔ ”میں نے زید کو

(۱) صفتہ الصفوۃ لابن الجوزی ۲/۱۱۰

(۲) صفتہ الصفوۃ لابن الجوزی ۲/۱۱۱

بچپن میں دیکھا ہے وہ ذکر اللہ میں سے کچھ بھی سنتے تو ان پر غشی طاری ہو جاتی (۱) امام زید خود فرمایا کرتے تھے شعور آنے کے بعد کوئی جھوٹا کلمہ میری زبان سے نہیں نکلا اللہ مواخذہ فرمائے گا اس بات کا جب سے علم ہو گیا ہے میں نے کسی ایسی چیز کا ارتکاب نہیں کیا ہے جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔ (۲)

یہ تھا مختصر سا جائزہ اس پاکیزہ گھرانے اور ماحول کا جس نے امام زید کی زندگی پر اثر ڈالا۔ خود امام زید کے زہد۔ ورع تدین اور اخلاق کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ ہم آئندہ صفحات میں کریں گے انشاء اللہ تبارک و تعالیٰ:

طلب علم:۔ صحابہ و تابعین کی عادت شریفہ تھی کہ اپنے جگر گوشوں کو بچپن ہی میں قرآن کریم حفظ کروا دیتے تھے رواج و روایت کے مطابق امام زید نے بھی بچپن میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ پھر تو قرآن کریم آپ کی زندگی کا مشغلہ بن گیا آپ کا قول ہے

لقد خلوت بالقرآن الکریم ثلاث عشرۃ سنۃ اقراہ و اتدبرہ" (۳)

۱۳ سال تک میں قرآن کریم کو پڑھتا اور اس میں تدبر کرتا رہا۔

حفظ قرآن کریم کے بعد فقہ، حدیث اور علوم دینیہ کی تعلیم اپنے والد ماجد، برادر اکبر اور علماء مدینہ سے حاصل کی دوران سفر علماء کوفہ و بصرہ سے بھی آپ نے علمی استفادہ کیا۔ خروج سے قبل آپ نے کوفہ کا سفر کیا تھا زمانہ خروج میں تو آپ نے ۱۳ مہینہ سے زائد کا عرصہ کوفہ میں گذارا (۴) اسی اثنا میں بصرہ کا بھی آپ نے سفر فرمایا شذرات الذھب کے مصنف ابن العماد کی روایت کے مطابق ایک مہینہ (۵) اور طبری کی روایت کے مطابق دو مہینہ آپ کا قیام بصرہ میں رہا (۶)

(۱) الخطط للمقریزی ۳/۳۳۵ (۲) الروض النضیر لاحمد السیاغی ۱/۱۲۸

(۳) الروض النضیر لاحمد السیاغی ۱/۹۸ (۴) تاریخ الطبری ۷/۱۷۱

(۵) شذرات الذھب لابن العماد ۱/۱۵۸ (۶) تاریخ الطبری ۷/۱۷۱

شادی :-

کسی بھی مورخ نے آپ کی ازواج۔ باندیوں اور اولاد کی مکمل فہرست نہیں ذکر کی متعدد تاریخی مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ امام زید نے ایک شادی اریطہ بنت ابی ھاشم بن عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ سے کی ان سے ایک فرزند تولد ہوا جس کا نام یحییٰ تھا (۱) کوفہ میں آپ نے دو شادیاں کیں (۲) ایک بنی فرقد کے یعقوب ابن عبداللہ السلمی کی بیٹی سے دوسری عبداللہ بن ابی القیس الاسدی کی بیٹی سے (۳) ایک شادی آپ نے ام ولد سے بھی کی اس سے آپ کی تین اولادیں ہوئیں عیسیٰ، حسین اور محمد (۴)

اس طرح آپ کے چار لڑکے ہوئے، جوزجان میں نصیر بن یسار کے زمانہ میں یحییٰ کی شہادت ہوئی۔ وہ لاولد تھے عیسیٰ بن زید کا انتقال کوفہ میں ہوا ان کے ایک فرزند تھے جن کا نام احمد تھا (۵) سفیان ثوری نے ان سے کسب فیض کیا تھا وہ زھد میں یکتائے زمانہ تھے ذریت زید بن علی کے عراق میں جد امجد ہیں (۶) حسین بن زیدؓ نابینا ہو گئے تھے آپکی ایک بیٹی اور ایک فرزند تھا وہ حضرت زید کی مشہور زمانہ ذریت کے جدِ امجد ہیں (۷) اور محمد بن زید بلاد عجم کے سادات زیدیہ کے جد بزرگوار ہیں (۸)

خروج :- ۴۲ سال کی عمر میں طلب امامت کے لئے آپ نے خروج کیا کچھ ہی عرصہ بعد جام شہادت نوش کیا اور رب حقیقی سے جا ملے آپ کی شہادت کے بعد مختلف

(۱) طبقات ابن سعد ۳۲۵/۵ (۲) الخطط للمقریزی ۳۳۹/۳
(۳) تاریخ الطبری ۱۷۱/۷ - الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ۳۳۵/۵
(۴) طبقات ابن سعد ۳۲۵/۵ (۵) طبقات ابن سعد ۳۲۵/۵
(۶) الروض النضیر ۱۱۲/۱
(۷) المعارف لابن قتیبہ ۲۱۵-۲۱۶
(۸) الروض النضیر ۱۱۲/۱

تحریکیں وجود میں آئیں زیدیہ بغاوت اور اسباب بغاوت کا تفصیلی تذکرہ مستقل ایک باب کا متقاضی ہے لہذا ہم امام زید کے علمی و اخلاقی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد مستقل ایک باب میں اس کا تفصیل سے ذکر کریں گے انشاء اللہ۔

وفات :۔

اکثر مؤرخین کی راے ہے کہ امام زید کی شہادت ۱۲۲ھ(۱) میں ہوئی مزی نے ۱۲۰ھ(۲) اور بعض نے ۱۲۱ھ(۳) بتائی ہے محمد شاکر الکتبی نے ۱۲۳ھ(۴) آپ کا سن شہادت لکھا ہے ابن عساکر نے(۵) ان تمام روایات کو جمع کر دیا ہے میرے نزدیک راجح قول ۱۲۲ھ کا ہے اس لئے کہ ابن کثیر۔ طبری۔ ابن الاثیر۔ مقریزی۔ بخاری نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے واللہ اعلم۔

(۱) تاریخ الطبری ۷/۱۸۰ - الکامل فی التاریخ لابن لاثیر ۵/۲۲۹ - البدایہ والنہایۃ ۹/۳۲۷

(۲) تہذیب الکمال للمزی المخطوط الجزء الخامس تحت رقم ۲۲۶۷ بجامعۃ ام القری

(۳) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۹/۳۲۷- تاریخ الطبری ۷/۱۶۰ تاریخ الیعقوبی ۲/۳۲۶ والکامل فی التاریخ ۵/۳۲۹

(۴) فوات الوفیات-۳/۳۶

(۵) تاریخ ابن عساکر المخطوط ج ۴-۲۱۰-۲۰۰

شیوخ و تلامذہ

شیوخ :-

پروردگار عالم نے امام زید بن علیؓ کے کسب فیض و حصول علم کے لئے جلیل القدر شیوخ کا انتخاب فرمایا تھا۔ بعض صحابہ کرام سے بھی آپ کی ملاقات ثابت ہے۔ ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے آپ کی ملاقات اور بعض احادیث کی روایت کا ثبوت ملتا ہے یہ وہ صحابی جلیل ہیں جن کا انتقال مکہ کے اندر صحابہ کرام میں سب سے اخیر میں ہوا (۱) ابوعبداللہ محمد بن علی الحسن (۲) اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں "وکان زید تابعیاسمع ابا الطفیل عامر ابن واثلہ" امام زیدؓ تابعی تھے ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ سے آپ نے سماعت کی تھی "ابن حبان کا قول ہے" امام زیدؓ نے صحابہ کی ایک جماعت کی زیارت کی تھی (۳) کبار تابعین میں جن حضرات کے سامنے آپ نے زانوے تلمذ تہہ کیا ان میں سر فہرست آپ کے والد ماجد حضرت علی زین العابدینؓ اور برادر اکبر امام محمد الباقر ہیں محمد بن اسامہ بن زید سے بھی آپ کا علمی استفادہ ثابت ہے ابان بن عثمان، عروہ بن ابی الزبیر، عبید اللہ بن ابی رافع سے احادیث کی روایت منقول ہے (۴)

(۱) الاصابۃ فی تمیز الصحابہ لابن حجر ۴/۱۱۳۔ تدریب الراوی ۲/۲۲۸۔ ۲۳۲

(۲) ان کی کنیت ابوالحسن ہے ہمدان میں پیدا ہوئے بغداد میں پروان چڑھے۔ فقہ شافعی کی تحصیل کی میزان الاعتدال للذھبی ۲/۶۱۷، ۳/۶۰۰، لسان المیزان ۵/۲۲۹، تاریخ بغداد ۳/۹۰۔ ۹۱

(۳) الثقات لابن حبان

(۴) تہذیب الکمال للحافظ المزی ج ۵۔ تہذیب التہذیب ۳/۴۱۹۔ الروض النضیر ۱/۱۱۲

اھل بیت میں امام جعفر صادقؓ آپ کے ہم سن تھے علمی مسائل میں آپ ان سے مذاکرہ کیا کرتے تھے۔(۱) علمی اعتبار سے امام زیدؒ کی شخصیت کو بنانے سنوارنے میں سب سے بڑا کردار آپ کے والد ماجد اور برادر اکبر کا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جمیع علوم آپ نے انہیں دونوں حضرات سے اخذ کئے۔

لہذا آپ کے ان دونوں شیوخ کا تذکرہ ہم قدرے تفصیل سے کرتے ہیں دیگر شیوخ کے اجمالی تذکرہ پر ہم اکتفا کریں گے۔

یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ امام زیدؒ کے والد ماجد امام علی زین العابدینؒ کا شمار دین و علم کے اعتبار سے کبار تابعین و سادات میں ہوتا ہے آپ نے اپنے والد ماجد حضرت حسینؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت مسورؓ بن مخرمۃ، حضرت ابو رافعؓ مولی النبی ﷺ حضرت ذکوانؓ مولی عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ بنت الحسین۔ حضرت ام سلمہؓ، حضرت زینب بنت ابی سلمہ،

حضرت سعیدؓ بن المسیب، حضرت سعیدؓ بن مرجانہ، حضرت عمروؓ بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم اجمعین سے تحصیل علم کیا(۲) آپ کے اساتذہ کے مذکورہ اسماء گرامی کو دیکھ کر بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ علم حدیث کے بلند پایہ عالم تھے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے محمد بن سعید کے حوالہ سے آپ کے بارے میں یہ روایت نقل کی ہے "کان ثقة مامونا كثير الحديث عالياً رافعاً" (۳).

(۱) صفۃ الصفوۃ ۲/۴۷ ا زید بن علی لابی زھرۃ ۷۸

(۲) تھذیب التھذیب لابن حجر ۷/۳۰۵ منھاج السنۃ النبویۃ ۲/۱۲۳ صفۃ الصفوۃ ۲/۱۰۲

(۳) منھاج السنۃ النبویۃ ۲/۱۲۳ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۵/۲۲۲

یہی وجہ ہے کہ خلق کثیر نے آپ سے سیرابی حاصل کی اور علم کی پیاس بجھائی جن میں آپ کے فرزندان گرامی قدر زید۔ محمد۔ عبداللہ۔ عمر تو ہیں ہی آپ کے ہم عمرو ہم سن عبدالرحمان، طاووس بن کیسان کا شمار بھی مستفیدین کی فہرست میں ہے زھری۔ زید بن اسلم۔ عاصم بن عمر بن قتادہ۔ عاصم بن عبید اللہ۔ قعقاع بن حکیم، یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ نے بھی آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ (۱)

علم حدیث کے ساتھ ساتھ علم فقہ میں بھی آپ مہارت نامہ رکھتے تھے۔ اور چیدہ فقہاء اسلام میں آپ کا شمار تھا۔ زھری کا قول ہے " **لم ار هاشما افضل من علی بن الحسین. وما رایت احد ا کان افقه منه.** (۲) میں نے خاندان ھاشم کے کسی فرد کو ۔۔۔ علی بن الحسین سے افضل نہیں دیکھا اور ان سے بڑا فقیہ بھی میری نظر سے نہیں گذرا۔

علم میں اس برتری تفوق اور جلالت شان کے علی الرغم آپ انتہائی متواضع تھے ہر صاحب فضل و صلاح سے علمی استفادہ کرتے اور اسے کسر شان نہیں سمجھتے تھے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں" **یتخطی مجالس اکابر الناس ویجالس زید بن اسلم مولی عمر بن الخطاب وکان من خیار اهل العلم والدین من التابعین فیقال له تدع مجالس قومک و تجالس هذا فیقول انما یجلس الرجل حیث یجد صلاح قلبه** (۳)

(۱) تھذیب التھذیب ۷/ ۳۰۴ منھاج السنة النبویة ۲/ ۱۱۳

(۲) تھذیب التھذیب ۷/ ۳۰۵ صفة الصفوۃ ۲/ ۹۲

(۳) صفة الصفوۃ ۲/ ۹۸۔ منھاج السنة النبویة لابن تیمیة ۲/ ۱۲۳

آپ اکابر کی مجلسوں میں جایا کرتے تھے زید بن اسلمؒ مولی عمر بن الخطاب کی مجلس میں بھی شرکت کرتے بڑے اہل علم و دیندار تابعین میں آپ کا شمار تھا لوگ کہتے آپ سادات کی مجلسیں چھوڑ کر ان غلاموں کی مجلس میں کیوں شرکت کرتے ہیں۔ جواب دیتے آدمی اپنے دل کی دوا جس مجلس میں پاتا ہے وہیں بیٹھتا ہے۔''

آپ کے سن وفات میں شدید اختلاف ہے معن بن عیسیٰ نے ۹۳ ھجری مدائنی نے ۱۱۰ ھجری آپ کا سن وفات لکھا ہے ایک قول یہ بھی ہے ۹۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی ابن عیینہ کا قول ہے کہ آپ نے ۵۷ سال کی عمر پائی ابن حجر نے اس قول کو بنیاد بنا کر آپ کا سن وفات ۹۴ یا ۹۵ھ لکھا ہے (۱) لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی وفات ۹۶ھ میں ہوئی اس لئے کہ آپ کے والد ماجد حضرت حسینؓ کی شہادت کا حادثہ ۶۱ھ میں پیش آیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۳ سال کی تھی شہادت کے بعد آپ ۳۵ سال حیات رہے لہذا ماننا پڑے گا کہ آپ کا وصال ۹۶ھ میں ہوا

والد ماجد کے وصال فرما جانے کے بعد امام زیدؓ کے برادر معظم امام محمد الباقر نے تربیت کی ذمہ داری سنبھالی۔ محمد الباقر کے علم و فضل کا اعتراف جلیل القدر علماء نے کیا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رقمطراز ہیں۔ من خیار اهل العلم والدین (۲) امام محمد الباقر بڑے صاحب علم و صاحب تقویٰ لوگوں میں تھے۔ عبد اللہ بن عطاء کہتے ہیں۔ لقد رایت العالم عنده کالمتعلم ''(۳) میں نے دیکھا ہے کہ دنیا ان کے سامنے طالب علم بن کر آتی تھی۔'' صفوی کا کہنا ہے هواحد من جمع العلم والفقه والدیانة'' (۴)

(۱) تهذیب التهذیب لابن حجر ۳۰۷/۷ (۲) منهاج السنة النبوية لابن تيمية ۱۱۳/۲

(۳) تهذیب التهذیب لابن حجر ۳۵۰/۹ (۴) الوافی بالوفیات ۱۰۲/۴

وہ علم فقہ اور دین کے جامع تھے۔ ابو جعفر علم حدیث و علم فقہ دونوں میں آپ کے علمی تبحر کے قائل تھے امام ابو حنیفہؒ آپ کے فضل کا اعتراف کرتے تھے۔

جن کبار صحابہ و تابعین سے آپ نے علم اخذ کیا ان کی فہرست طویل ہے علامہ ابن حجرؒ کا کہنا ہے کہ آپ نے اپنے والد ماجد علی زین العابدینؒ، امام حسنؓ و حسینؓ، علیؓ بن ابی طالب، محمدؓ بن الحنفیة، عبداللہؓ بن جعفر۔ ابو ھریرۃؓ، ام المومنین حضرت عائشہؓ وام سلمہؓ۔ ابو سعیدؓ الخدری۔ عبداللہ بن ابی رافع۔ حرملہؓ مولی اسامہ۔ عطاءؓ بن یسار۔ یزیدبن ھرموز۔ ابومرۃ مولی ابن عقیل ابن ابی طالب وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں(۱) اسی طرح ایک کثیر تعداد نے آپ سے استفادہ کیا اور احادیث روایت کی ہیں جنہیں آپ کے فرزند جعفر (امام جعفر صادقؒ) اسحاق السبیعی۔ اعرج، زھری۔ عمر بن دینار۔ ابو ھجم موسی بن سالم، قاسم بن فضل۔ اوزاعی، ابن عبداللہ بن ابی بکر، عمرو بن حزمؒ، بسام الصیرفی، محمد بن موقہ، مکحول بن راشد وغیرہ کا نام مذکور ہے(۲)

۷۳ سال کی عمر میں ۱۱۷ ھ(۳) میں آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی والد ماجد اور برادر معظم کے بعد جن شیوخ سے حضرت زید نے کسب فیض کیا ان میں عبیداللہ بن ابی رافع۔ ابان بن عثمان۔ عروۃ بن الزبیر بن العوام ہیں عبیداللہ کے علمی کمال و تفوق کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ اپنے والد ابو رافع۔ ام المومنین ام سلمہؓ علی بن ابی طالبؓ سے مستفید ہوئے اور احادیث روایت کی ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاتب بھی تھے۔ (۴)

(۱) تہذیب التہذیب ۹/ ۳۵۰ (۲) تہذیب التہذیب ۹/ ۳۵۰

(۳) صفة الصفوة ۲/ ۱۱۱ (۴) تہذیب التہذیب ۱/ ۹۷

ابان بن عثمان کا پورا نام ابان بن عثمان بن عفان الاموی ابو سعید ہے ان کے اساتذہ میں ان کے والد ماجد عثمان بن عفانؓ- زید بن ثابتؓ- اسامہ بن زیدؓ وغیرہ ہیں تلامذہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ، ابو الزناد وغیرہ کا نام آتا ہے محمد بن القطان نے فقہاء مدینہ میں شمار کیا ہے عمرو بن شعیب کا قول ہے "ما رایت اعلم بحدیث ولا فقہ منہ" علم حدیث و علم فقہ کا ان سے بڑا عالم میری نظر سے نہیں گذرا" عجلی نے ان کی توثیق کی ہے اور ان کے بارے میں یہ جملہ نقل کیا ہے "انہ من کبار التابعین" کبار تابعین میں ان کا شمار تھا آپ نے ۱۰۵ ھ میں رحلت فرمائی (۱)

عروۃ بن الزبیر بن العوام بن خویلد ابو عبداللہ المدنی اپنے والد ماجد، والدہ محترمہ- خالہ حضرت عائشہ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں اور خود ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے فرزند گرامی قدر اور ابو بکر بن حفص ہیں- ابن سعد نے اہل مدینہ میں انہیں طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ کان ثقة كثير الحديث فقيها عالما ثبتاً مامونا (۲)

واصل بن عطاء بصری جس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ حسن بصری کا شاگرد تھا بعد میں فرقہ معتزلہ کا بانی و سر خیل ہوا اس کی ولادت مدینہ منورہ میں ۹۰ ھ میں اور وفات ۱۱۳ ھ میں ہوئی (۳) شہرستانی نے الملل والنحل میں (۴) محمد شاکر الکبتی نے فوات الوفیات (۵)

(۱) تہذیب التہذیب لابن حجر ۱/۹۷ (۲) تہذیب التہذیب لابن حجر ۳/۱۸۵

(۳) لسان المیزان ۱۱/۲۱۴ وفیات الاعیان ۶/۱۱

(۴) الملل والنحل ۱/۲۰۷-۲۰۸ (۵) فوات الوفیات ۳/۳۷

میں اور بعض دوسرے مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امام زید نے واصل بن عطاء کے سامنے تلمذ تہہ کیا اور اس کے آراء و عقائد اخذ کئے یہ قول سراسر کذب و افتراء اور بہتان پر مبنی ہے دلیل یہ ہے کہ شہرستانی سے قبل کے مصنفین مثلاً اشعری، ملطی، نوبختی ابو منصور بغدادی وغیرہ میں سے کسی نے بھی امام زید کا واصل بن عطاء سے ملاقات کا تذکرہ نہیں کیا نہ ہی کسی ایسے عقیدہ کی نسبت ان کی جانب کی ہے جس میں اعتزال کی بو آتی ہو(۱)

دوسری طرف معتبر علماء کرام کے وہ اقوال جو انہوں نے واصل بن عطاء کے سلسلہ میں لکھے ہیں وہ بھی ملاحظ فرمائیں مسعودی کا قول ہے هو قديم المعتزلة وشيخها وهو زعيمهم والداعى الى بدعتهم واول من اظهر القول بالمنزلة بين المنزلتين"(۲) وہ قدیم معتزلی ہے بلکہ ان کا شیخ سرخیل اور ان کی بدعات کا داعی ہے سب سے پہلے المنزلة بين المنزلتين کے عقیدہ کا قائل یہی شخص ہوا ہے ابوالفتح ازدی کا کہنا ہے "رجل سوء وكافر"(۳) برا اور کافر شخص تھا مذکورہ اقوال کو پڑھ کر آپ خود فیصلہ کریں کیا امام زیدؓ جیسی شخصیت نے جس کے زھد ا تقاء پر علماء اھل سنت والجماعت کا اتفاق رہا ہے واصل بن عطاء سے استفادہ کیا ہوگا؟ اور اس سے اس کے آراء و عقائد اخذ کئے ہوں گے؟

(۱) مقالات الاسلامیین ۱/ ۱۳۶- ۱۵۰ التنبیہ والرد للملطی ۳۳-۳۵ فرق الشیعہ للنوبختی ۳۹ الفرق بین الفرق للبغدادی ۳۰-۳۸

(۲) الفرق بین الفرق ۱۱۷

(۳) لسان المیزان ۱۱/ ۲۱۳

تلامذہ:-

پروردگار عالم نے امام زید بن علیؑ کو علم و اخلاق کے جس مقام بلند پر فائز کیا تھا اور بہت سے اسلامی شہروں کے سفر کا جو زریں موقع عطا کیا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ خلق کثیر آپ سے مستفید ہوئی۔ آپ کے تلامذہ کی طویل فہرست کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کے تلامذہ کی تعداد سب سے زیادہ ہے (۱) ابو عتاب منصور السلمی الکوفی متوفی ۱۳۲، عبدالرحمٰن بن ابی الزناد، عبیداللہ بن ذکوان قرشی متوفی ۱۷۴ھ۔ زبید بن الحارث بن عبدالکریم بن عمرا بن کعب یامی۔ سلیمان بن مہران اسدی کاملی۔ شعبہ بن حجاج بن الدود العتکی متوفی ۱۶۰ھ، سعید بن خثیم بن رشد ملالی متوفی ۱۳۰ھ، عبدالرحمٰن بن الحارث بن عبداللہ بن عیاش، بسام بن عبداللہ الصیرفی۔ اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی متوفی ۱۲۷ھ، محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب زھری متوفی ۱۲۵ھ (۲) یہ امام زید بن علی کے مشہور ترین اور نامور تلامذہ ہیں۔

محمد بن عبدالرحمٰن لیلی۔ امام ابو حنیفہ، سلیمان بن مہران اعمش اور دیگر فقہاء کوفہ آپ سے علمی مسائل میں مذاکرہ تو کرتے ہی تھے فقہ، حدیث اور دیگر علوم میں استفادہ بھی کرتے تھے (۳) اور یہ سب آپ کے تلمیذ ہی تھے۔ اس کے علاوہ حافظ مزی۔ ابو عبداللہ محمد بن علی حسن۔ اور صاحب الروض النضیر نے آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست تحریر کی ہے ان سب کا تفصیلی یا اجمالی تعارف تو کجا صرف ناموں کا تذکرہ بھی طوالت کا باعث ہوگا۔

(۱) زید بن علی لابی زهرة۔ ۲۲۵

(۲) ملاحظہ فرمائیں تذکرة الحفاظ۔ تهذیب التهذیب، تقریب التهذیب، تهذیب الکمل اور دیگر کتب۔ (۳) زید بن علی لابی زهرة ۲۲۵۔ الروض النضیر ۱۱۲۔۱۱۳

ثقافت اور تالیفات

امام زید بن علی رضی اللہ عنہ علوم قران، علوم حدیث، فقہ، عقائد، اصول، لغت اور دیگر علوم جو ان کے زمانہ میں رائج تھے سب پر قدرت رکھتے تھے۔ ان کے زمانہ کے علماء اسلام نے ان کے علمی تفوق کا اعتراف کیا ہے امام محمد الباقرؒ سے ایک شخص نے آپ کے علم کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا۔ سالتنی عن رجل ملئ علماء من اطراف شعره الی قدمه "تم مجھ سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں سوال کر رہے ہو جو سر تا پا علم ہی علم ہے" مزید فرمایا واللہ لقد اوتی اخی علما لدنیًا فانه یعلم مالا نعلم "(۱) خدا کی قسم میرے بھائی کو علم لدنی حاصل ہے جو علم انہیں حاصل ہے ہمیں حاصل نہیں ابو اسحاق السبیعی کا قول ہے۔ "رایت زید بن علی فلم ارفی اهله مثله ولا اعلم منه ولا افضل" میں نے زید بن علیؓ کو دیکھا ہے ان کے خاندان میں ان کی مثال نہیں دیکھی ان سے زیادہ صاحب علم وصاحب فضیلت کسی کو نہیں دیکھا" امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔ میں نے ان سے بڑا فقیہ اور صاحب علم انسان نہیں دیکھا" امام شعبی فرماتے زید بن علیؓ سے بڑا فقیہ، بہادر اور زاہد شخص کسی عورت نے پیدا ہی نہیں کیا (۲)۔ امام ذھبی سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں کان ذاعلم و جلال وصلاح (۳) وہ ذی علم صاحب جلال و صلاح تھے۔

(۱) الروض (۲) الخطط للمقریزی ۳۳۵/۳

(۳) سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۳۳۶، ۳۳۷

اور تاریخ الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں۔ " **کان احد العلماء والصلحاء** "(۱)
علماء صالحین میں سے ایک تھے۔"

علم القرآن :۔

قرآن کریم نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ سے سیکھا صحابہ سے تابعین نے، تابعین سے تبع تابعین نے، یہ سلسلہ چلتا رہا قرآن کو حفظ، اس کی آیات میں تدبر اور اس سے احکام و مسائل کا استنباط و استخراج ہوتا رہا بالآخر قرآن اور پورا ذخیرہ علم قرآن ہم تک پہنچا۔ امام زید بن علیؓ اس سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی ہیں۔ بچپن ہی میں قران کریم آپ نے حفظ کر لیا تھا۔

قرآن کریم کی تلاوت تجوید و قرأت کے قواعد کے اجراء اور اتقان کے ساتھ کرتے تھے۔ امام جعفر صادقؓ کا قول ہے۔ **کان واللہ اقرا ءنا لکتاب اللہ** (۲) امام زیدؓ کے بھائی امام محمد الباقر نے ابو خالد الواسطی اور ابو حمزہ الثمالی سے فرمایا۔ اے ابو خالد اے ابو حمزہ میرے والد نے زید کو بلا کر قران پڑھوایا۔ انہوں نے پڑھ کر سنایا۔ پھر ان سے مفصلات کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے اس کا جواب دیا۔ چنانچہ والد نے ان کے لئے دعا کی اور ان کی پیشانی کو چوم لیا(۳)

(۱) تاریخ الاسلام للذھبی ۷۵/۵

(۲) الخطط للمقریزی ۳۳۵/۳

(۳) الروض النضیر ۱۰۲/۱

ابن بقال کی روایت ہے۔ **ماتوسد القران منذ احتلم حتی قتل**(۱) ''سن رشد سے شہادت تک کبھی انہوں نے قران کو تکیہ نہیں بنایا'' یہی وجہ تھی کہ آپ حلیف القران سے معروف تھے۔(۲)

امام زیدؓ کا قول ہے۔ **خلوت بالقران ثلاث عشرة سنة اقراه واتدبره**(۳) ''تیرہ سال سے میرا شغلہ قران کو پڑھنا اور اس میں تدبر کرنا ہے'' علوم قران میں امام زیدؓ کے تفوق کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان سے ایک مستقل قرأت منقول ہے۔ شرح رسالۃ الحور العین کے مصنف حمیری تحریر فرماتے ہیں۔ ''زیدؓ خاندان میں سب سے افضل تھے۔ وجہ یہ تھی کہ تمام صفات فضل کے وہ جامع تھے۔ مزید یہ کہ وہ بعض ایسی خصوصیات کے حامل تھے کہ ان میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں تھا۔ علم قرآن اور وجود قرأت میں انہیں اختصاص حاصل تھا۔ ان سے مستقل ایک۔ قرأت بھی منقول ہے'' (۴) ابو حبان التوحیدی نے ''النیر الجلی فی قراۃ زید بن علیؓ (۵) میں امام زید کی قرأت کو جمع کیا ہے۔ بروکلمان نے اپنی کتاب تاریخ الادب العربی (۶) میں ایک مخطوطہ کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اس کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ مخطوطہ ابو حبان التوحیدی کی مذکورہ کتاب ہی ہے۔

(۱) الفصول لابن بقال نقلا عن الروض النضیر ۱/ ۹۹

(۲) مقاتل الطالبیین ۱۳۰ الخطط للمقریزی ۳/ ۳۳۵

(۳) الخطط للمقریزی ۳/ ۳۳۵

(۴) شرح رسالۃ الحور العین

(۵) الروض النضیر ۱/ ۱۰۲

(۶) تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۳/ ۳۲۳

علوم قران میں آپ کی براعت اور رسوخ کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے۔ جو امام المہدی نے منہاج میں اور ابو العباس نے مصابیح میں خود امام زید سے نقل کی ہے آپ فرماتے ہیں۔ سلونی قبل ان تفقدونی. سلونی فانکم لن تسألوا مثلی والله لا تسألونی من آیة من کتاب الله الا انبأتکم بها(۱) قبل اس کے کہ میں دار فانی سے کوچ کر جاؤں مجھ سے علم حاصل کر لو۔ مجھ جیسا شخص تمہیں ملے گا نہیں خدا کی قسم کتاب اللہ کی کسی بھی آیت کے بارے میں سوال کرو گے میں تمہیں بتلاؤں گا" ایک مرتبہ اھل کوفہ کو جب وہ مسجد میں محصور تھے خطاب کیا والله ماخرجت ولا قمت مقامی هذا حتی قرأت القران واتقنت الفرائض واحکمت السنن والآداب و عرفت التأویل کما عرفت التنزیل وفهمت الناسخ والمنسوخ والمحکم والمتشابه والخاص والعام (۲) خدا کی قسم میرا خروج اور میرا اس مقام پر کھڑا ہونا صرف اس لئے ہے کہ میں نے قران پڑھا ہے۔ فرائض اور سنن و آداب کا پختہ علم حاصل کیا ہے مجھے قرانی آیات کی تاویل کا علم ایسا ہی ہے جیسا کہ آیات کا میں نے ناسخ، منسوخ، محکم، متشابہ، خاص اور عام ہر چیز کو سمجھا ہے۔ عبداللہ بن محمد نے امام زیدؓ اور ان کے بھائی امام محمد الباقرؓ کا علم تفسیر میں مقارنہ کیا ہے دیلمی نے مشکوٰۃ الانوار میں۔ امام المہدی نے منہاج میں اس مقارنہ کو نقل کیا ہے لقد علم زید القران من حیث لم یعلم ابو جعفر. قلت وکیف ذالک قال لان زیداً علم القران واوتی فهمه وابو جعفر اخذه من افواه الرجال (۳)

(۱) المنہاج للامام المهدی والمصابیح لابی العباس نقلاً عن الروض النضیر ۱/۱۲۸

(۲) الخطط للمقریزی ۳/۳۴۰

(۳) مشکاۃ الانوار للدیلمی المنہاج للامام المهدی نقلا عن الروض النضیر ۱/۱۰۱

امام زید کو جیسا علم قران حاصل تھا ابو جعفر امام محمد الباقرؒ کو حاصل نہیں تھا بات یہ ہے کہ امام زید نے قران کا علم حاصل کیا اور اس کا فہم انہیں من جانب اللہ عطا کر دیا گیا جبکہ حضرت ابو جعفر نے لوگوں سے حاصل کیا تھا۔

اب آپ امام زیدؓ نے آیات قران کی جو تفسیر کی ہے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں دیلمی نے مشکوۃ الانوار میں لکھا ہے کہ امام زید نے عامۃ الناس کے درمیان ان کو جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے ایک خطبہ دیا درمیان میں سورۃ فاتحہ کی آیت" اهدنا الصراط المستقيم" پڑھی اور فرمایا الصراط المستقیم سے مراد دین اللہ ہے۔" والصابرين في البأساء والضراء وحين البأس" پڑھی فرمایا حين البأس سے مراد میدان کار زار ہے" ان الذين يكفرون بآيات الله و يقتلون النبيين بغير حق ويقتلون الذين يأمرون بالقسط من الناس فبشرهم بعذاب اليم" پڑھی فرمایا القسط سے مراد العدل ہے ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر پڑھی فرمایا یہ ترغیب ہے جو شخص بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دے گا اس کا شمار خیر امت میں نہیں ہوگا۔(۱)

ایک مرتبہ یہ آیت تلاوت فرمائی" وان تتولوا يستبدل قوما غيركم ثم لا يكونوا أمثالكم " اس کے بعد فرمایا پروردگار کی جانب سے یہ ایک قسم کی وعید و تنبیہ ہے۔ اور آپ نے یہ دعا کی" اللهم لا تجعلنا ممن تولىٰ فاستبدلت بدلا"(۲) اے بار الہا ہمیں ایسے لوگوں میں نہ بنائیو جنہوں نے پیٹھ پھیری اور تو نے ان کے بدلے کسی دوسرے کو کھڑا کر دیا۔"

(۱) مشکاۃ الانوار للدیلمی نقلا عن الروض النضیر ۱/۱۰۲

(۲) الخطط للمقریزی ۳/۳۳۵

علم حدیث:۔ امام زید بن علیؓ نے جس عہد میں آنکھیں کھولیں اس عہد میں مدینہ منورہ علم حدیث کا مرکز تھا اور صحابہ، تابعین، تبع تابعین بھی تھے امام زید کا اسم گرامی تابعین کی فہرست میں آتا ہے کیونکہ آپ نے جابر بن عبداللہ الانصاریؓ، ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کی زیارت کی تھی۔

علم حدیث میں آپ کی امامت و جلالت شان پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے۔ امام ذھبی، ابن حبان، مزی جیسے جلیل القدر علماء حدیث نے آپ کو امین وثقہ کہا ہے امام جعفر صادقؓ، اجلح بن عبداللہ الکندی، آدم بن عبداللہ الخثعمی، ابو سلمہ راشد بن سعد السائغ الکوفی، سعید بن منصور المشرقی الکوفی، سلیمان الاعمش، شعبہ بن الحجاج، عبداللہ بن عیسیٰ بن عیسی بن عبدالرحمان بن ابی لیلی اور بہت سے رواۃ نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ (۱) اور آپ کے کلام سے استدلال کیا ہے۔ نیز ترمذی، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ، احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث نے اپنی اپنی مسندوں میں ان سے تخریج کی ہے (۲)

علم حدیث میں آپ کی گہرائی و وسعت کا پتہ آپ کے اس قول سے بھی چلتا ہے جو آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ "**سلونی قبل ان تفقدونی. سلونی فانکم لن تسالوا مثلی واللہ لا تسالونی عن حرف من سنۃ رسول اللہ الا انباتکم بہ. ولکنکم زدتم و نقصتم وقد متم واخرتم، فاشتبھت علیکم الاخبار**" (۳) میرے وصال سے قبل مجھ سے علم حاصل کرلو مجھ جیسا شخص تمہیں ملے گا نہیں۔ بخدا حدیث رسول کے کسی بھی حرف کے بارے میں سوال کروگے میں تمہیں بتلاؤں گا تم نے تو کمی بیشی تقدیم و تاخیر کر ڈالی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ذخیرہ احادیث تمہارے سامنے مشتبہ حالت میں ہے۔"

(۱) تہذیب الکمال للحافظ المزی ج ۵ تحت رقم ۶۲۶۲ (۲) تہذیب التہذیب ۳/۴۱۹
(۳) المنہاج للامام المھدی والمصابیح لابی العباس نقلا عن الروض النضیر ۱/۱۲۸

ائمہ جرح و تعدیل جن میں ابن حبان، ذھبی، ابن حجر، مزی وغیرہ شامل ہیں سب نے بالاتفاق امام زید کی سند کو اصح الاسانید کہا ہے۔ احادیث پر امام زیدؓ کی ایک کتاب بھی ہے۔ راوی عمر بن خالد الواسطی ہیں یہ مجموعہ تین سو سے زائد احادیث پر مشتمل ہے۔

علم عقائد:۔ امام زید بن علیؓ علم عقائد سے خاصا شغف رکھتے تھے ''شیخ ابو زھرہ کہتے ہیں'' امام زید بن علیؓ کے زمانہ میں جن اسلامی فرقوں کا وجود تھا اور جن مسائل پر وہ فرقے بحث و کلام کیا کرتے تھے۔ ان تمام مسائل سے آپ واقف اور ان کی تہہ تک پہنچے ہوئے تھے۔(۱) حمیری کا کہنا ہے کہ آل بیت رسول میں علم عقائد کے اندر زید بن علی سب سے ممتاز تھے۔

علم فقہ:۔ علم فقہ میں بھی امام زید ید طولی رکھتے تھے۔ علم فقہ میں آپ کی گہرائی و گیرائی پر کبار فقہاء کی شہادتیں موجود ہیں۔ آپ کے بھتیجے حضرت امام جعفر صادقؓ کا قول ہے۔ کا ن واللہ اقرانا لکتاب اللہ وافقہنا فی دین اللہ۔ خدا کی قسم وہ ہم میں کتاب اللہ کے سب سے بڑے قاری اور دین اسلام کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ فقیہ اسلام امام ابو حنیفہ کی شہادت شہادت عظمیٰ کا درجہ رکھتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں ''شاھدت زید بن علی کما شاھدت اھلہ فما رایت فی زمانہ افقہ منہ'' میں نے زید بن علیؓ کو اس طرح دیکھا ہے جس طرح ان کے خاندان کو دیکھا ہے۔ میں نے ان کے زمانہ میں ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔'' امام شعبی فرماتے ہیں۔ ''ما ولدت النساء افضل من زید بن علی ولا افقہ منہ''(۲) ''کسی عورت نے زید بن علیؓ سے افضل اور بڑا فقیہ جنا ہی نہیں۔''

(۱) زید بن علیؓ لابی زھرۃ ۱۴۰

(۲) الخطط للمقریزی ۳۲۵/۳

علم فقہ میں جن حضرات نے آپ سے کسب فیض کیا ہے ان کی کثیر تعداد ہے۔ سلمۃ بن کہیل، یزید بن ابی زیاد، ھارون بن سعد، ابو ھاشم الرحانی، حجاج بن دینار اور ابو حنیفہ النعمان جیسے جلیل القدر فقہاء آپ سے کسب فیض کرنے والوں کی فہرست میں آتے ہیں۔ علم فقہ میں آپ کے تبحر کی یہ بہت بڑی دلیل ہے۔

آپ کی فقہ کی بنیاد حدیث ورائے پر تھی۔ اس سلسلہ میں آپ صرف علماء آل بیت ہی سے استفادہ پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ دیگر محدثین وفقہاء سے بھی مستفید ہوتے تھے۔

امام زیدؓ کی جانب ایک خاص فقہی مسلک بھی منسوب ہے۔ اس کو المجموع الفقہی نامی کتاب میں آپ کے شاگرد ابو خالد الواسطی نے مدون کیا ہے۔ فرقہ زیدیہ نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے فقہی مسلک کی اساس قرار دیا ہے۔ زیدی علماء نے اس کتاب پر خوب کام کیا۔ اس کی شرحیں لکھیں اور اصولی قواعد مستنبط کئے۔ محمد بن المطہر المتوفی ۷۲۸ھ نے اس کی ایک شرح لکھی اور اس کا نام المنہاج الجلی رکھا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اس میں انہوں نے قوی دلائل کے ساتھ مسلک زید کو دوسرے مسالک پر ترجیح دی ہے۔ قاضی احمد بن ناصر الخلاص نے ایک جلد میں اس کی شرح لکھی لیکن وہ سجدہ سہو تک ہی پہنچ سکے ہیں۔ اس کی سب سے بہترین شرح احمد السباغی کی الروض النضیر شرح المجموع الکبیر ہے یہ شرح متداول بھی ہے (۱)

بروکلمان نے ذکر کیا ہے کہ امام زید کا ایک رسالۃ مناسک حج پر ہے (۲)

(۱) الروض النضیر ۱/۲۴

(۲) تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۳/۳۲۴

علم ادب:-

امام زیدؓ فصاحت و بلاغت کے مقام بلند پر فائز تھے اس کا اعتراف امام ابوحنیفہ جیسی نابغہ روزگار شخصیت اور دیگر بہت سے علمائے نے کیا ہے زھر الآداب کے مصنف رقمطراز ہیں۔

"شاھان بنی امیہ" یعنی ھشام بن عبدالملک گورنر عراق یوسف بن عمر الثقفی کے پاس تحریر ارسال کیا کرتے تھے کہ اھالی کوفہ کو زید بن علی سے قریب نہ ہونے دینا اس کی زبان نیزوں کی انی تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے یہ شخص جادو گروں، کاھنوں اور تمام تعویذ گنڈہ کرنے والوں پر بھاری ہے (۱) آگے لکھتے ہیں۔

جعفر بن الحسن بن علی اور زید بن علیؓ کے درمیان وصیت کے سلسلہ میں تنازعہ تھا۔ جب بھی وہ حضرات اس پر گفتگو کرتے لوگ ان کی گفتگو سننے کے لئے ٹوٹ پڑتے۔ کچھ ان کی گفتگو نوٹ کر کر کے اس طرح یاد کرتے گویا واجبات و فرائض اشعار و امثال کا علم حاصل کر رہے ہوں۔ دونوں حضرات عجوبہ روزگار تھے۔(۲)

عبداللہ بن معاویہ بن جعفر طیار نے آپ کی تقریر سن کر آپ کی فصاحت کی ستائش اس طرح کی

صحت مخارجھاوتم حروفھا فلہ بذالک مزیۃلا تنکر(۳)

(۱) زھرالآداب للحصری ۱/۷۷-۷۹ تاریخ طبری ۷/۱۶۹

(۲) زھرالآداب للحصری ۱/۷۷-۷۹

(۳) زھرالآداب للحصری ۱/۷۷-۷۹

آپ اشعار بھی کہتے تھے۔ حضرت علی کی منقبت میں آپ نے یہ اشعار کہے:

ومن فضل الاقوام یوما برایه فان علیا فضلته المناقب

وقول رسول الله والحق قوله وان رغمت منه الانوف الکوازب

بانک منی یا علی معالنا کھارون من موسی اخ لی وصاحب

دعاه ببدر فاستجاب لامره فبادر فی ذات الاله یضارب (۱)

ترجمہ: کسی کو کسی دن لوگوں نے اس کی رائے کی وجہ سے فضیلت دی ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے عمدہ خصائل اور اخلاق حمیدہ نے فضیلت دی ہے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول برحق ہے۔ اگرچہ ذلیل و جھوٹے اشخاص کو یہ چیز اچھی نہ لگے۔ "کہ اے علی تم مجھ سے ہو ہمارا تم سے وہی تعلق ہے جو ہارون کا موسیٰ سے تھا تم میرے بھائی اور ساتھی ہو۔ میدان بدر میں آپ ﷺ نے انہیں آواز دی تو انہوں نے لبیک کہا اور اللہ کے راستہ میں بڑھ چڑھ کر جہاد کیا۔

ھشام بن عبد الملک کے دربار سے نکلتے وقت آپ نے یہ اشعار کہے:

شرده الخوف وازری به کذاک من یکره حر الجلاد

منخرق الکفین یشکو الجوی تنکثه اطراف مرو حداد

قد کان فی الموت له راحة والموت حتم فی رقاب العباد

ان یحدث الله له دولة یترک آثار العدا کالرماد (۲)

ترجمہ: خوف نے اس کو دھتکارا اور سست کر دیا ہے۔ آزادی و استقلال کو جو ناپسند کرتا ہے اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے تلوے پھٹ گئے ہیں۔ سوزش عشق کی شکایت ہے۔ سخت قسم کے نکیلے پتھروں نے اسے زخمی کر دیا ہے۔

(۱) فوات الوفیات ۳۸/۲

موت میں اس کے لئے راحت ہے۔ بندوں کو موت سے دو چار ہونا ہی ہے۔ اگر اللہ تعالی اسے حکومت عطا کرے تو صحراء کی ریت کی طرح دشمنی کے نشان چھوڑے گا۔

آپ کی فدائیت کا دم بھرنے والوں نے جب میدان کارزار میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور آپ کے ساتھ چند افراد باقی رہ گئے تو آپ کی زبان سے یہ اشعار نکلے:

اذل الحياة وعز الممات　　وكلا اراه طعاما وبيلا

فان كان لابد من واحد　　فسيرى الى الموت سيرا جميلا(۱)

ترجمہ:۔

ذلت کی زندگی یا عزت کی موت دونوں کو میں مضر کھانے کی طرح سمجھتا ہوں۔ دونوں میں سے کسی ایک کا آنا ضروری ہے تو موت کی طرف خوش رفتاری کے ساتھ چل

تالیفات:۔

امام زید بن علیؓ کی مختلف علوم و فنون پر متعدد کتابیں ہیں فرق باطلہ کی افترا پردازانہ ذھنیت نے اس ناحیہ سے بھی امام زید بن علیؓ کی شخصیت کو نشانہ بنایا اور بعض ایسی کتابیں آپ کی طرف منسوب کردیں جو آپ کی نہیں ہیں۔ اور مختلف کتب خانوں میں ان کے خطی نسخے پائے جاتے ہیں جن کا ذکر امام زیدؓ کے مختلف سوانح نگاروں نے کیا ہے۔

(۱) مروج الذھب للمسعودی ۲۱۸/۳

امام زید بن علیؓ کے عقائد

معتزلہ نے امام زید بن علیؓ کو اپنے کبار علماء میں شمار کیا ہے۔ زیدی کہتے ہیں کہ امام زیدؓ معتزلہ کے پانچ اصولوں کو اختیار کئے ہوئے تھے۔ ابن المرتضیٰ اور قاضی عبدالجبار طبقہ ثالثہ کے رجال میں آپ کا شمار کرتے ہیں۔ ابو القاسم العلجی اھل مدینہ کے معتزلیوں میں آپ کا نام لیتے ہیں شہرستانی کا بیان ہے کہ آپ نے واصل بن عطاء معتزلی کا تلمذ اختیار کیا اور اس کے اصولی عقائد اخذ کئے تھے۔ فوات الوفیات کے مصنف محمد شاکرؒ الکتبی کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن امام زیدؓ کے بارے میں علماء سلف اور علماء جرح و تعدیل کے جو اقوال ہمارے سامنے موجود ہیں ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امام زید بن علیؓ ائمہ آل بیت اور جلیل القدر تابعین میں سے ہیں "کئی صحابہ کرام کی آپ نے زیارت کی تھی(۱) آپ اھل سنت و جماعت کے عقیدہ پر تھے۔(۲) شیعیت و اعتزال کی نسبت محض ایک افتراء ہے۔ حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ائمہ اھل بیت یعنی علی بن حسینؓ، ابوجعفر الباقرؒ اور ان کے فرزند جعفر بن محمدؓ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سب و شتم نہیں کرتے تھے خلق قران بارہ اماموں کی عصمت اور کسی ایسی بات کے قائل نہ تھے جس کی زد حضرت علی پر پڑے۔ تقدیر و رویت کے بھی منکر نہ تھے۔ ان حضرات کے سلسلہ میں جو روایات منقول ہیں وہ متواتر، مشہور اور اھل سنت کے نزدیک معتبر ہیں۔(۳)

(۱) الثقات لابن حبان المخطوط القسم الثانی ص ۵۳ تہذیب التہذیب ۳/۴۱۷

(۲) جواب اھل السنۃ النبویۃ ۹۴۰ (۳) منہاج السنۃ النبویۃ ۱/۲۲۲

علامہ ابن تیمیہؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ "تمام مشہور ائمہ صفات الہیٰ کو مانتے تھے۔ قران کو کلام الہیٰ تسلیم کرتے تھے مخلوق نہیں مانتے تھے۔ وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت ہوگی۔ یہی صحابہ و تابعین کا مسلک بھی ہے۔(۱) مختصر التحفة الاثنی عشرية کے مصنف رقمطراز ہیں۔ "اہل و سنت و جماعت آل بیت رسول کے پیرو کار ہیں۔ انہیں کے طریقہ پر گامزن اور ان کی دعوت کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ائمہ مطہرین اہل سنت کے طریقہ پر ہیں۔ امام ابو حنیفہ۔ امام مالک اور دیگر جلیل القدر علماء نے انہیں ائمہ عظام سے کسب فیض کیا ہے۔(۲) شیخ عبداللہ بن محمد بن عبد الوھاب کا قول ہے "زین العابدین اور ان کے فرزند زید بن علی اور دیگر ائمہ آل بیت رسول کی صداقت۔ امانت اور دیانت کی اہل علم شہادت دیتے ہیں۔(۳) ابو حاتم البستی امام زید کے بارے میں لکھتے ہیں۔ وہ اہل بیت میں بڑے عابد اور فاضل تھے ان کی طرف صرف شیعہ شیعیت کی نسبت کرتے ہیں۔(۴) امام ذھبی اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء اور تاریخ اسلام میں ان کے علم و صلاح کی تعریف یوں کرتے ہیں۔ "وہ بڑے ذی علم و صاحب رتبہ تھے" (۵) تاریخ اسلام کے الفاظ یہ ہیں۔ وہ علماء صالحین میں سے ایک تھے۔(۶) ابن حبان نے اپنی کتاب میں آپ کو ثقہ قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ آپ نے اصحاب رسول کی ایک جماعت کی زیارت کی ہے(۷)

(۱) منهاج السنة النبوية ۱/۱۷۳ (۲) مختصر التحفة الاثنى عشرية۔ ۳۴

(۳) جواب اهل السنة النبوية، ۱۰۱ (۴) مشاهير علماء الامصار، ۶۳:۱

(۵) سیر اعلام النبلاء (۶) تاريخ الاسلام للذهبي ۵/۷۵

(۷) الثقات لابن حبان مخطوط رقم ۱۲۵۱۱ القسم الثانی ۵۳۰

حافظ مزی صاحب تہذیب الکمال۔ ابن حجر صاحب تہذیب التہذیب دونوں نے ابن حبان کی تائید کی ہے امام زیدؒ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اور ان کے کلام کو اپنی کتاب میں نقل بھی کیا ہے(۱) ابن حجر کا اصول ہے کہ وہ اھل بدعت کو ثقہ نہیں کہتے لہذا ان کا امام زید بن علی کو ثقہ قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ امام زید شیعہ یا معتزلہ نہیں تھے۔ ان کی جانب اعتزال یا شیعیت کی نسبت میں ذرا بھی سچائی ہوتی تو علامہ ابن حجر ان کو ثقہ نہ کہتے۔(۲)

امام ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، امام احمد وغیرہ علماء حدیث نے اپنی کتابوں میں امام زیدؒ سے احادیث نقل کی ہیں۔ امام ترمذی نے آپ کی حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ محمد شاکر امام زیدؒ کی حدیث کو حدیث صحیح کہتے ہیں۔ حاشیہ پر ان کی جو تعلیق ہے اس کے الفاظ یہ ہیں **انہ ثقة لا خلاف فیہ**(۳) ان کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۱) تہذیب الکمال للحافظ المزی المخطوط ج ۵

(۲) مقدمہ ابن صلاح مع التقیید ۴۵-۴۶

(۳) تفسیر الطبری ۴/۱۸۰

امامت کے سلسلہ میں امام زیدؓ کی رائے

ائمہ اھل بیت اھل سنت و جماعت کے عقیدہ پر تھے۔ امامت کے سلسلے میں ان کی وہی رائے تھی جو اھل سنت و جماعت کی رائے ہے۔ جب بھی ان کے بارے میں کوئی غلط رائے قائم کی گئی یا ان کی جانب کسی ایسے عقیدہ کی نسبت کی گئی جس کی سند قرآن و حدیث میں نہیں ہے اور انہیں اس کا علم بھی ہو گیا تو فوراً انہوں نے اس کی تردید کی اور اس سے اپنی بیزاری ظاہر کی فرقہ کیسانیہ محمد بن الحنفیہ کی امامت ان کے مہدی ہونے اور ان کے رجعت کا قائل ہے، بدا کا عقیدہ رکھتا ہے۔ حضرات شیخین ابو بکر و عمرؓ کی امامت کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ انہیں غاصب قرار دیتا ہے۔ فرقہ باقریہ امام محمد الباقر کی امامت اور ان کی رجعت کا قائل ہے۔ خطابی و منصوری امام جعفر صادقؓ امام محمد الباقر کی امامت مانتے ہیں لیکن ائمہ اھل بیت ان تمام باطل اقوال سے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ بن حسین نے شیعہ کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

احبوناحب الاسلام للّٰہ عزوجل فانہ مابرح بناحبکم حتی صارعلینا عار (۱)

"ہم سے تمہاری محبت دائرہ اسلام میں اور محض اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہونی چاہیے۔ تمہاری محبت ہمارے لیے عار کا باعث بنتی جا رہی ہے امام محمد الباقر نے جابرؓ فرمایا یاجابر ابلغنی ان قوماً بالعراق یزعمون انھم یحبوننا ویتناولون ابابکر و عمرؓ ویزعمون انی امرتھم بذلک فابلغھم انی الی اللّٰہ منھم برئی والذی نفس محمد بیدہ لو ولیت لتقربت الی اللّٰہ تعالیٰ بدمائھم لا نالتنی شفاعہ محمد ان لم اکن استغفرلھما واترحم علیھما ان اعداء اللّٰہ لغافلون عنھما (۲)

(۱) حلیۃ الاولیاء ۱۳۶/۳ (۲) حلیۃ الاولیاء ۱۸۵/۳

اے جابر مجھ کو معلوم ہوا کہ عراق کے کچھ لوگ میری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور حضرات شیخین ابو بکر و عمرؓ کو ہدف ملامت بناتے ہیں۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ میں نے انہیں اس کا حکم دیا ہے انہیں یہ بات پہنچا دو کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ محمد کی جان ہے اگر مجھے والی بنایا جاتا تو ان کے خون سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا اگر میں نے حضرات شیخین کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا نہ کی تو شفاعت محمدی سے میں محروم رہوں گا اللہ کے دشمن ابو بکر و عمرؓ سے غافل ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؒ سے ابو بکر و عمرؓ کے بارے میں ایک شخص نے دریافت کیا آپ نے فرمایا حضرات شیخین سے تم براءت کا اظہار نہ کرو۔ سائل نے کہا۔ کیا آپ تقیہ فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا۔ **اذا برئ من الاسلام ولا نالتنی شفاعة محمد** ﷺ تو میرا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہا محمد ﷺ کی شفاعت سے میں محروم رہوں گا، آپ نے یہ بھی فرمایا **برأ اللہ ممن برأ من ابی بکر وعمر** (۱) "جو ابو بکرؓ و عمرؓ سے بیزار ہے اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے"

امام زیدؒ بھی اسلاف ہی کے نقش قدم پر تھے لیکن شیعہ کی افتراء پردازیوں سے آپ کی شخصیت نہ بچ سکی امام زیدؒ کے بارے میں ابو حاتم البستی کی روایت سطور مذکورہ میں گزر چکی ہے کہ **کان من افضل اھل البیت وعلماءھم، وکانت الشیعة تنتحله** (۲) کہ امام زیدؒ اہل بیت اور ان کے علماء میں افضل ترین افراد میں تھے لیکن شیعوں نے باطل اقوال ان کی جانب منسوب کئے۔

(۱) حقائق عن آل لبیت والصحابة یونس السامراتی ۱۸
(۲) مشاهیر علماء الامصار لابی حاتم البستی ۶۳

شہرستانی سے ایک بہت بڑی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے امام زید کے بارے میں زیدی عقائد کو دیکھ کر اپنی رائے قائم کی۔ اس پر طرہ یہ کہ ڈاکٹر نشار شیخ ابوزھرۃ تاریخ الفرقۃ الزیدیہ کے مصنف بھی شہرستانی کی متابعت کرنے لگے شہرستانی تحریر فرماتے ہیں کہ زیدی زید بن علی کے پیروکار ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں امامت دائر ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی اولاد کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے امامت کے جواز کے قائل نہیں ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر فاطمی جو عالم، زاھد، شجاع اور سخی ہو اس کو امامت کے لئے خروج کرنا چاہیئے اور اس کی اطاعت واجب ہے چاہے حضرت حسن کی اولاد میں ہو یا حضرت حسین کی اسی بنیاد پر ایک طبقہ عبداللہ بن حسن بن حسن کے دونوں فرزند محمد اور ابراہیم کی امامت کا قائل ہے۔ زیدی فرقہ مختلف علاقوں میں دواماموں کے خروج کے جواز کا قائل ہے اگر وہ دونوں مذکورہ صفات کے جامع ہوں، اوران میں سے ہر ایک کی اطاعت واجب ہوگی۔(۱) مذکورہ تحریر سے درجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) امام زید اولاد فاطمہ میں امامت کے حصر کے قائل تھے۔

(۲) صحت امامت کے بعد خروج کو شرط قرار دیتے تھے

(۳) دو مختلف جگہوں میں دواماموں کا خروج جائز اور ان کی اطاعت واجب گردانتے تھے

جمہور علماء کرام شہرستانی کے ان اقوال سے اتفاق نہیں کرتے اشعری نے اپنے مقالات میں ابو منصور بغدادی نے الفرق بین الفرق میں قمی نے مقالات و فرق الشیعۃ میں

(۱) الملل والنحل للشہرستانی ۱/۲۰۷

ملطی نے التنبیہ والرد میں "امام رازی نے فرق المسلمین" میں مسعودی نے "مروج الذهب" میں مذکورہ اقوال کی نسبت امام زیدؒ کی جانب نہیں کی بلکہ فرقہ زیدیہ کی جانب کی ہے شہرستانی کے بارے میں علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ قول پڑھنے کے قابل ہے۔ **ینقل من کتب بعض الزیدیة المعتزلة الطاعنین فی کثیر من الصحابة** (۱) اکثر صحابہ پر طعن کرنے والے فرقہ زیدیہ و معتزلہ سے روایات لیتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ شہرستانی نے اپنی کتاب "الملل والنحل" علماء شیعہ کے لئے لکھی تھی اور اس میں انہوں نے مداہنت سے کام لیا ہے۔

امام زید کے اقوال و حالات اور آپ کی پوری زندگی اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ شہرستانی نے جن آراء و عقائد کی نسبت امام زید کی جانب کی ہے وہ کذب وافتراء اور بہتان پر مبنی ہیں۔ شہرستانی کی عبارت سے نمبر ایک پر جو عقیدہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ امام زید حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں امامت کے حصر کے قائل تھے۔ درجہ ذیل اقوال سے یہ باطل عقیدہ ٹوٹ کر چور ہو جاتا ہے۔ حمیری نے امام زید کا یہ قول نقل کیا ہے۔ **ثم کناورثة رسول اللهﷺ وما فینا امام مفترضة طاعته** ،(۲) (ہم تو رسول اللہﷺ کے وارث ہیں ہم میں کوئی ایسا امام نہیں جس کی اطاعت فرض ہو) گذشتہ صفحات میں علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ قول بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ **ان زید بن علی بن الحسین لما خرج فی خلافة هشام و طلب الامرلنفسه کان ممن یتولی ابابکر و عمر فلم یکن قتاله علی قاعدة من قواعد الامامة التی یقولها الرافضة.**

(۱) منہاج السنة النبویة ۲۰۷-۲۰۹ (۲) شرح رسالة ۱۸

(۳) منہاج السنة النبویة ۳/ ۲۲۷

(زید بن علی نے ھشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کیا اور اپنے لئے لوگوں سے بیعت لی۔ تو وہ ان لوگوں میں سے تھے جو ابو بکرؓ و عمرؓ کو اپنا قائد تسلیم کرتے تھے ان کا قتال امامت کے ان اصول پر مبنی نہیں تھا جس کے روافض قائل ہیں) ابن ندیم اپنی کتاب ''فہرست'' میں زیدیوں کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں۔

الزیدیة الذین قالوا بامامة زید بن علی علیہ السلام ثم قالوا بعده بالامامة اولاد فاطمة (۱) (زیدی پہلے زید بن علی کی امامت کے قائل ہوئے پھر بعد میں حضرت فاطمہ کی اولاد میں امامت کے قائل ہوگئے۔) بعدہ کا لفظ بول رہا ہے کہ اولاد فاطمہ میں امامت کے حصر کا عقیدہ بعد کی ایجاد ہے۔ ابن ندیم یہ بھی کہتے ہیں کہ محمد بن نعمان الاموی جو ایک غالی شیعہ تھا اس نے زید بن علیؓ سے امامت کے سلسلہ میں مناظرہ کیا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی اس بات کا قائل تھا کہ امام زید امامت کے سلسلہ میں وہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے جو زیدی ان کی جانب منسوب کرتے ہیں۔

(۲) دوسرا عقیدہ جو شہرستانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ صحت امامت کے لئے خروج شرط ہے جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ امام زید اولاد فاطمہ میں امامت کے حصر کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ یہ عقیدہ فرقہ زیدیہ کا گڑھا ہوا ہے تو اس عقیدہ کا غلط اور باطل ہونا ثابت ہو چکا کیونکہ جب شرط نہیں تو مشروط نہیں جب بنیاد نہیں تو عمارت نہیں۔

گذشتہ صفحات میں صراحت کے ساتھ یہ بات آچکی ہے کہ امام زیدؓ نے امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کے لئے خروج کیا تھا۔ آپ کا خروج ان اصول پر مبنی نہیں تھا جو فرقہ زیدیہ نے آپ کی جانب منسوب کئے ہیں اگر ایسا ہوتا تو ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم (۲) کی امامت کو صحیح نہ سمجھتے۔

(۱) الفہرست لابن ندیم ۲۲۶

کیونکہ یہ حضرات امامت کے طالب نہ تھے نہ ہی کسی سے اپنے ہاتھ پر بیعت کے لئے کہا تھا بلکہ صحابہ کرام نے خود ان کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی اور انہیں امام بنایا تھا البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں جو یہ بات کہی گئی ہے کہ" **فلم یزل کذالک حتی اظهر السیف و اظهر دعوته واستوجب طاعته**.(۱) (انہوں نے تلوار نکالی اپنی دعوت کا اعلان کیا اور اپنی طاعت ضروری قرار دی) یہ بھی ایک بہتان ہے صداقت سے اس کو کوئی تعلق نہیں کیونکہ حضرت علیؓ نے خوارج کا زور ختم کرنے کے لئے تلوار اٹھائی تھی طلب امامت کے لئے نہیں شیعوں کا یہ عقیدہ بھی باطل ہے کہ امام محمد الباقرؓ نے امامت کا دعویٰ کیا تھا اور لوگوں سے بیعت لی تھی امام زیدؓ کا قول ہے .**صحبت اخی محمد الباقر فواللّٰه ما ادعاها منذان صاحبته حتی فارقنی** (۲) (میں نے اپنے بھائی امام محمد الباقرؓ کی صحبت اٹھائی۔ خدا کی قسم جب سے میں نے ان کی صحبت اختیار کی ہے اس وقت سے تادم حیات انہوں نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا تھا۔)

شہرستانی نے تیسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ امام زیدؓ دو اماموں کے خروج کے جواز کے قائل تھے اور ان دونوں کی اطاعت واجب قرار دیتے تھے شیخ ابوزہرہ بھی شہرستانی کے اس دعویٰ سے اتفاق کرتے ہیں(۳) کامل الشیبی کی بھی یہی رائے ہے(۴) وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام زیدؓ نے اسی اصول کو بنیاد بنا کر اپنے بھائی امام محمد الباقر کے لئے خروج کیا تھا کامل الشیبی کی یہ رائے درست نہیں کیونکہ یہ بات پہلے ہی ثابت ہو چکی ہے کہ امام محمد الباقر نے امامت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

شہرستانی اور ان کے متابع شیخ ابوزہرہ کا یہ دعویٰ نہ صرف یہ کہ کذب وافتراء پر مبنی ہے۔ بلکہ وہ روح اسلام سے متعارض ہے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ خلیفہ ایک ہو اور وہ مسلمانوں کے امور کی نگہداشت کرے۔

(۱) شرح رسالۃ الحور العین ۱۸۸ (۲) شرح رسالۃ الحور العین ۱۸۸
(۳) زید بن علی لابی زہرہ ۱۹۰ (۴) الصلۃ بین التصوف والتشیع ۱۶۹-۱۷۰

ارشاد خداوندی ہے "واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا"
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک طویل حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ الفاظ ملتے ہیں۔ من بایع اماماً فاعطاہ صفقۃ یدہ وثمرۃ قلبہ فلیطعہ وان استطاع فان جاء آخر ینازعہ فاضربوا عنق الآخر(۲) (جو امام کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت کر چکا ہو اور اپنا دل اس کے حوالہ کر چکا ہو اسے حتی المقدور اس کی اطاعت کرنا چاہئے اگر کوئی دوسرا شخص اس سے برسرپیکار ہو جائے تو اس کی گردن مار دو)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے" کانوا بنوا اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وستکون خلفاء فتکثر قالوا فما تأمرنا. قال، فوابیعۃ الاول فالاول واعطوھم حقھم فان اللّٰہ سائلھم عما استرعاھم" بنو اسرائیل کی نگہداشت انبیاء کیا کرتے تھے جب بھی کوئی نبی دنیا سے پردہ فرما جاتا دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا خلفاء ہوں گے اور وہ کثرت سے ہونگے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا آپ کا کیا حکم ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے کی بیعت کو پورا کرو۔ اور انہیں ان کا پورا پورا حق دو اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے ان کی رعایا کی بابت سوال کرے گا۔)

امام نووی اس حدیث کی شرح اس طرح کرتے ہیں" اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جب ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے دوسرے کی خلافت کے لئے بیعت لی جائے تو پہلی بیعت صحیح ہے اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ دوسری بیعت باطل ہے اس کا پورا کرنا حرام ہے (جس کے ہاتھوں پر بیعت ثانی لی گئی اس پر بھی حرام ہے کہ اس کا مطالبہ کرے دوسرے شخص کے ہاتھ پر بیعت دانستہ ہو یا نادانستہ وہ دونوں ایک شہر میں ہوں یا الگ الگ شہر میں یہی صحیح مسلک ہے۔

(۱) آل عمران (۲) صحیح مسلم بشرح النووی ۱۲/۲۳۳

جمہور علماء اسی مسلک پر ہیں ایک قول یہ ہے کہ بلد امام میں جس کی خلافت کے لیے بیعت لی جائے امامت اس کا حق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ دار الاسلام کتنا ہی وسیع ہو جائے ایک زمانے میں دو خلیفہ نہیں ہو سکتے (۱) ابن خلدون امامت کے سلسلہ میں اسلام کے نقطہ نظر کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ **فالخلافة هی حمل الكافة على مقتضى النظر الشرعی**(۲) "خلافت نام ہے شرعی نقطہ نظر سے جمیع مسلمانوں کی نگہداشت کا۔"

(۱) صحیح مسلم بشرح النووی ۱/ ۲۳۱-۲۲۲

(۲) مقدمہ ابن خلدون ۱۹۱

صفحات گذشتہ میں آپ نے دیکھا کہ امام زید اولاد فاطمہ میں امامت کے حصر کے قائل نہ تھے۔ نہ ہی صحت امامت کے لئے وہ خروج شرط قرار دیتے تھے۔ نہ ہی وہ دو اماموں کے خروج کے جواز کے قائل تھے۔ اور ان کی اطاعت کو واجب مانتے تھے۔ اسی طرح انہوں نے خلفاء ثلاثہ کی امامت کو **امامة المفضول مع وجود الفاضل** کے اصول پر تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ وہ حضرات ان کی نگاہ میں افضل امت تھے امامت کے مستحق تھے۔ اس لئے امامت کے منصب پر وہ فائز ہوتے تھے۔ ذیل کی سطور میں آپ ملاحظہ فرمائیں کہ فرقہ شیعہ اور فرقہ زیدیہ نے امام کے معصوم ومہدی ہونے، رجعت و تقیہ کرنے، علم لدنی حاصل ہونے کا جو عقیدہ گڑھ لیا ہے وہ کتنا بے بنیاد اور شریعت اسلامی کے کتنا متعارض ہے امام زید نے قطعاً اس طرح کی باتیں نہیں کہیں۔

(۱) عصمت ائمہ کا عقیدہ، شیعوں کا سب سے اہم و بنیادی عقیدہ امامت کے لئے جو شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ عصمت ائمہ کا عقیدہ ہے۔(۱) کسی بھی مورخ نے امام زید یا ائمہ آل بیت میں سے کسی امام کی جانب اس عقیدے کی نسبت نہیں کی شیخ ابو زھرہ کہتے ہیں۔ **ان الا مام زید یری ان الامام من بنی فاطمه رجل ککل الناس لیس بمعصوم عن الخطاء، ولیس علمه فیضاً ولا اشراقاً بل علمه بالدرس والبحث ویخطئ ویصیب کغیره من الناس**(۲)

امام زیدؒ کا عقیدہ تھا کہ اولاد فاطمہؓ میں جو امام کے منصب پر فائز ہوتے ہیں وہ بھی عام انسان کی طرح انسان تھے خطاء سے معصوم نہیں تھے۔ ان کا علم الہامی یا اشراقی علم نہ تھا بلکہ انہوں نے بحث و تحقیق کے ذریعہ علم حاصل کیا تھا عام لوگوں کی طرح ان سے بھی کبھی خطاء ہو جاتی تھی۔

(۱) رسالة فی الرد علی الرافضة محمد بن عبدالوھاب ۲۷ (۲) زید بن علی لابی زھرہ ۲۱۱

اور کبھی خطاء سے محفوظ رہتے تھے۔ ڈاکٹر نشار نے لکھا ہے کہ عصمت ائمہ کا قائل نہ ہونا۔ امام زیدؓ کے نزدیک اصول امامت میں سے ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ امام زیدؓ نے ائمہ کے معصوم ہونے کا سرے سے انکار کیا ہے۔ تمام ائمہ آل بیت کا یہی عقیدہ تھا کسی نے بھی اپنے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ عصمت ائمہ کا یہ عقیدہ اثنا عشری شیعہ کے اہم عقائد میں سے ہے اور امام زید ان تمام باطل عقائد کا انکار کرتے ہیں جس کی سند شریعت اسلامی میں نہ ہو مختصر التحفة الاثنی عشریہ کے مصنف لکھتے ہیں۔ وکان زید بن علی منکرا لجمیع معتقدات الامامیه کما یروی الزیدیة والا مامیة معاً انکاره

امام زید فرقہ زیدیہ وامامیہ کے تمام عقائد کے سرے سے منکر و مخالف تھے۔

(۲) عقیدہ تقیہ:-

لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذالک فلیس من الله فی شی الا ان تتقوا منهم تقاة.(۳) مومن مومن کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ جو ایسا کرے گا اللہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں مگر اس حالت میں کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو۔

اس آیت میں ان تتقوا منهم تقاة. سے شیعہ جو مفہوم تقیہ کا نکالتے ہیں وہ قران کی تحریف معنوی کی بد ترین مثال ہے۔ علماء اہل سنت و جماعت نے اس آیت سے "تقویٰ" مراد لیا ہے اور شیعہ حضرات نے "تقیہ" دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک شریعت اسلامی کے عین مطابق دوسرا کذب، خیانت، نفاق، دھوکہ، مکر اور دیگر بے شمار ایسے معانی سمیٹے ہوئے ہے فطرت انسانی بھی جس سے انکار کرتی ہے۔(۴)

(۱) نشاۃ الفکر الفلسفی فی الاسلام ۲/ ۱۳۱-۱۳۷ (۲) مختصر التحفة الاثنی عشریہ محمود شکری الالوسی ۱۹۸ (۳) آل عمران ۲۸ (۴) مقالات الاسلامیین ۱/ ۸۶

شیعہ حضرات کے نزدیک تقیہ دین کا بنیادی اور اہم ترین جزء ہے تمام شیعوں کا اس پر اتفاق ہے کہ امام بھی تقیہ کر سکتا ہے۔ اور بوقت ضرورت کہہ سکتا ہے کہ میں امام نہیں ہوں۔ حد تو یہ ہے کہ ائمہ آل بیت رسول کی جانب اس قول کی نسبت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؓ نے فرمایا۔ "التقیة دینی و دین آبائی" تقیہ میرا اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ حضرت علیؓ کی شخصیت کو بھی اس جھوٹ و بہتان کا ہدف بنایا اور ان کی جانب اس قول کی نسبت کی۔ " **التقیة من افضل اعمال المؤمن یصون بہا نفسہ و اخوانہ من الفاجرین.** (۱)" تقیہ مومن کا افضل ترین عمل ہے اس سے وہ اپنی ذات کو اور اپنے بھائی کو فاجروں سے بچاتا ہے۔"

ائمہ آل بیت اور وہ تمام حضرات جن کا شمار اھل سنت و جماعت میں ہوتا ہے وہ حاملین تقویٰ تھے نہ کہ تقیہ۔ کسی بھی امام نے کوئی بھی عمل جواز روئے شریعت اسلامی باطل ہو تقیہ کے طور پر عبادت و قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر کبھی نہیں کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کسی ایسی حدیث کی نسبت بھی نہیں کی جو آپ سے ثابت نہیں۔ وہ نفاق سے بھی کوسوں دور تھے۔ دلوں میں جو ہوتا عامۃ الناس کے سامنے اسی کا اظہار کرتے۔ (۲)

گذشتہ صفحات میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ امام زیدؓ اثنا عشری شیعہ کے تمام عقائد کو از روئے شریعت اسلامی باطل سمجھتے تھے۔ اور یہ کہ آپ کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو لے کر اٹھنا سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ کی شخصیت اس قسم کے باطل عقائد سے پاک و صاف ہے۔

(۱) منہاج السنة النبویة ۱/۱۵۹

(۲) الوشیعة فی نقد عقائد الشیعہ ۸۵-۸۶

(۳) زید بن علی لابی زہرہ، ۲۱۱

عقیدہ علم لدنی:

اثنا عشری شیعہ ائمہ کے بارے میں علم لدنی حاصل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرات ائمہ کا علم کسبی نہیں ہے۔ بلکہ علم ان کے اندر سے ابلتا تھا علم ان کی فطری و طبعی چیز ہے۔ انبیاء و ملائکہ کی جانب سے ان کی طرف منتقل ہوا ہے۔(۱)

امام زیدؒ کی حیات مبارکہ اس عقیدہ کی سراسر نفی کرتی ہے۔ آپ بچپن ہی سے طلب علم میں لگ گئے تھے۔ اگر آپ کو محض علم لدنی حاصل ہوتا تو طلب علم کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ شیخ ابوزہرہ فرماتے ہیں۔ **والامام من بنی فاطمہ رجل ککل الناس لیس بمعصوم عن الخطا. ولیس علمہ فیضا ولا اشراقاً. بل علمہبالدرس والبحث ویخطیٔ ویصیب کغیرہ من الناس**"(۲) اولاد فاطمہ میں جو امام ہوئے ہیں وہ بھی عام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ خطا سے معصوم نہیں تھے ان کا علم الہامی یا اشراقی نہ تھا۔ بلکہ ان کو مطالعہ و تحقیق سے علم حاصل ہوا تھا۔ عام لوگوں کی طرح ان سے بھی کبھی غلطی کا صدور ہو جاتا تھا۔"

(۱) زید بن علی لابی زہرہ ۲۱۱

(۱) زید بن علی لابی زہرۃ

شخصیت و اخلاق

امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ کے مطالعہ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ آپؓ کی شخصیت علمی شخصیت تھی۔ معاشرہ میں آپ کو محبوبیت کا مقام حاصل تھا۔ آپؓ میدان سیاست کا بھی تجربہ رکھتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ ایسے اعلیٰ اخلاق کے حامل اور ایسی صفات سے متصف تھے کہ عامۃ الناس میں ان اخلاق وصفات کا وجود نادر ہے۔ اس فصل میں ہم ان کے اخلاق اور معاشرہ میں ان کی محبوبیت پر روشنی ڈالیں گے۔

(۱) تقویٰ:۔ امام زیدؓ بن علی رضی اللہ عنہ انتہائی متقی اور مخلص تھے ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان غالب رہتا۔ اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں ابو قرہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام زید بن علیؓ نے ان سے فرمایا "اے ابو قرہ اس ذات کی قسم جو زید بن علیؓ کی شہ رگ کے نیچے کی چیز کو بھی جانتا ہے زید بن علیؓ نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اللہ کی کسی بھی حرام کردہ چیز کا ارتکاب نہیں کیا۔ اے ابو قرہ جس نے اللہ کی اطاعت کی مخلوق اس کی اطاعت کرے گی۔" (۱)

امام السعدی نے منہاج میں سعید بن خیثم سے آپ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "واللہ جب سے میں نے شعور کی آنکھیں کھولیں کوئی جھوٹی بات زبان سے نہیں نکالی اور جب سے اس بات کا علم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا مواخذہ فرمائے گا میں نے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ کسی بھی چیز کا ارتکاب نہیں کیا۔" (۲)

(۱) مقاتل الطالبین لابی الفرج الاصفہانی ۱۲۷ (۲) الروض النضیر لاحمد السیاغی ۱/۱۲۸

صاحب مقاتل نے محمد بن الفرات سے یہ روایت نقل کی ہے "میں نے زید بن علیؓ کی پیشانی پر سجدہ کا ہلکا سا نشان دیکھا" انہوں نے ابن ابی داؤد کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے "میں مدینہ آیا۔ جب بھی میں زید بن علی کے بارے میں دریافت کرتا مجھ کو جواب ملتا وہ حلیف القران ہیں"۔(۱) لوگوں میں آپ اسی نام سے مشہور تھے۔(۲) مقریزی لکھتے ہیں "میں نے ان کو اس وقت دیکھا جب کہ وہ چھوٹے سے بچے تھے ان کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا تو وہ بے ہوش ہو جاتے یہاں تک کہ کوئی نہ کوئی یہ کہتا کہ اب وہ ہوش میں نہ آئیں گے"۔

عبدالعزیز بن اسحاق زیدی نے جو ابن بقال کے
نام سے مشہور ہیں ابو احمد بن محمد سے۔

ایک روایت نقل کی ہے جس میں امام زید کی کثرت عبادت کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔ " حدثنا اهلی ان زید بن علی ماتوسد القرآن منذان احتلم حتی قتل. واما عن الصیام فکان یصوم یوماً و یفطر یوماً". "اہل خانہ کا بیان ہے کہ زید بن علی نے از بلوغ تا شہادت کبھی بھی قران پر ٹیک نہیں لگایا۔ جہاں تک روزے کا تعلق ہے تو وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔"

صاحب الروض النضیر احمد السیاغی " ماتوسد القران" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ قیام لیل اور تہجد میں مکمل قران پڑھنے سے کنایہ ہے۔ امام مھدی نے ابو معمر سے منہاج میں جو روایت نقل کی ہے اس سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن زید سے کہا کہ زید بن علی کا باشندگان عراق کے دلوں میں کیا مقام تھا۔ فرمایا میں اہل عراق کے بارے کچھ نہیں کہتا البتہ بابکی کی یہ روایت تم سے بیان کرتا ہوں۔

(۱) مقاتل الطالبیین ۱۳۰ (۱) الخطط للمقریزی ۳۳۵/۴

انہوں نے فرمایا۔ ''میں زید بن علی علیہ السلام کے ساتھ رہا وہ پوری پوری رات نماز پڑھتے تھے۔'' (۱) اخلاق کا نور آپ کے چہرہ انور پر اور گفتار و کردار میں دیکھتا تھا۔ ایک معاصر نے آپ کے سلسلہ میں کہا ''میں جب زید بن علیؓ کو دیکھتا تھا تو آپ کے رخ انور سے نور کی کرنیں پھوٹتی ہوئی نظر آتی تھیں۔'' (۲)

۲۔ ھیبت۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کو حیا اور عقل و حکمت کی دولت سے نوازا ہی تھا پر شکوہ و پر ہیبت جسم بھی عطا فرمایا تھا۔ آپ کی ھیبت لشکر جرار کا کام دیتی تھی۔ میدان کارزار میں جب آپ اترتے تھے تو ایسا لگتا تھا جیسے شیر خدا حضرت علی ابن ابی طالب صفوں کو چیرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ اھالی شام آپ کے سامنے ٹکتے نہیں تھے۔ کوشش بسیار کے باوجود وہ صرف ایک تیر مارنے پر کامیاب ہو سکے۔ (۳)

آپ خانوادہ نبوت کے چشم و چراغ امام زین العابدین کے فرزند۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پڑپوتے تھے۔ عوام و خواص سب کے دلوں میں اہل بیت کا مقام و مرتبہ تھا اس لئے سب آپ کے ساتھ عزت و اکرام کا معاملہ کرتے تھے۔ خود اھل بیت میں بھی عزت کا مقام حاصل تھا۔ حضرت جعفر صادقؒ جو کہ آپ کے ہم سن تھے آپ کی رکاب تھاما کرتے تھے اور زین کا کپڑا درست کیا کرتے تھے۔ (۴)

صاحب مقاتل سعید بن خیثم سے راوی ہیں کہ زید بن علیؓ اور عبداللہ الحسن بن الحسن کے درمیان صدقات علی کے بارے میں بحث ہو رہی تھی دونوں حضرات فیصلہ کے لئے قاضی کے پاس گئے۔ جب قاضی کے پاس سے وہ اٹھے تو حضرت عبداللہ نے اٹھ کر جلدی سے حضرت زیدؓ کی رکاب تھام لی۔ (۵)

(۱) الروض النضیر ۱/ ۹۹ (۲) مقاتل الطالبیین ۱۲۷ (۳) زید بن علی للشیخ ابوزھرہ ۸۵
(۴) تاریخ الطبری ۷/ ۱۸۴، ۱۸۵ (۵) مقاتل الطالبیین ۱۲۹

شجاعت و جوانمردی:-

امام زید بن علی رضی اللہ عنہ بہادر و خود دار تھے کلمہ حق کے اظہار میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ آپ کے پاس روافض آئے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سوالات کرنے لگے۔ آپ نے پوری قوت و صراحت سے جواب دیا" میں نے ان دونوں حضرات کے سلسلہ میں اچھی بات ہی سنی ہے۔ دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کا پورا حق ادا کیا۔ (۱)

ایک مرتبہ روافض نے آپ سے کہا۔۔ کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے اپنی براءت کا اعلان کریں۔ آپ نے ان کی اس گذارش کو قبول نہیں کیا بلکہ فرمایا۔ میں ان دونوں حضرات کو اپنا مقتدا مانتا ہوں اور جو ان سے براءت کا اعلان کرتا ہے میں بھی اس سے براءت کا اعلان کرتا ہوں (۲)

ھشام بن عبدالملک نے آپ کی شخصیت کو داغدار کرنے اور تذلیل کا ارادہ کیا سلطانی قوت و ہیبت کی پرواہ کئے بغیر آپ نے پوری جرأت و شجاعت کے ساتھ جوابات دیئے۔ ھشام نے جب آپ کو ایک سندی باندی کے لڑکے ہونے کا عار دلایا اور یہ کہا" خاموش رہ۔ تیرا برا ہو۔ خلافت کے سلسلہ میں تیرا نفس خود تجھ سے جھگڑا کر رہا ہے کیونکہ تو ایک باندی کا لڑکا ہے"۔ آپ نے فرمایا" اے امیر المومنین۔ آپ کی بات کا جواب میرے پاس ہے اگر پسند کریں تو جواب دوں ورنہ خاموش رہوں۔ اس نے کہا جواب دو۔ آپ نے فرمایا۔ مائیں مراتب میں مردوں سے کم نہیں ہیں۔ ام اسماعیل ام اسحاق کی باندی تھیں۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں عربوں کے لئے نبی بنا کر مبعوث کیا۔

(۱) شرح رسالۃ الحور العین للحمیری ۱۸۴

(۲) تہذیب تاریخ ابن عساکر ۶/ ۲۰

پھر انہیں کی اولاد میں خیر البشر حضرت محمد ﷺ کو پیدا فرمایا۔ تم ایک باندی کے فرزند ہونے پر مجھے عار دلاتے ہو۔ میں تو فاطمہ و علی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہوں اس کے بعد اشعار پڑھتے ہوئے مجلس سے اٹھ کر چلے آئے۔

شرده الخوف وازرى به　　كذاك من يكره حر الجلاد
منخرق الكفين يشكو الجوى　　تنكثه اطراف مرو حداد
قد كان فى الموت له راحة　　والموت حتم فى رقاب العباد
ان يحدث الله له دولة　　يترك آثار العدا كالرماد (۲)

ترجمہ:۔ خوف نے اس کو دھتکارا اور ست کر دیا ہے آزادی و استقلال کو جو ناپسند کرتا ہے اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ تلوے پھٹ گئے ہیں سوزش عشق کی شکایت ہے۔ سخت قسم کے نکیلے پتھروں نے اسے زخمی کر دیا ہے۔ موت میں اس کے لئے راحت ہے۔ بندوں کو موت سے تو دوچار ہونا ہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے حکومت عطا کرے تو صحراء کی ریت کی طرح دشمنی کے نشان چھوڑے گا۔

آپ کی شجاعت و جوانمردی کا یہ عالم تھا کہ جب دشمن کی تعداد ۱۵ ہزار تھی اور آپ کے ساتھ مجاھدین کی صرف وہ تعداد تھی جو غزوہ بدر میں صحابہ کرام کی تھی یعنی تقریباً ۳۰۰ مجاھدین آپ کی کمان میں تھے (۱) لیکن آپ کے پایۂ استقلال میں جنبش نہ ہوئی۔ جوانمردی کے ساتھ پیش قدمی کرتے رہتے جب آپ کے لشکریوں نے ساتھ چھوڑ دیا آپ کے پاس مجاھدین کی قلیل تعداد رہ گئی پھر بھی آپ دشمنوں سے برسرپیکار رہے اور یہ شعر پڑھتے رہتے۔

(۱) مروج الذهب للمسعودی ۳/۲۱۸

اذل الحیاۃ وعز الممات وکلا اراہ طعاما وبیلا
فان کان لابد من واحد فسیری الی الموت سیرا جمیلا (۱)

ترجمہ:-

ذلت کی زندگی عزت کی موت دونوں میری نظر میں مضر کھانے کی طرح ہیں۔ اگر دونوں میں سے ایک کا آنا ناگزیر ہے تو موت کی جانب خوش رفتاری کے ساتھ چل

امام زید بن علیؓ نے انتہائی خوددار و غیور طبیعت پائی تھی۔ آپ کا نفسِ خوددار ظلم کو دیکھ کر بے قرار ہوجاتا اور اس کے ازالہ کی فکر دامنگیر ہوجاتی۔ (۱)

صبر و وقار:-

امام زید بن علی رضی اللہ عنہ صبر و وقار کا پیکر مجسم تھے بڑے معاملات میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پاتا تھا۔ معاملہ فہم تھے۔ بڑی حکمت کے ساتھ معاملات سلجھاتے تھے۔ مخالف و معترض کی بات پوری سنجیدگی و متانت سے سماعت فرماتے پھر پورے وقار کے ساتھ بات کا جواب دیتے۔ (۲)

چچازاد بھائی عبداللہ بن الحسن مثنی بن حسن بن علی اور آپ کے مابین اوقاف علی کے سلسلہ میں تنازعہ ہوا۔ معاملہ ابراہیم بن ہشام گورنر مدینہ کے پاس پہنچا۔ ایک انصاری معترض ہوا۔ آپ نے اس سے کہا تمہیں دخل در معقولات کرنے کی کیا ضرورت۔ تم تو قحطان سے تعلق رکھتے ہو اس نے کہا۔ خدا کی قسم میں تم سے بہتر ہوں۔ ذاتی طور پر بھی اور والدین کے اعتبار سے بھی۔ زید بن علیؓ خاموش رہے۔ ایک قریشی نے بڑھ کر جواب دیا خدا کی قسم تو جھوٹا ہے۔ ان کی شخصیت تجھ سے ہر اعتبار سے بالاتر ہے۔

(۱) زید بن علی لابی زہرہ ۷۸۔ ۷۹

(۲) الروض النضیر لاحمد السیاغی ۱/۱۰۱

ذاتی طور پر وہ تجھ سے بہتر ہیں اور ان کا حسب و نسب بھی تیرے حسب و نسب سے بہت عالی ہے۔ والی مدینہ نے کہا تم انہیں کیا جانو۔ قریشی نے مٹھی میں کنکریاں لیں اور زمین پر پھینک کر بولا۔ خدا کی قسم بس صبر کی حد ہو گئی عبداللہ اور امام زید بن علی نے بھانپ لیا کہ والی مدینہ ان کے اس جھگڑے پر زیر لب مسکرا رہا ہے۔ عبداللہ اٹھے کہ اس سے بات کریں اور امام زید بن علی کو بلایا وہ خاموش رہے اور والی مدینہ سے کہا۔ واللہ تو نے ہمیں جس چیز کے لئے جمع کیا ہے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کبھی اس کے لئے ہمیں نہیں طلب کیا۔ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ ہمارا کوئی مقدمہ میری زندگی میں تیرے پاس نہیں آئے گا نہ حق نہ ناحق۔ پھر عبداللہ سے فرمایا۔ اے ابن عم چلو یہاں سے نکل چلو۔ وہ دونوں حضرات اٹھ کر چلے گئے اور مجلس برخواست ہو گئی (۱)

غور فرمائیں کہ امام زید بن علیؒ نے اس قحطانی آدمی کی نازیبا حرکت پر کیسی خاموشی اختیار کی اور جواب تک نہیں دیا۔ نیز یہ کہ والی مدینہ نے ان کے ساتھ گستاخی کی تو تازندگی اپنے بھتیجے عبداللہ سے جھگڑا نہ کرنے کا عزم کر لیا اور یہ کہ عبداللہ کو اٹھ کر عدالت سے نکل چلنے کو کہا اور دونوں ساتھ نکل آئے۔

صبر آپ کی طبیعت میں اس طرح رچ بس گیا تھا جس طرح پھول میں خوشبو رچی اور بسی ہوتی ہے۔ صبر آپ کی علامت بن گئی تھی۔ بقول مقریزی آپ کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا۔ ''اصبر توجر واصدق تنج'' (۲) مقاتل الطالبین کے مصنف کا کہنا ہے کہ انگوٹھی پر ''اصبر توجر وتوق تنج'' کا نقش تھا'' (۳)

(۱) تاریخ الطبری ۷/۱۶۳ (۲) الروض النضیر۔ ۱/۱۰۱

(۳) مقاتل الطالبین ۱۳۲

عامتہ المسلمین سے محبت اتقیاء اور مصلحین کی یہ عادت شریفہ رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کی وحدت کو پسند کرتے اور ہر وہ چیز جو ان کے لئے خیر کا باعث ہو اسے محبوب رکھتے ہیں۔

امام زید بن علیؓ کی بھی یہی عادت شریفہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو قعر مذلت سے نکالنے اور ثریا پر پہونچانے کے لئے ہر طرح کی قربانی پیش کی۔ اور اپنی جان کی پرواہ نہ کی خود امام زید بن علیؓ فرماتے ہیں جب میں کتاب اللہ اور سنت رسول کو نافذ کرنے کا فریضہ انجام دے رہا ہوں تو اب ہمیں کسی چیز کی پرواہ نہیں۔ خواہ آگ جلا کر مجھے اس میں جھونک دیا جائے اور میں اپنے رب حقیقی سے جا ملوں (۱)

ابو الفرج الاصفہانی نے اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں عبد اللہ بن مسلم البابکی سے نقل کیا ہے "ہم زید بن علیؓ کے ساتھ نکلے نصف لیل میں ثریا جب اپنے عروج پر آیا تو فرمایا اے بابکی۔ ثریا کو دیکھتے ہو۔ کیا کوئی ایسا ہے جو اسے پالے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا واللہ میری آرزو یہ ہے کہ میرے دونوں ہاتھ اس سے بندھے ہوں پھر میں ثریا سے زمین پر گروں میرے پرخچے اڑ جائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان صلح کرادے۔ (۲)

(۱) الروض النضیر ۱/۱۲۸

(۲) مقاتل الطالبین ۱۷۹

سیّدنا زید بن علی رضی اللہ عنہ

امام زیدؓ کی شخصیت بڑی غیور و باحمیت واقع ہوئی تھی۔ حق کو مٹتا وہ دیکھ نہیں سکتے تھے انہوں نے ہشام بن عبدالملک کے مظالم اور منکرات و فواحش کو دیکھا تو اس کے ازالہ کے لئے کمر کس لی! آزمائشیں بڑھتی رہیں لیکن ان کے پائے استقلال میں جنبش نہ ہوئی:۔

امام زیدؓ کے خروج کے اسباب:۔ ھشام بن عبدالملک کے خلاف ان کے خروج کے جو اسباب و عوامل مؤرخین نے ذکر کئے ہیں ان کا تذکرہ ہم بعد میں کریں گے۔ پہلے ہم ان اسباب و عوامل کا تذکرہ کرتے ہیں جو دیگر مصنفین کی کتب میں مذکور نہیں ہیں۔

(۱) سب سے پہلا سبب ان کی اپنی تکوینی شخصیت ہے کہ وہ تقویٰ و غیرت علی الحق کے قوام سے تیار ہوئی تھی۔ ان کی شخصیت پر جس نے بھی قلم اٹھایا ہے سب نے بالاتفاق یہ بات ذکر کی ہے کہ وہ تقویٰ کے اعلیٰ مراتب پر فائض تھے، عظمت تقویٰ ہی نے طلب حق، اس کا برملا اظہار کرنے اور اس سے سرمو بھی انحراف نہ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں خروج جہاد، پھر ان کی شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔

(۲) دوسرا سبب ھشام بن عبدالملک اور اس کے والیوں کی ظلم و زیادتیاں ہیں کہ انہوں نے امام زیدؓ کو آزمائشوں کا نشانہ بنایا اور انہیں رسوا کرنے کی پوری کوشش کی۔ اھل بیت کی عزت کے ساتھ استہزاء کیا ان کے حقوق کو سلب اور ان کے خون میں

اپنے ہاتھ رنگین کئے۔ اور امام زیدؓ کے جد بزرگوار سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ (۱)

(۳) تیسرا سبب مزاج حکومت اور اس کا طرز ترقی ہے:۔ یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ حادثہ تحکیم کے بعد خطرناک نتائج سامنے آئے شورائی خلافت کا خاتمہ ہوا۔ موروثی بادشاہت نے اس کی جگہ لے لی یزید کے ہاتھوں پر بالجبر بیعت لی گئی۔ (۲)

جابرانہ وتذلیلانہ سیاست کو فروغ دیا۔ یزید بن معاویہ نے مدینۃ الرسول کی حرمت پامال کی رعایا پر گورنروں نے دست درازیاں کیں خصوصاً عراق کے اندر کثرت سے رعایا کا خون بہا، اور سرزمین کربلا میں اھل بیت کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عراق کے اندر انقلابی تحریکوں کا ایک سلسلہ چل پڑا ثورہ توابین ثورہ مختار اور ثورہ امام زیدؓ کے اسباب و عوامل یہی مذکورہ مظالم و زیادتیاں ہیں ان انقلابی تحریکوں میں امام زیدؓ کی انقلابی تحریک کا خاصہ یہ ہے کہ صرف ظلم کا خاتمہ اور حالات کی اصلاح کے لئے تھی کہ صحیح اسلامی شورائی اور عدل و انصاف پر مبنی نظام حکومت سامنے آئے۔

(۴) چوتھا سبب مظالم و منکرات کی عمومیت ہے:۔ امام زید رضی اللہ عنہ کی غیور و باحمیت شخصیت نے دیکھا کہ لوگ مظالم کا شکار ہو رہے ہیں اور منکرات کا بند ٹوٹتا چلا جا رہا ہے تو آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے اور رفع مظالم کے لئے کمر کس لی۔ جن مظلومین پر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی جزیہ کی ادائیگی ضروری قرار دے دی گئی تھی ان پر آپ نے خصوصی توجہ کی۔ محمد بن عمر کا قول ہے حضرت زید نے جب دیکھا کہ زمین ظلم وجور سے بھر گئی ہے تو سر پر کفن باندھ کر شہادت کو گلے لگا کر نکل کھڑے ہوئے۔

حاشیہ: (۱) الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ۵/۲۳۱-۲۳۲ تاریخ طبری ۷/۱۶۲-۱۶۷
(۲) تاریخ الاسلام السیاسی ۲۸۱-۲۸۴

خود امام زید کا قول ہے کہ میری انقلابی تحریک کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اخیر وقت میں جب کہ وہ اپنے رفقاء کے ساتھ عازم جہاد ہوئے اور ان کا پھریرا ہوا میں لہرانے لگا تو ان کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے " الحمدللہ الذی اکمل لی دینی لقد کنت استحی من رسول اللّٰہ ان اردعلیہ ولم آمر بامتہ بمعروف ولم أنہ عن منکر "(۱)

ترجمہ:۔ تعریف ہے اس اللہ کی جس نے میرے لئے میرے دین کو مکمل کردیا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرم آتی تھی کہ آپ کے حضور میری حاضری اس حالت میں ہو کہ آپ کے کسی امتی کو بھلائی کا حکم نہ دیا ہو اور نہ ہی کسی کو برائی سے روکا ہو۔

محمد بن عمر بن علی ابن ابی طالب نے جب آپ سے گفتگو کی تو صراحت کے ساتھ ہشام بن عبدالملک کے ظلم کو بیان کیا فرمایا! ہم بے گناہ تھے، ھشام ہمیں حجاز سے شام، جزیرہ، عراق پھر قبیلہ ثقیف کے رئیس کے پاس لے کر گیا اور وہ میرے ساتھ استہزا کر رہا تھا۔

(۵) پانچواں سبب یہ تھا کہ کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دار الخلافۃ تھا، وہاں ان کے متبعین و مؤیدین موجود تھے، کوفہ کی پوری فضا حضرت علیؓ اور اہل بیت کے ساتھ تھی لوگ حضرت علیؓ کی خوبیاں بیان کرتے انہیں خلافت کا اہل بتاتے اور اس کا چرچا کرتے تھے، بنو امیہ کی برائیاں بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ انہوں نے خلافت حضرت علیؓ سے چھین کر ان پر ظلم کیا ہے۔

اگر اموی اہل کوفہ کے ساتھ بہتر برتاؤ کرتے تو ممکن تھا کہ امویوں سے اھل کوفہ کی دشمنی اور اہل بیت سے محبت میں جو حدت تھی اس میں کمی آتی، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ زیاد بن ابیہ، عبیداللہ بن زیاد، حجاج بن یوسف جیسے تند خو۔ درشت مزاج لوگوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ ان لوگوں نے عراق پر جابرانہ حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ لہذا فطری بات تھی کہ امام زیدؓ جب کوفہ کا رخ کریں۔ تو اہل کوفہ ان کی آمد پر خوش ہوں، ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر انہیں اہل بیت کے حقوق کے حصول اور رفع مظالم کے لئے کھڑا کریں۔ (۱)

ہشام بن عبدالملک کے خلاف زید بن علی رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہونے کے اسباب و عوامل جو دیگر مؤرخین نے ذکر کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) ہشام بن عبدالملک نے خاصان مملکت کے روبرو امام زیدؓ کے ساتھ ھتک آمیز سلوک کیا۔ ہیثم بن عدی کا بیان ہے زید بن علی، محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب، داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس، گورنر عراق خالد بن عبداللہ کے پاس آئے، اس نے ان حضرات کو انعامات سے نوازا، وہ حضرات مدینہ واپس تشریف لے آئے، جب یوسف بن عمر عراق کا گورنر ہوا تو اس نے ہشام کے پاس ان حضرات کے اسماء گرامی لکھ بھیجے کہ انہیں انعامات سے نوازا گیا ہے، مزید یہ بات بھی لکھی کہ مدینہ کے اندر ایک قطعہ اراضی خالد نے زید بن علیؓ کے ہاتھ دس ہزار دینار میں فروخت کی۔

حاشیہ:- (۱) تاریخ طبری ۱۶۹/۷

پھر وہ دینار بھی انہیں واپس کر دیئے، ہشام نے مدینہ کے گورنر کو یہ تحریر ارسال کی کہ ان حضرات کو فوراً اس کے پاس بھیجا جائے۔ چنانچہ ہشام نے پوری تفصیل معلوم کی۔ ان حضرات نے انعام کا اقرار کیا دیگر الزامات کا انکار کر دیا۔ پھر اس نے امام زیدؓ سے زمین کی بابت پوچھ پاچھ کی، امام زیدؓ نے اس کا بھی انکار کیا۔ ہشام نے ان کی بات نہیں مانی، ان حضرات نے اس کے سامنے قسم کھائی تب اس نے ان حضرات کی تصدیق کی۔(۱)

ابن عساکر نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ہشام نے ان حضرات کو یوسف بن عمر کے پاس بھیج دیا ان لوگوں نے اس کے سامنے قسم کھائی تو اس نے ان کی بات مانی اور انہیں چھوڑ دیا،(۲) یعقوبی کی روایت کے مطابق ہشام نے ان کو باندی کی اولاد ہونے کا بھی طعنہ دیا۔(۳)

(۲) ہشام بن عبدالملک نے امام زیدؓ اور ان کے رفقاء پر یہ الزام لگایا کہ وہ اس کے خلاف خروج کی تیاری کر رہے ہیں۔ پھر اس کی تحقیق میں اس نے مغلظات بکے، ابن عساکر نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابن خالد بن عبداللہ القسری نے امام زیدؓ، داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس، ایوب بن سلمہ المخزومی۔ محمد بن عمر بن علی، سعد بن ابراھیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کے خلاف یہ بات کہی کہ یہ حضرات ہشام بن عبدالملک کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے، ہشام نے امام زیدؓ سے کہا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم ہماری خلافت کو تسلیم نہیں کرتے۔

حاشیہ:۔

(۱) تاریخ طبری، ۱۶۰/۷

(۲) تاریخ دمشق لابن عساکر المخطوط، ج ۴، ص ۱۱۶ رقم ۵۸۰/۵۷۷ الخطط للمقریزی ۳۳۶/۳، الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ۲۲۹/۵

(۳) تاریخ الیعقوبی ۳۲۵/۲-۳۲۶

آپ نے فرمایا:۔ امیر المومنین آپ کو جو بات معلوم ہوئی صداقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اس نے کہا! لیکن میں اسے صحیح سمجھتا ہوں۔آپ نے فرمایا: میں قسم کھاسکتا ہوں اس نے کہا! تمہاری قسم کا کوئی اعتبار نہیں، امام زیدؒ نے فرمایا: جس شخص کے سامنے اللہ کی قسم کھائی جائے اور وہ اس کی تصدیق نہ کرے اللہ تعالیٰ اس کے مقام و مرتبہ کو بلند نہیں کرتا، ہشام نے کہا، میرے سامنے سے نکل جاوَ۔ امام زیدؒ نے فرمایا، اب ہماری تمہاری ملاقات میدان کارزار ہی میں ہوگی، ہشام کے دربار سے نکلتے وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے، جسے جان و دل عزیز ہو اس کی زندگی کا ہر لمحہ ذلت و رسوائی سے عبارت ہے، دربان نے آپ سے عرض کیا یہ بات کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے۔(۱)

(۳) اوقاف علی کے سلسلہ میں امام زیدؒ اور عبداللہ بن الحسنؒ بن حسن کے درمیان اختلافات ہوئے، اور حالات کچھ کشیدہ ہوگئے۔ بات خالد بن عبد الملک اور ہشام تک پہنچی ۔ انہوں نے امام زیدؒ کے ساتھ نہ صرف یہ کہ نا مناسب برتاؤ کیا بلکہ آپ کی تذلیل کی۔(۲)

خلاصہ کے طور پر یہ سمجھ لیں کہ کتب تاریخ و سیرت سے صحیح و سچی بات جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ امام زیدؒ کا جہاد رفع مظالم، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے تھا۔آپ کا یہ دعوی ہرگز نہیں تھا کہ آل بیت رسول امامت کے زیادہ حق دار ہیں یا یہ کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما غاصب تھے۔ اور انہوں نے خانوادہ رسول اللہ سے امامت غصب کرلی تھی۔ جن روایات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ امام زیدؒ آل بیت رسول کو امامت کا زیادہ حق دار تسلیم کرتے تھے مثلاً۔

(۱) تاریخ دمشق لابن عساکر ج۴/ ۱۰۱ - ۲۰۰ خطط المقریزی ۳/ ۳۴۷

(۲) تاریخ دمشق لابن عساکر ج۴/ ۱۰۱ - ۲۰۰ خطط المقریزی ۳/ ۳۴۷

(۳) الکامل فی التاریخ لابن الاثیر- ۵/ ۲۳۰- ۲۳۲ تاریخ الطبری ۷/ ۱۶۴- ۱۶۵

ان الامام منا اهل البیت المفترض طاعته هو الذی یامر بالمعروف وینھی عن المنکر(۱) یہ یا اس طرح کی دوسری روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان حضرات سے متعلق ہیں جو امامت کے لئے پائی جانے والی صفات سے متصف ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس میں یہ تذکرہ ہو کہ حضرت علیؓ نے امامت کے سلسلہ میں کوئی وصیت کی تھی۔ غالی روافض کا یہ کہنا کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما غاصب تھے اور حضرت علیؓ نے امامت کے سلسلہ میں وصیت کی تھی، محض ایک افتراء ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ہماری اس بات کی تائید متعدد روایات سے ہوتی ہے۔ عوانہ بن حکم راوی ہیں۔ جب امام زید بن علی علیہ السلام کے سامنے یہ بات کھل کر آگئی کہ اب جہاد لازمی ہے۔ تو آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا۔ ان کے سامنے ایک تقریر کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ کا تذکرہ کیا اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کی۔ لوگوں نے کہا! ہم نے آپ کی بات سنی۔ آپ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ان حضرات کے سلسلہ میں میرا یہی کہنا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہترین صحبت اٹھائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ انہوں نے جہاد کیا ہے اور اس کا حق ادا کیا، اہل بیت میں سے کسی کو ان دونوں حضرات سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے میں نے نہیں سنا۔ ہر ایک نے ان کے سلسلہ میں بھلی بات ہی کہی ہے۔ لوگوں نے کہا: تب آپ اہل بیت کے خون کا مطالبہ اور موجودہ حکومت کے مظالم کو ختم کرنے کی بات کیوں کرتے ہیں۔ انہیں دونوں نے تو آپ کے ہاتھوں سے امامت چھینی ہے۔ لوگوں کو آپ کے خلاف اکسایا ہے۔

حاشیہ:۔ شرح رسالۃ الحور العین۔ ۱۸۸

اور آج تک وہ آپ کے خون کے پیاسے ہیں آپ نے فرمایا: دونوں حضرات نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق حکومت کی ہے۔ لوگوں نے کہا: ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اگر ظالم نہیں ہیں تو بنو امیہ سے قتال کی دعوت آپ کیوں دیتے ہیں۔ وہ بھی تو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیرو کار ہیں وہ ظالم کیسے ہوئے۔ آپ نے فرمایا: کہاں یہ اور کہاں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کا ان حضرات سے کوئی علاقہ نہیں۔ یہ تم پر بھی ظلم کر رہے ہیں، اپنی جانوں پر بھی ظلم کر رہے ہیں۔ اور آل بیت رسول پر بھی، میں تمہیں کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل پیرا ہونے، بدعات کا قلع قمع کرنے بنو امیہ کے ظلم کا خاتمہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم نے میری بات مان لی تو تم خوش نصیب ہو۔ اگر انکار کیا تو تم پر میری کوئی ذمہ داری نہیں۔ (۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں۔ کوئی بھی بغاوت (ابن اشعث وغیرہ کی بغاوت) ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے خلافت کے باعث نہ تھی بلکہ ان سب کا حضرات شیخین کی خلافت پر اتفاق تھا۔ یہ بغاوت صرف سلطان وقت کے خلاف تھی، جب بھی کسی نے سلطان وقت سے نزاع کیا تو کچھ لوگوں نے اس کا ساتھ دیا۔ اور کچھ لوگ اس کے خلاف ہوگئے، عہد بنو امیہ میں جن تحریکوں کا ظہور ہوا، وہ بھی کچھ اسی طرح کی تھیں، امام زید بن علی بن حسینؓ ہشام بن عبدالملک کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور لوگوں سے مطالبہ کیا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ ان کا یہ قتال امامت کے ان اصولوں پر مبنی نہیں تھا، جو روافض ان کی جانب منسوب کرتے ہیں، بلکہ وہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اپنا مقتدا مانتے تھے۔ (۲)

حاشیہ:۔

(۱) شرح رسالۃ الحور العین للحمیری۔ ۱۸۴-۱۸۵

(۲) منہاج السنۃ النبویۃ لابن تیمیۃ۔ ۳/۲۷۷

ابن خلدون رقمطراز ہیں :- امام زید بن علی رضی اللہ عنہ نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کیا، ان کی دعوت یہ تھی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کیا جائے، ظالموں سے جہاد اور کمزوروں کی جانب سے دفاع کیا جائے۔ جن لوگوں کے حقوق نہیں مل رہے ہیں ان کی ادائیگی کی جائے۔ مال غنیمت کی تقسیم میں عدل سے کام لیا جائے۔ مظالم کا خاتمہ ہو اور خیر کا فروغ، اہل بیت رسول کی مدد کی جائے (۱)

شیخ ابوزہرہ کی بھی یہی رائے ہے۔(۲) ڈاکٹر علی الشابی لکھتے ہیں :- اسباب خروج زید ہمیں امام زید کی حیات مبارکہ ہی میں مل سکتے ہیں۔ صحیح و سچی بات یہ ہے کہ امویوں کا ظلم، آل بیت رسول اور ان کے متبعین کے خون کی ارزانی، ضعفاء و موالی کے ساتھ تعصبانہ برتاؤ جس کو آپ نے سن بلوغ ہی سے پوری طرح محسوس کیا تھا۔ اور آپ کی فطری صفات حمیدہ آپ کے خروج کا سبب بنیں۔

امام زیدؓ اور ہشام کے درمیان جو جھڑپیں ہوئیں اس کو ہوا دینے والی وہ گھڑی تھی جس میں امام زیدؓ کے خاتمہ کا فیصلہ کیا گیا تھا(۳) ڈاکٹر نشار کی تحریر بھی پڑھتے چلیے۔

"امام زید بن علیؓ کے سلسلہ میں جس فیصلہ کن نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ امام زید شیعہ مطلق نہیں تھے، نہ ہی ان کی تحریک شیعی تحریک تھی۔ وہ ایک خالص اسلامی تحریک تھی، ظالم امام کے خلاف خروج کرنا اس کا مقصد تھا، اس تحریک کو برپا کرنے والے عالم اسلام کے ممتاز ترین عالم تھے، خانوادہ نبوت سے ان کا تعلق تھا، حضرت علیؓ کی اولاد میں سے تھے۔(۴)

روایات مذکورہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، رفع مظالم، کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کو میزان قرار دینا، بدعات کا ازالہ کرنا، امام زیدؓ کے خروج کے اسباب تھے، نیز یہ کہ حکومت اسلامیہ کی باگ دوڑ بنو امیہ کے ظالم

(۱) تاریخ ابن خلدون ۹۸/۳ (۲) تاریخ المذاہب الاسلامیہ لابی زہرہ ۴۸/۱
(۳) مباحث فی علم الکلام والفلسفہ ۱۱۵ (۴) نشاۃ الفکر الفلسفی فی الاسلام ۱۲۷/۲

ہاتھوں سے نکل کر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آئے جو امانت دار ہوں۔ اور حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری کو بخوبی انجام دے سکیں۔ شیعوں کا یہ عقیدہ کہ امامت اہل بیت رسول اللہ ﷺ کا ہی حق ہے کوئی اس کا حقدار نہیں۔ اور امام زید کا خروج اہل بیت رسول ﷺ کی امامت ہی کے لئے تھا۔ محض ایک افتراء ہے۔

بیعت:۔

امام زید بن علیؓ ہشام بن عبدالملک کے خلاف کھڑے ہوئے تو انہوں نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز کوفہ کو بنایا، اور لوگوں سے بیعت لینی شروع کی، باشندگان کوفہ کی اکثریت نے امام زید کے ہاتھوں پر بیعت کرلی۔ اس میں عوام و خواص سب شامل تھے۔ پھر آپ نے بیرون کوفہ کارندے بھیجے، اور دور دراز کے لوگوں نے بھی بیعت کر لی، آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے والوں کے ۱۵ ہزار اسماء آپ کے دیوان میں درج ہیں۔ یہ تعداد صرف اہل کوفہ کی ہے، دوسری جگہوں کے بیعت کرنے والوں کے اسماء اس میں درج نہیں۔ ابو معمر کا قول ہے! اسی ہزار لوگوں نے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ آپ کی بیعت کا انداز یہ تھا سب سے پہلے آپ فرماتے ہم تمہیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف۔ ظالموں سے جہاد کرنے، کمزوروں کی جانب سے دفاع کرنے کی طرف، مال غنیمت کو مستحقین میں تقسیم کرنے، ظلم کا خاتمہ کرنے، خانوادہ رسول کی نصرت اور ان سے برسرپیکار لوگوں کے مقابلہ کے لئے بلاتا ہوں، کیا اس بات پر تم ہم سے بیعت کرتے ہو، کسی کا جواب اگر اثبات میں ہوتا تو اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتے، پھر فرماتے۔ اللہ کا اور اس کے رسول کا واسطہ تم میری بیعت کو ضرور پوری کرنا ہمارے ساتھ دشمنوں سے قتال کرنا۔ اور ہمارے سامنے رہو یا نہ رہو ہر حال میں تم ہمارے مخلص بن کر رہنا جب وہ کہتا جی ایسا ہی کرونگا، توآپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر پھیرتے۔ پھر فرماتے۔ **اللھم اشھد** "اے اللہ تو گواہ رہنا"

(۱) تاریخ طبری ۷/۱۷۳ الکامل فی التاریخ ۵/۲۳۳ الخطط للمقریزی ۳/۳۳۸

میدان کارزار میں:۔

ہشام بن عبد الملک کی حکومت کے خلاف جہاد کے لئے یکم صفر ۱۲۲ھ بدھ کی رات کی تعیین عمل میں آئی۔ یوسف بن عمر کو جو اس وقت عراق کا گورنر تھا اس کو علم ہوگیا اس نے اھل کوفہ کو مسجد اعظم میں محصور کردیا اور آگے بڑھ کر خود امام زیدؓ پر چڑھائی کردی۔ اس طرح آپ کو قبل از وقت مورچہ سنبھالنا پڑا۔ اس معرکہ میں دونوں فوجوں کے تناسب میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ طبری کے قول کے مطابق امام زیدؓ کی فوج ۲۱۸ (۱) اور صاحب مقاتل الطالبیین کی تحریر کے مطابق پانچ سو افراد پر مشتمل تھی جب کہ اموی فوج بارہ ہزار افراد پر (۲) پھر بھی دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ یہ امام زید کی شجاعت کا کارنامہ تھا کہ جنگ کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ اگر اھل کوفہ نے پیمان شکنی نہ کی ہوتی تو امام زیدؓ ضرور فتح سے ہمکنار ہوتے لیکن شومی قسمت اھل کوفہ اپنے عہد سے پھر گئے۔ انہوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور امام زیدؓ نے جام شہادت نوش کیا۔

شہادت اور تدفین:۔

مورخ طبری امام زید بن علیؓ کی شہادت کی تصویر یوں کھینچتے ہیں۔ امام زید بن علیؓ اور ان کے فدائی معرکہ میں ڈٹے رہے کہ اچانک رات کو آپ کی پیشانی کی بائیں جانب ایک تیر لگا اور دماغ میں پیوست ہوگیا آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آگئے۔

سلمہ بن ثابت اللیثی اور معاویہ بن اسحاق کے غلام دونوں امام زیدؓ کے ساتھ تھے۔ وہ سب سے اخیر میں واپس ہوئے۔ سلمہ کا بیان ہے کہ میں اپنے ساتھی کے ساتھ

(۱) تاریخ طبری ۱۸۲/۷ الخطط للمقریزی ۳۴۰/۳ (۲) مقاتل الطالبیین للاصفہانی ۱۴۰

امام زیدؓ کی تلاش میں نکلا۔ آپ حران بن کریم کے گھر میں قیام پذیر تھے۔ میں آپ کے پاس گیا اور عرض کیا۔ میری تمنا ہے کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ خدا اس آرزو کو پورا فرمائے۔ آپ کے ساتھی شقیر نامی ایک طبیب کو لے کر آئے۔ اس نے پیشانی سے وہ تیر کھینچا میں اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ بخدا وہ تیر نکلا ہی تھا کہ بیساختہ آپ چیخ اٹھے۔ تھوڑی ہی دیر میں آپ کی روح پرواز کر گئی۔ اب آپ کی تدفین کا مسئلہ درپیش تھا۔ لوگ شش و بنج میں تھے کہ آپ کے جسد مبارک کو کہاں سپرد خاک کیا جائے۔ میں نے عرض کیا جہاں سے ہم لوگ مٹی کھودتے ہیں اسی گڑھے کی پستی میں دفن کیا جائے۔ لوگوں نے میرا مشورہ قبول کیا۔ دو گڑھوں کے درمیان آپ کی قبر کھودی گئی۔ دفن کے بعد دونوں کا پانی ملا دیا گیا۔ امام زیدؓ کا سندی غلام اس وقت موجود تھا جمعہ کے دن اس نے امام زیدؓ کی قبر کا پتہ بتا دیا۔ حکم بن الصلت نے عباس بن سعید مزنی کو اور اپنے بیٹے کو بھیجا کہ لاش نکال لائیں۔ عباس کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ حکم بن الصلت کا بیٹا ترقی کر لے۔ لہذا لاش وہیں چھوڑ دی جمعہ کی صبح کو زید بن علیؓ کا سر مبارک حجاج بن قاسم بن محمد بن حکم بن عقیل کے ذریعہ یوسف بن عمر کے پاس روانہ کیا۔ (۱)

سؤال في الامام زيد والزيدية :

وجوابه لحضرة العلامة المرحوم الشيخ بكر بن محمد عاشور الصدفي مفتي الديار المصرية ، والعلامة المرحوم الشيخ سليم البشري شيخ الجامع الازهر .

ما قولكم في الزيدية المنتسبين الى الامام زيد بن سيدنا زين العابدين علي بن الحسين بن الامام علي بن ابي طالب رضي الله عنهم، هل هم شيعة(١) أم لا ؟.

فأجاب المفتي ما لفظه :

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده وعلى آله وصحبه. قال العلامة الصبان في كتابه اسعاف الراغبين في سيرة المصطفى وفضائل اهل بيته الطاهرين ، ما ملخصه :

---

(١) المراد بالشيعة عند اصطلاح المتأخرين الغلاة في محبة علي بن ابي طالب ويطلقون على الرافضة . واما الشيعة التي هي مطلق المحبة فكل مؤمن يحب علي بن ابي طالب لحديث : حب علي ايمان وبغضه نفاق . وكانت الصحابة تقول : كنا نعرف المنافق ببغضه لعلي بن ابي طالب كرم الله وجهه . قال في القاموس : شيعة الرجل بالكسر أتباعه وأنصاره . وقد غلب هذا الاسم على كل من يتولى علياً واهل بيته حتى صار اسماً خاصاً لهم .

وأما السيد زيد بن علي زين العابدين بن الحسين بن علي بن ابي طالب فهو أخو محمد الباقر وعم جعفر الصادق ، وهو الذي تنسب اليه الزيدية ، وقد بايعه ناس كثير من اهل الكوفة وطلبوا منـه ان يتبرأ من الشيخين ابي بكر وعمر لينصروه ، فقـال : كلا ، بل أتولاهما . فقالوا : اذن نرفضك ، فقـال : اذهبوا فانتم الرافضة ، فسموا رافضة من حينئـذ . وجاءت طائفة وقالوا : نحن نتولاهما ونتبرأ ممن تبرأ منهما فقبلهم فقاتلوا معه فسموا زيدية[1] . هو في الخطط للمقريزي ما نصه :

وروى ، يعني زيداً ، عن ابيه علي بن الحسين وعن ابان بن عثمان وعبيد الله بن رافع وعروة بن الزبير، وروى عنه محمد بن شهاب الزهري وزكريا بن ابي زائدة وخلف،وروى له ابو داود الترمذي والنسائي وابن ماجه . وذكره ابن حبـان في الثقات وقال رأى جماعة من الصحابة ، قيل لجعفر الصادق بن محمـد الباقر : ان الرافضة يتبرأون من عمك زيد ، فقال : بريء الله ممن تبرأ من عمي ، كان والله أقرأنا لكتاب الله وأفقهنا في دين الله وأوصلنا للرحم ، ما ترك فينا لدنيا ولا لآخرة مثله .

قال ابو اسحاق السبيعي : رأيت زيد بن علي فلم أرَ في أهله مثـله ولا أعلم منـه ولا أفضل ، وكان أفصحهم لساناً وأكثرهم زهداً وبيـاناً . قال الشعبي : والله مـا ولدت النساء افضل من زيد بن علي ولا أفقه ولا أشجع ولا أزهد . وقال ابو حنيفة : شاهدت زيد بن علي كما شاهدت اهله

---

(١) ولا يقال ان المفتي رحمه الله تعالى لم يتكلم عن الزيدية بل قد أفاد وبيّنهم .

فما رأيت في زمانه أفقه منه ولا أعلم ولا أسرع جواباً ولا أبين قولاً ، لقد كان منقطع القرين وكان يدعى بحليف القرآن ، قرأ مرة قوله تعالى : (وإن تتولوا يستبدل قوماً غيركم ثم لا يكونوا أمثالكم) .

فقال : ان هذا لوعيد وتهديد من الله . ثم قال : اللهم لا تجعلنا ممن تولى عنك فاستبدلت به بدلاً . اهـ .

وبالجملة ، فان سيدنا ومولانا الامام زيد ابن سيدنا ومولانا الامام علي زين العابدين ، من خيرة آل بيت النبي صلى الله عليه وآله وسلم ، ومن كبار اهل السنة واهل الزهد والورع ، ومن قال انه شيعي او رافضي او ما أشبه ذلك فقد تعدى وظلم، وسيعلم الذين ظلموا اي منقلب ينقلبون، والله أعلم .

الفقير
بكر بن محمد عاشور
الصدفي الحنفي
(خطه وعليه ختمه)

٢٣ شهر شوال سنة ١٣٢٨

وهذا جواب شيخ الاسلام :

اطلعنا على ما أفتى به فضيلة مفتي الديار المصرية فوجدناه الحق الصراح الذي لا ريب فيه .

شيخ الجامع الأزهر
سليم البشري
(وعليه ختمه)

ماخوذ از مسند الامام زيد رضي الله عنه

امام زیدؓ کی "الجموع فی الفقہ"

قانونِ اسلامی کی سب سے پہلی تصنیف

زیدیہ کی سب سے زیادہ قدیم کتاب الجموع ہے جو ان احادیث اور فتاویٰ پر مشتمل ہے جو امام زید بن علی سے روایت کیے گئے ہیں اور جن کی ترتیب مضامین کے لحاظ سے ہے۔

ڈاکٹر صبحی محمصانی اُردو ترجمہ ص ۸۷: فلسفۂ شریعت اسلام

"زید بن علی کی قانون دانی کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کو ان سے محبت تھی۔ زید بن علی بہت بڑے فقیہ تھے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فقہی معاملات میں ان سے استفادہ کیا تھا۔ کیونکہ وہ امام ابو حنیفہ سے زیادہ معمر اور پرانے ماہر تھے۔ زید بن علی نے جو کتاب لکھی اس کا نام ہے "الجموع فی الفقہ" یہ مشہور کتاب ہے اور اسلامی قانون کی قدیم ترین کتاب ہے۔ جو ہم تک پہنچی ہے۔ یہ کتاب، چھپ گئی ہے اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ کی کتابیں آج کل جس انداز و ترتیب کی ہوتی ہیں، وہی نہج اس میں موجود ہے۔ آغاز ہوتا ہے "کتاب الطہارۃ" سے، جس میں وُضو کے احکام اور غسل کے

احکام ہیں۔ پھر نماز کے احکام، روزہ وغیرہ، عبادات کا بیان، پھر معاملات، پھر دوسری چیزوں کا بیان۔ یہ طرح زید بن علی نے ڈالی اور لوگوں کو اتنی پسند آئی کہ بعد میں کسی نے اس میں ترمیم نہیں کی۔"

(۱)
ڈاکٹر محمد حمید اللہ: خطبات بہاولپور ص ۱۰۱-۱۰۲

یہ بات کہ سب سے پہلے علم سیر کو سیر کا نام کس نے دیا معلوم نہیں، لیکن آج علم فقہ کے موضوع پر قدیم ترین کتاب ہمارے پاس امام زید بن علی (متوفی ۱۲۰ھ) کی ہے۔ امام زید بن علی جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے ایک نامور محدث اور فقیہ تھے۔ فقہ زیدی جو یمن کے علاقوں میں آج بھی مروج ہے وہ انہی کے اجتہادات پر مبنی ہے، ان کی کتاب میں دوسرے فقہی موضوعات کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی قانون کے احکام بھی بیان ہوئے ہیں، ہم کہ سکتے ہیں کہ ان کی مذکورہ کتاب مسلمانوں میں قانون بین الممالک سے بحث کرنے والی فقہ کی قدیم ترین کتاب ہے انتقال سے کتنے سال قبل لکھی، لیکن اگر چند ہی سال پہلے بھی لکھی ہو تو پتہ چلتا ہے کہ علم سیر کو سیر کے نام اور حوالے سے دوسری صدی ہجری کی ابتدا سے پہچانا جانے لگا تھا اور علم سیر قانون کا ایک منفرد اور جداگانہ شعبہ کہلایا جانے لگا تھا۔ یہ وہ دور ہے کہ جب اسلامی قوانین تشکیل پا رہے تھے،

(۲)
ڈاکٹر محمود احمد غازی: خطبات بہاولپور ص ۱۲۳

حضرت زید بن علیؓ کے کچھ اجمالی حالات

حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ

واقعہ یہ ہے کہ دشتِ کربلا کی مصیبت اور اس کے بعد مسلسل بنی اُمیہ کے فولادی پنجوں کی آہنیں گرفتوں نے عام مسلمانوں پر اُوس ڈال دی تھی۔ باطل کے مقابلہ میں اٹھنے کی تاب مسلمانوں میں عموماً باقی نہ رہی اور سب سے زیادہ خصوصیت کے ساتھ جو دنیا میں پیسے گئے، وہ فاطمہ اور علی کی اولاد تھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہ) جب حال یہ ہو گیا ہو جیسا کہ امام زین العابدینؓ سے منقول ہے کہ بیمار ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ان کو قتل کرنے سے چھوڑ دیا۔ فرماتے ہیں کہ ان ہی میں سے ایک آدمی مجھے چھپا کر اپنے گھر لے گیا، اور میری خاطر و مدارات کرتا جب گھر آتا یا گھر سے جاتا تو میرے حال پر ترس کھا کھا کر روتا میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس سے زیادہ وفادار آدمی اب کون ہو سکتا ہے۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان یکن عند احد من الناس خیر ووفاء فعند هذا۔ (طبقات ص ۱۵۷ ج ۵)

اگر بھلائی اور وفاداری کسی کے پاس ہو سکتی ہے تو اس شخص کے پاس ضرور ہو گی۔

مگر فرماتے ہیں، چند روز بھی گذرنے نہ پائے تھے ابنِ زیاد نے عام اعلان کیا کہ علی بن حسینؓ (یعنی امام زین العابدینؓ) کا جو پتہ دے گا اور لا کر حاضر کر دے گا تین سو درم اسے انعام میں دیئے جائیں گے۔ یہ سننے کے ساتھ میرے لئے ہر وقت رونے والا وہی آدمی جس نے مجھے پناہ دی تھی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ رسی لئے ہوئے آرہا ہے اور میرے ہاتھ باندھ کر ان کو گردن سے باندھ رہا ہے روتا جاتا ہے اور باندھتا جاتا ہے یہ بھی کہتا جاتا

ہے کہ اخاف (مجھے ڈر لگتا ہے) اور اسی طرح باندھے مجاندے اس نے اطمینان سے مجھے ابنِ زیاد کے پاس لا کر کھڑا کر دیا اور تین سو درم لے کر روانہ ہو گیا۔ ابنِ زیاد کی نظر جوں ہی کہ مجھ پر پڑی، چند باتوں کے بعد اس نے حکم دیا، کہ اس کی گردن اڑا دی جائے یہ سنتے ہی میری پھوپھی زینب بنت علیؓ چیخ اٹھیں۔

یاابن زیاد حسبک من دمائنا اسئلک باللہ ان قتلته الا قتلتني۔ (طبقات ج ۵ ص ۱۵۷)

ہمارے گھرانے سے جتنا خون لیا گیا ہے ابنِ زیاد وہ بہت کافی ہے میں خدا کا واسطہ دیکر کہتی ہوں اس بچے کو اگر قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو پہلے مجھے قتل کر لے:

ان کی اس چیخ سے ابنِ زیاد متاثر ہو گیا، اور میری جان بچ گئی (دیکھو طبقات ابن سعد) اسی لئے حضرت نے ان لوگوں سے جو اہلِ بیت سے محبت کے دعوے کر کر کے ان حرکات کا ارتکاب کیا کرتے تھے فرماتے کہ

احبونا حب الاسلام فماهرج بناحبكم حتى صار علينا عارا طبقات ص ۱۵۸

بس اسلام کی اخوت کے تعلق سے لوگو مجھ سے محبت کرو تم لوگوں کی محبت تو ہمارے لئے باعث ننگ وعار بن گئی ہے

"کبھی فرماتے کہ تم لوگوں کی اسی محبت نے دنیا کو ہم لوگوں کا دشمن بنا دیا ہے"

یہ بھی فرماتے کہ

"معروف (شرعی نیکیوں) کے کرنے اور منکر (غیر شرعی امور) سے بچنے کے حکم سے اعراض کرنا خدا کی کتاب کو پس پشت ڈالنا ہے"

مگر جن حالات میں وہ گرفتار تھے، ان کی طرف اشارہ کرکے فرماتے الا ان تتقوا منهم تقاه (یعنی بداندشیوں سے بچنے کے لئے بچنے کی کوئی تدبیر کی جائے) پوچھا جاتا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ جواب دیتے کہ

یخاف جباراً عنیداً یخاف ان یفرط علیه او یطغی

زبردستی کرنے والے کینہ پروروں سے آدمی ڈرے، ڈرے اس بات سے کہ وہ ظلم اور زیادتی کریں گے۔

اس اندیشے سے اپنے آپ کو ان کے مظالم سے بچانے کے لئے ایسی تدبیر اختیار کی جائے جو ظلم سے اس کو محفوظ رکھے اہل بیت کو اتنا کچل دیا گیا کہ مدینہ میں جب حرّہ کا واقعہ پیش آیا۔ حالانکہ زیادہ تر اس واقعہ کے پیش آنے میں بڑا سبب حضرت امام حسین علیہ السلام کی کربلا میں شہادت ہی تھی۔ لیکن طبقات میں لکھا ہے خود حضرت سید زین العابدین کا بیان ہے کہ

ملخرج فیها احد من ال ابی طالب ولاخرج من فیها من بنی عبدالمطلب لزموا بیوتهم ص ۱۵۹

ابو طالب کے خاندان میں سے بھی کوئی آدمی اس ہنگامے میں شریک ہونے کے لئے نہ نکلا اور نہ عبدالمطلب کے گھرانے والے نکلے سب کے سب اپنے گھروں میں پڑے رہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد اہلِ بیتِ نبوت والوں نے سیاسی قصوں سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لیا تھا خود امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی عبادت و ریاضت و مجاہدے میں گزاری مدینہ منورہ کے پاس عقیق نامی ندی کے کنارے جو محلہ تھا وہیں آپ نے مکان بنوا لیا اور اپنے بال بچوں خاندان والوں کے ساتھ صبر و شکر کے ساتھ زندگی کے دن پورے کر رہے تھے اگرچہ ریحانۃ النبی سیدنا حسین علیہ السلام کی اولاد ذکور میں آپ تنہا باقی رہ گئے تھے لیکن خدا نے آپ کی اولاد میں برکت دی۔ اپنے بعد کو ذکور و اناث کی شکل میں اپنی اولاد کی کافی تعداد آپ نے چھوڑی جن میں سب سے زیادہ شہرت امام باقر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے حاصل کی، آپ کی والدہ امام حسن رضی اللہ عنہ

کی چونکہ صاحبزادی تھیں اس لئے دونوں بھائیوں کی نمائندگی آپ کا وجود با جود کرتا تھا گو آپ کے ایک حقیقی بھائی عبداللہ بن علی بھی تھے لیکن عظمت واحترام کا جو مقام عالی امام باقر کو حاصل ہوا یہ کچھ ان ہی کی خصوصیت تھی۔ سیدنا زین العابدین کے دوسرے صاحبزادے دوسری عورتوں سے تھے جن میں ایک زید بن علی الشہید رضی اللہ تعالے عنہ بھی ہیں۔

ہندوستان اور خاندان نبوت

لکھنے والوں نے تو خود حضرت امام زین العابدینؒ تک کے متعلق اگرچہ یہ لکھ دیا ہے کہ

قیل ان أم زین العابدین یقال لھا غزالہ وقیل سلامہ من بلادالسند

ص ۱۹۱ الیافعی ج ۱

کہا گیا ہے کہ امام زین العابدینؒ کی والدہ جن کا نام غزالہ یا بعض سلامہ بتاتے ہیں۔ سندھ کی رہنے والی تھیں۔ گویہ اس عام اور مشہور روایت کے خلاف ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ یزد جرد کی شاہزادی تھیں جن کا ایرانی نام شہر بانو اور عربی نام سلافہ رکھا گیا تھا الیافعی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

(۱) **وامہ سلافہ بنت یزد جرد** ــــ حضرت زین العابدین کی والدہ کا نام سلافہ تھا یزد گرد

(۱)۔ الیافعی نے اسی سلسلہ میں الزمخشری کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایران کے قیدی جب مدینہ لائے گئے تو یہ معلوم کرکے ان قیدیوں میں شاہی خاندان کی چند شاہزادیاں بھی ہیں حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو یہ مشورہ دیا کہ شاہی خاندان کی شاہزادیوں کے ساتھ عوام کا معاملہ کرنا درست نہ ہوگا۔ آخر حضرت علیؓ نے ان تینوں شاہزادیوں کو بیت المال میں قیمت ادا کرکے لے لیا اور آپ ہی نے ان میں سے ایک کو حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ اور دوسری کو حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے محمد اور تیسری کو امام حسین علیہ السلام کو عطا فرما دیا۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ان ہی شاہزادی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے گھر میں جو شاہزادی داخل ہوئیں ان سے سالمؒ اور محمد بن ابی بکر والی شاہزادی سے قاسم بن محمدؒ پیدا ہوئے تینوں

حضرت زید رضی اللہ عنہ

بہر حال امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی رگوں میں ہندوستانی خون تھا یا نہ تھا۔ لیکن ان کے صاحبزادے زید کے متعلق مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ان کی والدہ ہندیہ تھیں۔ طبری نے حضرت زید اور ان کے چچازاد بھائی عبداللہ بن حسنؓ سے جس گفتگو کو نقل کیا ہے اس میں عبداللہ بن حسنؓ نے صاف لفظوں میں زید کو کہا کہ:۔

یا ابن الھند کیہ اے ہندوستانی عورت کا بچہ دیکھو صفحہ ۳۵

میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر یہ صحیح ہے یعنی حضرت زید کی والدہ تو "ہندیہ" تھیں اور جیسا کہ کہتے ہیں کہ ان کی دادی شہر بانو ایرانیہ خاتون بلکہ شاہزادی تھیں تو اس کا مطلب گویا یہی ہوا کہ ان میں عربی قریشی، ہاشمی، فاطمی، علوی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ایرانی اور ہندوستانی صفات بھی موروثی طور پر منتقل ہوئے۔ شاید ہی اس زمانہ میں اس قسم کے موروثی خصوصیات کسی شخص واحد میں جمع ہوئے ہوں۔

شکل وصورت

اسی لئے لکھا ہے کہ حضرت زید غیر معمولی طور پر حسین و جمیل تھے شیخ ابو محمد یحییٰ الشافعی کے حوالہ سے "الروض الکبیر" میں جو زیدی فقہ کی کتاب ہے اس کے مقدمہ میں

اپنے وقت کے امام تھے علم و فضل تقویٰ وطہارت، ریاضت و مجاہدہ میں ان تینوں کے برابر مشکل ہی سے کوئی آدمی مدینہ منورہ میں اس زمانہ میں تھا۔ لکھا ہے کہ ان ہی تینوں صاحبزادوں کو دیکھ کر عربوں کا یہ خیال بدل گیا کہ عجمی عورتوں سے بچے نہ پیدا کرانا چاہیئے لیکن ان کو دیکھ کر کثرت سے لوگ عجمی خواتین کو اپنے بچوں کی مائیں بنانے لگے۔ یہ دیکھو الیافعی ص ۱۹۱ ج ۱۔

اخر ملوک فارس ص ۱۹۰ ج ۱ ایران کے آخری بادشاہ کی صاحبزادی تھیں۔

نقل کیا ہے کہ:-

کان ابیض اللون اعین مقرون الحاجبین تام الخلق طویل القامة کث اللحیه عریض الصدر اقنی الانفکث اللحیه عریض الصدر اقنی الانف اسودالراس واللحیة الاانه خالطه الشیب فی عارضیه ص ۹۴ مقدمہ الروض النضیر

رنگ حضرت زید کا گورا تھا آنکھیں بڑی بڑی ابرو دونوں ملے ہوئے تھے جسم کی بناوٹ مکمل تھی- قد دراز تھا، ڈاڑھی گھنی، سینہ فراخ و کشادہ، بلند بینی، ڈاڑھی اور سر کے بال سیاہ تھوڑی سی آمیزش سفید بالوں کی دونوں رخساروں کے اطراف میں ہوچکی تھی

شاید حضرت زیدؓ کی ان صوری خصوصیتوں میں ان تمام چیزوں کی جھلک پائی جاتی ہے جنہیں نسبتاً اُن میں ہونا چاہیئے تھا- اسی طرح ان کے باطنی صفات میں بھی بین طور پر موروثی آثار کے جلوے نظر آتے ہیں غیر معمولی ذہین و فطین علم دوست، معارف پرور ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بہادر اور نڈر تھے-

دوسری شہادتوں کے ساتھ خود حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی بھی شہادت اس باب میں یہ نقل کی گئی ہے، یعنی حضرت امامؒ فرماتے تھے

شاهدت زید بن علیؓ کما شاهدت اهله فما رأیت فی زمانه (افقه منه ولااعلم ولا اسرع جوابا ولا ابین قولا

میں نے زید بن علی کو دیکھا تھا جیسے ان کے خاندان کے دوسرے حضرات کے مشاہدے کا موقعہ مجھے ملا ہے میں نے ان کے زمانے میں ان سے زیادہ فقیہ آدمی اور کسی کو نہیں پایا اور ان جیسا حاضر جواب اور واضح صاف گفتگو کرنے والا آدمی اس عہد میں مجھے کوئی نہ ملا-

آخیر میں امام صاحب کا بیان اس لفظ پر ختم ہوا ہے۔

لقد کان منقطع القرین ص ۵۰ روض در حقیقت ان کے جوڑ کا آدمی اُس زمانہ میں نہ تھا اور امام ہی کیا اس عہد کے بڑوں میں مشکل ہی سے کوئی آدمی نظر آتا ہے جس سے حضرت شہید کے متعلق اسی قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں۔ الشعبی سے روایت کرنے والوں نے یہاں تک روایت کیا ہے کہ

> زید بن علی سے بہتر بچہ شائد کسی عورت نے پیدا کیا ہو، ایسا فقیہ، اتنا بہادر اور قانع عابد و زاہد مجھے کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمی اور دینی فہم و فراست کے ساتھ حضرت شہید کی دنیاوی سوجھ بوجھ غیر معمولی طور پر بہتر تھی۔

امام جعفر صادقؒ سے مروی ہے کہ شہید کی شہادت کی خبر جب معلوم ہوئی تو فرمایا

> "واللہ میرے چچا ہم لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن کے پڑھنے والے سب سے زیادہ اللہ کے دین میں سمجھ رکھنے والے اور رشتہ کا خیال کرنے والے تھے۔" اور آخر میں فرمایا

واللہ ما ترک فینا لدینا ولاآخرۃ مثلہ روض ۵۰

خدا کی قسم دنیا اور آخرت دونوں ہی کے لئے یعنی دونوں کے متعلقہ مسائل کے لئے انہوں نے ہمارے خاندان میں اپنا جیسا آدمی نہیں چھوڑا۔

گویا حضرت زیدؒ کی اس جامعیت کا حضرت صادقؒ کی طرف سے یہ اعتراف تھا جو ان کے موروثی صفات کے منطقی نتیجہ ہونے کی حیثیت رکھتی تھی، بہر حال یہ تو ان کے فطری صفات کی طرف کچھ اشارے تھے ان جبلی صفات کے ساتھ جن اکتسابی کمالات کو حضرت زیدؒ نے اپنے اندر جمع کیا تھا۔ اس کا اندازہ انکی طالب علمانہ زندگی سے ہوتا ہے۔ میرے سامنے اس وقت ان کی مفصل سوانح عمری نہیں ہے، تاہم

اجمالاً کچھ ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے بات یہ ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ دشت کربلا کے زہرہ گداز مناظر نے اہلِ بیت کے افراد کو عموماً اور حضرت سیدنا امام زین العابدینؓ کو خصوصاً اتنا دل شکستہ بنا دیا تھا کہ زیادہ تر ان بزرگوں پر یک سوئی اور عزلت گزینی کے جذبات غالب آگئے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ سیاسی مسائل او رالجھنوں کے متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ قطعی طور پر یہ طے کرلیا گیا تھا کہ کچھ بھی گذر جائے۔ لیکن ان کانٹوں میں نہ الجھا جائے گا۔ طبقات ابن سعد میں حضرت امام زین العابدین کے متعلق یہ روایت بھی نقل کی گئی۔

ان علی بن حسین کان ینھی عن القتال وان قوماً من اھل خراسان لقوہ فشکوا الیہ ما یلقون من ظلم ولاتھم فامرھم بالصبر و الکف وقال انی اقول کما قال عیسی بن مریم علیہ اسلام ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم ص ۱۶۰ ج ۵

علی بن حسین یعنی حضرت امام زین العابدینؓ لوگوں کو جنگ و جدل سے منع کیا کرتے تھے خراسان کے کچھ لوگ آپ سے آکر ملے اور (بنی امیہ کے حکمرانوں کے جن مظالم میں گرفتار تھے ان کا شکوہ حضرت سے کیا تو حضرت والا نے ان کو صبر کی تلقین کی اور لڑائی جھگڑے سے بچے رہنے کی تاکید کی اور فرمایا کہ میں بھی ان ظالموں کے متعلق وہی کہتا ہوں جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے یعنی قرآن میں جو دعا حضرت عیسیٰ کی منقول ہے کہ **ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم** (اگر آپ ان کو سزا دیتے ہیں تو آپ کے یہ بندے ہیں، اور اگر ان کو بخش دیتے ہیں تو آپ کی ذات سب پر غالب ہے اور آپ ہی حکمت والے ہیں۔

آخری فقرہ حضرت کا یعنی امت محمدیہ کے لئے اسی دعاء کو استعمال کرنا جو حضرت مسیح علیہ السلام عیسائیوں کے لئے فرمائیں گے اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اپنے نانا کی امت کے ان حالات کو دیکھ کر ان بزرگوں پر کیا گذر رہی تھی ایمان و اسلام کے دعویٰ کے بعد جس قسم کے حرکات بنی امیہ کی حکومت کی سرپرستی میں مسلمانوں سے سرزد ہو رہے تھے بہ ظاہر ان کے ازالہ کی امید سے مایوس ہو کر بجائے سختی کے ان کے رجحانات کچھ نرمی کی طرف مائل ہو رہے تھے

قرآن سے تعلق

خانوادہ نبوت میں حضرت زیدؓ نے طلب علم میں جتنی کوشش کی، اس خاندان میں اس کوشش کی نظیر نہیں ملتی، خصوصاً قرآن کے ساتھ آپ کا جو تعلق تھا، اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے جو خود آپ سے منقول ہے۔

خلوت بالقران ثلاث عشر سنة ص ۵۰ روض

تیرہ سال تک قرآن کے مطالعہ کے لئے میں نے خلوت اختیار کی

تیرہ سال تک ہر چیز سے الگ ہو کر قرآن میں آپ کا یہ استغراق کس لئے تھا۔ جہاں تک قرائن سے معلوم ہوتا ہے بات وہی تھی کہ امت اسلامیہ میں مختلف ملل و ادیان کے لوگ فوج در فوج جو داخل ہوئے، اور ہر ایک اپنے ساتھ کچھ اپنے موروثی عقائد و خیالات کے جراثیم بھی لایا، مسلمان ہونے کے بعد شعوری اور زیادہ تر غیر شعوری طور پر ان میں

بعضوں نے یہ کوشش کی کہ اسلامی عقائد و مسلمات اور اپنے موروثی عقائد و خیالات میں مصالحت و موافقت کی شکل پیدا کریں، اور سچ پوچھئے تو پہلی صدی ہجری میں بیسیوں فرقوں کے اسلام میں جو بھرمار ہو گئی۔ تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ واقعہ بھی تھا دوسری طرف حکومت قائمہ کے ساتھ مسلمانوں کو کیا تعلق رکھنا چاہئے اس باب میں جیسا کہ گذر چکا طرح طرح کے خیالات لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے

تھی اس نے تو سلاطین وقت کو ہر قسم کی مصلحت سے آزادی ہی بخش دی تھی۔ ان ہی کے بالمقابل خوارج اور ان کے بوقلموں خیالات رکھنے والے فرقے تھے جو بات بات پر مسلمانوں کی گردنیں اڑا دینا، ان کے جان و مال کو حلال سمجھ لینا عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنا لینا اسی کو بطور پیشہ سے اختیار کئے ہوئے تھے جن کی جرائتیں اس حد تک پہنچی ہوئی تھیں کہ حضرت مرتضیٰ علیہ السلام تک سے توبہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے کہ تب کما تبنا (تم بھی اس طرح توبہ کرو جس طرح ہم نے توبہ کیا ہے) اسی طرح آپ دیکھ چکے کہ خود اہل بیت کے اراکین سیاسی معاملات سے یک سوئی اور قطعی علیحدگی کا طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے، الغرض یہی سوال کہ پراگندگی اور انتشار کے اس حال میں "حق" کیا ہے، جہاں تک میں سمجھتا ہوں، تیرہ سال تک قرآن کے استغراق میں اسی سوال کا شائد جواب حضرت زید تلاش کر رہے تھے پھر اس کا جواب ان کو کیا ملا میری بحث کے دائرے سے اس کی تفصیل خارج ہے۔

حضرت زید کی ایک تقریر

اجمالاً ان کی اس تقریر کا تذکرہ کر سکتا ہوں جو اس زمانہ کے مختلف اعتقادی فرقوں کا ذکر

کرتے ہوئے کہا جاتا ہے، حضرت شہید نے فرمایا تھا کہ میں ان لوگوں سے بھی بری ہوں جو حق تعالیٰ کو اس کے مخلوقات جیسی ہستی خیال کرتے ہیں (۱)۔ اور ان جبریوں سے بھی بری ہوں جنہوں نے اپنی ساری شرارتوں اور بداعمالیوں کی گٹھری خدا پر لاد دی ہے (یعنی ہم کچھ نہیں کرتے سب خدا کرتا اور کراتا ہے) اور میں اُن لوگوں سے بھی بری ہوں جنہوں نے بدکاروں اور شریروں کے دل میں یہ توقع پیدا کر دی ہے کہ خدا ان کو یوں ہی چھوڑ دے گا (یعنی صرف ایمان کا دعویٰ کافی ہے نجات کے لئے عمل صالح کی ضرورت نہیں جو مرجیہ کا عقیدہ ہے) اور میں ان دین باختوں سے بھی بری ہوں جو حضرت علیؓ کو کافر کہتے ہیں اور اُن رافضیوں سے بھی جدا ہوں جو ابوبکرؓ و عمرؓ کی تکفیر کرتے ہیں" مگر خیر ان باتوں کا تعلق تو دینی اور مذہبی عقائد و خیالات سے تھا، حکومت مسلطہ جن ناکردنیوں کا ارتکاب کر رہی تھی اور اس کے حکام جن ناگفتنیوں پر مسلمانوں کے حق میں جری ہو گئے تھے۔

اُن کے مقابلہ میں کیا طریقہ عمل اختیار کر لیا جائے یقیناً اس خلوت بالقران کے تیرہ سالوں میں یہ سوال بھی ان کے سامنے تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی سوال کا جواب تھا جو کوفہ کی گلیوں میں آپکے خون سے لکھا گیا بیان کیا جاتا ہے کہ اپنی شکست کا جب آپ کو یقین ہو گیا تو اس وقت فرمایا کہ:۔

"شکر ہے اُس خدا کا جس نے مجھے اپنے دین کو حدِ کمال تک پہنچانے کا

---

(۱) اشارہ ان لوگوں کی طرف تھا جو خداوند تعالیٰ کے لئے آدمی کی طرح آنکھ کان ہاتھ وغیرہ ثابت کرتے بلکہ بعض ان میں کہتے کہ بجز ڈاڑھی اور شرم گاہ کے خدا میں وہ سارے اجزا پائے جاتے ہیں جو آدمی کے جسد میں ہیں ان کا یہ بھی خیال تھا کہ عرش کی جسامت اللہ میاں کی جسامت سے چار انگل زیادہ ہے کیونکہ عرش کی صفت قرآن میں عظیم آئی ہے کم از کم چار انگل تو اس تخت کو بڑا ہونا چاہیئے جس پر خدا بیٹھا ہے (العیاذ باللہ)

اس وقت موقعہ عطا فرمایا"

اس کے بعد فرمایا اور یہی فقرہ خاص طور پر قابل توجہ ہے، یعنی فرمایا:۔

جب کہ میں رسول اللہ ﷺ سے سخت شرمندہ تھا کہ اُن کی اُمت کو معروف کا حکم میں نے کیوں نہیں دیا اور منکر سے کیوں نہیں روکا۔"

دوسری روایت کے الفاظ اسی کے قریب قریب ہیں یعنی آپ نے فرمایا:۔

خدا کی قسم مجھے یہ چیز سخت ناگوار تھی کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کروں اور اس حال میں ملاقات کروں کہ ان کی امت کو نہ معروف کا میں حکم دیئے ہوتا اور نہ منکر سے منع کئے ہوتا۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ:۔

" خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کو جب میں نے درست کر لیا تو اس کے بعد مجھے اس کی قطعاً پرواہ نہیں ہے کہ میرے لئے آگ جلائی جائے اور مجھے اس میں جھونک دیا جائے"

مقدمہ روض النضیر

میرے خیال میں تو شائد ان کا یہی جذبہ تھا جس کی چنگاری ان کے اندر سلگتی او ربھڑکتی رہتی تھی مشہور محدث ابو عوانہ نے حضرت شہید کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ:۔

کان زید بن علی یری الحیاۃ غراماً وکان ضجراً بالحیاۃ ص ۵۵ مقدمہ روض النضیر۔

زید بن علی کے لئے زندگی ایک بوجھ بن گئی تھی زندگی سے وہ تنگ آچکے تھے۔

یہی خیال کہ اپنے نانا محمد رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا، اسی چیز نے شاید ان کی زندگی کو ان پر دو بھر کر دیا تھا حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اندر تھا، وہ باہر

کیسے آئے اسی فکر میں زندگی کے ایک بڑے حصہ میں وہ سر گرداں اور پریشان تھے کہ اچانک ابن النصرانیہ کو بات سوجھی یا سجھائی گئی۔ وہ حضرت کے پاس مال کے رکھوانے کا دعویٰ کرتا ہے اور ہشام کے لئے "مال" کی آواز سے زیادہ دلچسپ آواز کوئی نہ تھی۔ المسعودی نے اس کی خصوصیت ہی یہ لکھی ہے کہ **کان یجمع الاموال** (یعنی مال جمع کرنے کا اس کو بہت دھب تھا) حتیٰ کہ اسی کا بیان ہے کہ

"ہشام کے عہد میں لوگ اسی کی روش پر چلنے لگے جس کے پاس جو کچھ تھا اس کے دبا لینے کی فکر میں ڈوب گیا حسنِ سلوک کے راستے مسدود ہو گئے اور مہمان نوازی کا سلسلہ ٹوٹ گیا (المسعودی برحاشیہ کامل ص ۱۴۴ ج ۷)

بھلا جس بادشاہ کا حال یہ ہو کہ رعایا پر خواہ کچھ ہی گزر جائے لیکن اپنے غلہ کی فروخت کی فکر دوسروں کے غلوں کی بکری سے پہلے ہو، یہ بادشاہ ہوا یا کوئی اور ---- بہر حال ہوا یہی جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ سننے کے ساتھ ہشام نے اُسی وقت مدینہ کے والی کے نام فرمان روانہ کیا کہ زید اور جن جن لوگوں کا نام خالد نے اس سلسلہ میں لیا ہے ان کو میرے پاس دمشق بھیج دو، فرمان مدینہ آتا ہے والی ان سب کو واقعہ سے مطلع کرتا ہے۔ حضرت زیدؓ حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ کہاں خالد اور کہاں اس کا مال والی نے بھی سن کر یہی کہا کہ آپ لوگ سچ کہتے ہیں مگر میں مجبور ہوں دمشق جانا پڑے گا۔ ولے برندش روانہ ہوے دمشق پہنچے، ہشام نے پہلے خود پوچھ گچھ کی، طبری نے لکھا ہے کہ بیان سننے اور کافی جرح وسوال کے بعد ہشام کو حالانکہ اطمینان بھی ہو گیا خود اس نے اعتراف کیا کہ **انتما عندی اصدق من ابن النصرانیہ** ص ۲۶۱ نصرانیہ کے لڑکے (خالد) سے آپ لوگ میرے نزدیک زیادہ سچے ہیں۔

حضرت زید کوفے میں

چاہئے تھا کہ اب ان حضرات کو مدینہ منورہ واپس کر دیتا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مال کی محبت میں اسے وسوسہ ہوا کہ شاید بر سرِ زمین خالد کے رُو برو ہونے کے بعد کوئی ایسی بات معلوم ہو جس سے مال کا پتہ چلے، اس نے دونوں کو حکم دیا کہ:۔

> آپ دونوں یوسف (گورنر کوفہ) کے پاس جائیے، تاکہ یوسف خالد سے آپ کے سامنے معاملہ دریافت کرے اور منہ پر اس کے دعوے کو جھٹلائے ص ۲۶۱ کامل

اور یوں خود ہشام نے کوفہ پہنچنے کا حضرت زیدؓ کے لئے ایک ذریعہ پیدا کر دیا تقدیر اسی کا نام ہے امراءِ بنی امیہ ہمیشہ اس کی نگرانی رکھتے تھے کہ اہل بیت کا کوئی آدمی کوفہ پہنچنے نہ پائے۔ یا پہنچے بھی تو اس کی باضابطہ نگرانی رکھی جاتی تھی، لیکن مال کی محبت میں ہشام کچھ ایسا اندھا ہو رہا تھا کہ خود ہی قدغن کر کے باصرار تمام حضرت شہیدؓ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے داود بن علیؒ کو زبردستی کوفہ پہنچا دیا جیسا کہ عرض کر چکا ہوں خالد اور حضرت زیدؓ کی دو بدو گفتگو جب ہوئی تو خود خالد نے اعلان کیا کہ میں نے مال ان حضرات کے پاس نہیں رکھوایا ہے۔ اور حضرت زیدؓ کے یہ دریافت کرنے پر کہ پھر تو نے ہمارا نام کیوں لیا اس نے جو بات جواب میں کہی تھی کہ آپ کے آنے سے مجھے توقع ہے کہ شاید نجات کی کوئی راہ نکل آئے۔ وہی بات سامنے آگئی۔

کوفہ جہاں گذشتہ دنوں میں جو کچھ گزر چکا تھا وہ تو گزر ہی چکا تھا لیکن مسلمانوں کی مسجدوں کے مینارے جو ڈھائے گئے تھے اور ان کے مقابلہ میں عیسائیوں کے لئے

گرجا بنایا گیا تھا۔ ایمان والوں پر شرک و کفر کا تسلط قائم کیا گیا تھا، بادشاہ کی آمدنی میں تاکہ کمی نہ ہو رعایا کو بھوکوں مرنے پر مجبور کیا جا رہا تھا، خالد کے ہٹنے کے بعد جو دوسرے صاحب گورنر بن کر آئے وہ بھی سگ زرد کے بھائی شغال ہی نکلے صدق ابن اللخناء جس کا تکیہ کلام تھا سچ بھی ان کے نزدیک جھوٹ تھا اور جھوٹ بھی جھوٹ تھا۔ دن کو رات کہنا بھی جرم تھا اور دن کہنا بھی گناہ، یہ اور اسی قسم کے بیسیوں ہرے زخم تھے جن میں کوفہ والے تڑپ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ظلم و ستم کی ان ہی تاریکیوں میں اچانک خانوادہ نبوت کے ایک چشم و چراغ کا ان تمام ظاہری و باطنی کمالات کے ساتھ ان لوگوں میں آجانا جن کی ہر مومن قلب کو تلاش رہتی ہے، رحمت کے ایک فرشتہ ہی کا آجانا تھا نہ صرف عوام بلکہ کوفہ میں خواص کا جو طبقہ تھا، اس میں بھی ایک ہل چل پیدا ہوگئی۔ اتفاق کی بات دیکھئے کہ احمق یوسف نے بجائے کوفہ کے ایسے خطرناک دنوں میں حیرہ کو اپنا مُستقر بنا لیا۔ حضرت زیدؓ چونکہ خود خلیفہ کی طرف سے کوفہ تشریف لائے تھے۔ اس لئے اہل بیت کی آمدورفت پر جو نگرانی حکومت کی رہتی تھی، اس نگرانی میں بھی قدرتاً نگرانوں نے تساہل سے کام لیا۔

کوفہ میں حضرت زید کے معتقدین

بہرحال نتیجہ ان باتوں کا جو کچھ ہو سکتا تھا، وہی سامنے پیش آیا، عوام کو تو جانے دیجئے جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ خواص کے طبقات میں بھی یہ بات محسوس ہونے لگی کہ حضرت زیدؓ کا اتفاقی طور پر کوفہ آجانا ایک مغتنم ہے خواص سے میری مراد اہل علم و تقویٰ کا گروہ ہے جن کی کوفہ میں ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ پھر ان میں بعض جو

زیادہ جوشیلے تھے انہوں نے تواعلانیہ حضرت زیدؓ کی طرف سے لوگوں سے بیعت تک لینی شروع کر دی۔ اس طبقہ کے سر گروہ وہی منصور بن المعتمر تھے جن کے متعلق کچھ دیر پہلے یہ تذکرہ کیا گیا تھا کہ حضرت امام ابو حنیفہؓ اور ابن معتمرؒ خلوت میں مل مل کر باتیں کرتے اور روتے تھے لکھا ہے کہ

کان منصور بن المعتمر یدور علی الناس یا خذ البیعة لزید بن علیؓ

ص ۵۵ روض

منصور بن معتمر گشت کر کر کے لوگوں سے حضرت زید بن علیؓ کے لئے بیعت لیتے تھے۔

یہ ظاہر ابن معتمر اوران ہی جیسے بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ جیسا کہ تاریخوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار انسانوں نے حضرت زیدؓ کے ساتھ مل کر بنی امیہ کی حکومت سے مقابلہ کرنے کا عہد کیا۔ اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اسی کے مقابلہ میں خواص ہی کا ایک دور اندیش طبقہ تھا جس کے سامنے کوفہ کی گذشتہ تاریخ کے اوراق کھلے ہوئے تھے، کوفہ والوں ہی نے انہی زیدؓ کے دادا حضرت امام حسینؓ اور امام حسنؓ بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ سب ان کے سامنے تھا اس طبقہ کے سر خیل مشہور محدث سلمہ بن کہیل تھے (۱)۔ انہوں نے صحابہ کی بھی آنکھیں دیکھی تھیں اور اہل بیت کے ساتھ خاص تعلق رکھنے کی وجہ سے کچھ تشیع میں بدنام بھی تھے، انہوں نے حضرت زید کو بہت سمجھایا پچھلے تاریخی واقعات یاد دلائے لیکن سلمہ گفتگو کامیابی اور ناکامی کے نتائج کو پیش نظر رکھ کر کر رہے تھے، اور شہید کے سامنے صرف ایک بات تھی۔

حضرت کی زبان مبارک پر چند اشعار بھی اس زمانہ میں جاری تھے ایک مصرعہ یہ بھی تھا۔

انی امرؤ ساموت ان لم اقتل

میں ایک شخص ہوں بہر حال مروں گا اگر قتل نہ ہو سکا۔

لکھتے ہیں کہ سلمہ بن کہیل نے جب دیکھا کہ حضرت اپنے ارادہ پر مستقل ہیں تو عرض کیا کہ مجھے کوفہ سے باہر نکلنے کی اجازت دیجئے شائد کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جو مجھ سے دیکھا نہیں جا سکے (کامل ص ۸۷ ج ۷ × اور واقعی کوفہ سے نکل کر یمامہ چلے گئے لیکن جیسا کہ طبقات میں ہے۔

سلمہ بن کہیل کا ۱۲۲ میں انتقال اسی زمانہ میں ہوا، جس زمانہ میں حضرت زید بن علیؓ کوفہ میں شہید ہوئے ص ۲۲۱

اور حضرت شہید کی وہی بات،

(۱) منصور ابن المعتمر اور سلمہ بن کہیل کا مقام کوفہ میں کیا تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ عبدالرحمن بن مہدی مشہور ناقد و محدث کا قول تھا **لم یکن بالکوفۃ اثبت من اربعۃ منصور و عمرو بن مرہ و سلمہ وابو حصین** (تہذیب) یعنی منصور اور سلمہ عمرو بن مرہ اور ابو حصین سے حدیث میں استوار ترین محدث کوئی دوسرا کوفہ میں نہ تھا۔

انی امرؤ ساموت ان لم اقتل

میں ایک شخص ہوں، بہر حال مروں گا اگر قتل نہ ہو سکا

پوری ہوئی کسی نے سچ کہا ہے کہ موت کے معمہ کا حل "شہادت" کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

جاں بجاناں دہ وگرنہ از تو بستاند اجل   خود تو منصف باش اے دل ایں نکو یا آں نکو

مگر ظاہر ہے کہ یہ دونوں طبقہ مخلصین[۱] ہی کا تھا یعنی جو کچھ بھی یہ لوگ کہہ رہے تھے، اخلاص

۱۔ میں نے مخلص کا لفظ اس لئے لکھا ہے کہ ان ہی کوفہ والوں میں ایک اور گروہ بھی تھا جو اہل بیت کے محبت کے دعوے میں سب سے آگے تھا حضرت کے ارادے سے مطلع ہونے کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں جواب میں فرمایا اللہ کی کتاب کی طرف اور اللہ کے رسول کی سنت کو زندہ کیا

وصداقت وفاداری ہی کے تحت کہہ اور کر رہے تھے۔ پھر ان ہی مخلصین میں ایک اور

جائے اس کی طرف تم لوگوں کو بلاتا ہوں اور یہ کہ دین میں جو نئی باتیں پیدا ہو گئی ہیں ان کا ازالہ کیا جائے۔ اگر میری بات سنتے ہو تو سعادت حاصل کرو گے اور انکار کرتے ہو تو میں تم پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا ہوں۔ کہتے ہیں کہ اس پر ان لوگوں نے سوال اٹھایا کہ ابو بکر و عمر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت و رفاقت میں ان حضرات نے زندگی گذاری اور صحبت و رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ دونوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ کوشش کی جتنی کوشش کہ ممکن تھی اور میں نے اپنے گھر کے لوگوں میں کسی سے نہیں سنا کہ ان دونوں سے تبرا اور جدائی انہوں نے اختیار کی بلکہ جس کسی سے سنا ہمیشہ خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہ سنا، تب ان لوگوں نے کہا کہ پھر تم اپنے خاندان کے خون کا اور ظلم کا بدلہ لینا نہیں چاہتے۔ ابو بکر و عمر نے تمہارے خاندان کی حکومت پر قبضہ جما لیا اور دنیا کو تم لوگوں کی پیٹھ پر سوار کر دیا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے کہ لوگ تم لوگوں کو قتل کر رہے ہیں مار رہے ہیں حضرت زید نے سن کر فرمایا بلاشبہ ان لوگوں کے وہ حکم ہوئے اور ہم لوگوں کے بھی لیکن کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور طریقے پر عمل کرنے میں ان لوگوں نے قطعاً کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تب ان لوگوں نے کہا کہ اگر ابو بکر و عمر نے تم لوگوں پر ظلم نہیں کیا تو پھر بنی امیہ بھی ظلم نہیں کر رہے ہیں اور جب واقعہ یہی ہے تو بنی امیہ سے مقابلہ کرنے کی دعوت ہم لوگوں کو کیوں دیتے ہو کیونکہ ایسی صورت میں تو وہ بھی ظالم نہیں کیونکہ بنی امیہ والے تو ابو بکر و عمر ہی کے طریقے کی پیروی کر رہے ہیں اس پر حضرت زید نے فرمایا کہ بنی امیہ والے قطعاً ابو بکر و عمر جیسے نہیں ہیں، بنی امیہ والے تو تم پر بھی ظلم کر رہے ہیں، اور خود اپنے آپ پر ظم کر رہے ہیں۔ اور رسول اللہ کے گھرانے والوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ یہی موقعہ تھا جس پر ان لوگوں نے مشہور لفظ استعمال کیا۔ یعنی بولے کہ ان برمت منہما والا رفضناک (یا تو ابو بکر و عمر سے بیزاری کا تم اعلان کرو ورنہ ہم تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے) یہ سننے کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ حضرت زید نے زور سے اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے والد فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے کہا تھا کہ ایک قوم ہو گی جو ہم لوگوں (اہل بیت سے محبت کرے گی، لیکن ان کا ایک لقب ہو گا۔ اسی سے وہ پہچانی جانے گی جاؤ تم لوگ "الرافضہ" ہو (مقدمہ روض بحوالہ مقریزی وغیرہ) کہتے ہیں کہ یہی پہلا دن تھا جس دن "سے رافضہ" کا لفظ دنیا میں چل پڑا یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت زید سے ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ تم ہمارے امام نہیں ہو، انہوں نے پوچھا کہ پھر کون تمہارے امام ہیں بولے کہ تمہارے چچازاد بھی جعفر ہمارے امام ہیں۔ حضرت زید نے کہا کہ بے شک اگر جعفر اس کا دعویٰ کریں کہ وہی امام ہیں۔ تو وہ سچ کہیں گے۔ خط لکھ کر ان لوگوں نے کہا کہ راستہ مدینہ منورہ کا آج کل بند ہے کوئی قاصد چالیس اشرفی سے کم میں خط لے جانے پر آمادہ ہی نہیں ہوتا حضرت نے چالیس اشرفیاں اسی وقت حوالہ کیں اور فرمایا قاصد روانہ کرو، لیکن صبح کو آ کر ان لوگوں نے کہا کہ جعفر تمہاری خاطر کرتے ہیں۔ مدارات سے کام لیتے ہیں اس پر زید نے فرمایا افسوس تم لوگوں پر کیا امام سخن سازی سے کام لیتا ہے، یا حق کو چھپاتا ہے اس پر وہ لوگ چلے گئے۔

طبقہ نظر آتا ہے جو ایک طرف کوفہ والوں کی تاریخی بے وفائیوں کو دیکھتے ہوئے کھل کر مقابلہ کا مشورہ دیتا ہے، اور چونکہ بنی امیہ کے مظالم کا پانی لوگوں کے سر سے اونچا ہو چکا تھا اس لئے اس مغتنم موقعہ کے ضائع ہو جانے پر اپنے آپ کو اس نے راضی نہیں پایا۔ اس گروہ کے سرخیل جہاں تک میرا خیال ہے کوفہ کے محدث جلیل اور امام نبیل الاعمش میں تاریخوں میں ان کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ ایک طرف وہ یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ،

واللہ لیخذ لنہ واللہ لسلمنہ کما فعلوا بجدہ وعمہ

خدا کی قسم یہ لوگ زید کو چھوڑ دیں گے، دشمنوں کے سپرد کردیں گے جیسے ان کے دادا اور چچا کے ساتھ بھی ان ہی کوفہ والوں نے یہی سلوک کیا۔

لیکن اسی کے ساتھ بے چارے یہ بھی کہتے کہ:

واللہ لو لا ضرارۃ لی لخرجت معہ (مقدمہ روض)

خدا کی قسم اگر (آنکھ میں) میرے برج نہ ہوتا تو ان کے ساتھ میں بھی نکل کھڑا ہوتا۔

یہ اعمش کے شاگرد رشید امیر المومنین فی الحدیث شعبہ(۱) کی روایت ہے، کچھ یہی حال کوفہ کے دوسرے امام سفیان ثوری کا معلوم ہوتا ہے یعنی حضرت کے ساتھ جنگ میں بھی شریک نظر نہیں آتے لیکن اسی کے ساتھ ابو عوانہ کی روایت ہے کہ:۔

اذا ذکر زید بن علی یقول بذل مھجتہ لربہ وقام بالحق لخالقہ والحق بالشہداء المرز وقین من آبائہ ص ۵۵ (مقدمہ روض)

۱۔ الاعمش اور شعبہ حدیث و رجال کے ائمہ ہیں ان کے حالات کی تفصیل موجب تطویل ہو گی۔ اہل علم سے ان کے حالات پوشیدہ نہیں ہیں۔ ۱۲

جب سفیان ثوری حضرت زیدؓ کا ذکر کرتے، تو کہتے اپنی جان اللہ کی راہ میں نثار کردی، اور اپنے خالق کی مرضی کی پابندی میں حق کو لے کر کھڑے ہوئے اور اپنے ان گذشتہ آباؤ اجداد میں شریک ہوگئے جنہیں خدا نے شہادت روزی کی تھی

امام کی حضرت زید سے عقیدت

مخلصین کے اسی طبقہ میں مجھے حضرت امام ابو حنیفہؓ بھی نظر آتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ امام کے متعلق بعض خصوصی واقعات بھی اسی سلسلے میں بیان کئے جاتے ہیں، جن میں سب سے بڑی بات تو یہ نظر آتی ہے کہ امام ابو حنیفہؓ کو خود حضرت شہید رحمہ اللہ علیہ نے یاد فرمایا اور اپنا ایک خاص قاصد جس کا نام فضیل بن زبیر تھا اُس کو حضرت امام کے پاس روانہ فرمایا۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو امام کے سوا اکابر کوفہ کے ساتھ جہاں تک روایات کا تعلق ہے حضرت شہید نے غالباً اختیار نہیں فرمائی۔ خود فضیل بن زبیر کا بیان ہے۔

کنت رسول زید بن علی الی ابی حنیفہ ص ۵۵ روض

میں امام ابو حنیفہؓ کے پاس حضرت زیدؓ کا قاصد بن کر گیا تھا۔ فضیل کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہؓ نے سب سے پہلے سوال اس سلسلہ میں مجھ سے جو کیا وہ یہ تھا کہ۔

فقہا (جو اس زمانہ میں طبقۂ اہل علم کی تعبیر تھی) ان لوگوں میں سے حضرت زیدؓ کے پاس کن کن لوگوں کی آمدورفت ہے۔

فضیل نے چند ممتاز ہستیوں کے نام گنوائے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ امام ابو حنیفہ کی غرض اس سوال سے کیا تھی؟ بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ذریعہ سے تحریک کے انجام کے متعلق کچھ رائے قائم کرنا چاہتے تھے۔

حضرت زید کی حمایت میں حضرت امام کا ایک تاریخی بیان

اور غالباً فضیل کے اسی جواب کے بعد امام نے اپنا وہ تاریخی بیان دیا جو چند معمولی الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ حضرت امام کے سوانح عمریوں میں نقل ہوتا چلا آرہا ہے مختلف مواقع پر اِس بیان کے بعض اجزاء کا ضمنی ذکر میں نے پہلے بھی کیا ہے لیکن وقت آگیا ہے کہ حضرت امام کے اس بیان" پر اب ذرا تفصیلی نظر ڈالی جائے۔ اس بیان کے چند اجزاء ہیں۔

(۱) پہلا جز تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ۔

خروجہ یضا ھی خروج رسول اللہؐ یوم بدر ص ۲۶۰

حضرت زیدؓ کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ ﷺ کی بدر میں تشریف بری کے مشابہ ہے۔

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے فضیل بن زبیر کو ایلچی بنا کر حضرت شہید نے امام کے پاس جو بھیجا تھا تو گو لکھنے والوں نے صرف یہی لکھا ہے کہ۔

ارسل الی ابی حنیفہ یدعوہ الی نفسہ ص ۲۶۰

حضرت زیدؓ نے فضیل کو ابو حنیفہؒ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اپنی ذات کی طرف امام ابو حنیفہ کو دعوت دینا چاہتے تھے (یعنی میرے ہاتھ پر بیعت کرو)۔

لیکن جہاں تک میرا خیال ہے۔ ممکن ہے کہ اسی کے ساتھ امام سے اس باب میں حضرت شہید نے اگر یہ شرعی مشورہ بھی حاصل کیا ہو کہ موجودہ حالات میں بنی امیہ کی حکومت کے مقابلہ میں کھڑا ہونا شرعاً آپ کے نزدیک کس قسم کی بات ہے؟ تو اس کی

بھی گنجائش ہے ہو سکتا ہے کہ اسی کا جواب امام نے ان الفاظ میں دیا یعنی قریش کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کا صف آرا ہو جانا جیسے ایک غیر مشتبہ فیصلہ تھا۔ اسی طرح گو اس وقت مقابلہ میں بجائے کافروں کے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ لیکن اپنے طریقہ عمل سے بنی امیہ کی حکومت جن نتائج تک پہنچ چکی ہے، ان کو دیکھتے ہوئے اس حکومت کے الٹ دینے کی کوشش قطعاً ایمان و اسلام کا اقتضا ہے گویا امام نے ان الفاظ میں حضرت زید کے خروج کی شرعی تصحیح فرمائی ہے جیسا کہ آئندہ معلوم بھی ہو گا کہ اس قسم کے مواقع میں حضرت امام کا جو مسلک تھا اسی مسلک کا اظہار ایک خاص قسم کی تعبیر کے ذریعہ فرمایا ہے بلکہ اگر اُسے خوش اعتقادی نہ قرار دیا جائے تو ایک طرح سے ان ہی الفاظ سے حضرت امام نے اس انجام کی پیش گوئی بھی کر دی تھی جو آخر حضرت شہید کے سامنے آیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس وقت فضیل حضرت شہید کا پیغام لے کر امام ابو حنیفہ کے پاس آئے تھے۔

حضرت زید کی دعوت جہاد

جیسا کہ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، "بجز الرافضہ" کے قریب قریب سارے اہل کوفہ امام کے ساتھ ہو کر حکومت سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے تیاری کا وعدہ کر چکے تھے بلکہ لکھا ہے کہ چالیس ہزار آدمیوں نے تو حضرت شہید کے ہاتھ پر اس معاہدے کے متعلق باضابطہ بیعت بھی کی تھی جو حضرت شہید لوگوں سے لے رہے تھے یعنی حضرت زید رضؓ فرماتے تھے۔

ہم تم لوگوں کو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سُنت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تمہیں بُلاتے ہیں کہ آؤ اور ظالموں سے جہاد کرو، جو کمزور ہو گئے ہیں اُن کو ظلم سے بچاؤ اپنے حقوق سے جو محروم کئے گئے ہیں ان کے حقوق ان تک پہنچاؤ، اور مسلمانوں کا یہ

مال جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے اس کو مساوی طور پر مسلمانوں میں تقسیم کرایا جائے۔

لوگ جواب میں جب نعم (ہاں) کہتے تب آپ ہر بیعت کرنے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پھر فرماتے کہ:۔

یہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ معاہدہ ہے کہ تم میرے ساتھ وفادار ہو گے اور میرے دشمن سے لڑو گے، اور ظاہر و باطن، خلوت و جلوت میں میری بہی خواہی کرو گے۔

کہ جب اس کے جواب میں بھی نعم (ہاں) کی آواز آتی تب آپ ہاتھ پر ہاتھ کو پھیر کر فرماتے **اللھم اشھد** (اے اللہ گواہ رہ)

جہاد کے لئے امام کی حضرت زید کو مالی امداد

میں تو سمجھتا ہوں اسی ظاہر کے اقتضا کی رعایت کا نتیجہ تھا کہ سب کچھ کہنے کہلانے کے بعد آخر میں حضرت امام نے دس بیس روپے نہیں بلکہ ان ابتدائی دنوں میں جب بظاہر ان کے کاروبار کا آغاز ہی ہو گا کیونکہ اس وقت تک زیادہ وقت ان کا حماد بن ابی سلیمان اپنے استاد کے پاس حصول علم ہی میں گذرتا تھا ہزار ہزار روپے کی دس تھیلیاں گھر سے لاکر فضیل بن زبیر کے حوالے کیں اور فرمایا

اعینہ بما لی فتیقوی بہ علی من خالفہ ص ۲۶۰ ج ۱ موفق

میں حضرت کی خدمت اس مال سے کرتا ہوں، حضرت سے عرض کرنا اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں اس سے بھی فائدہ حاصل کریں

الحُسین بن زید بن علی زین العابدین بن الحُسین رضوان اللہ علیہم

(ابو الفرج اصبہانی)

ترجمہ

الحسین ذوالعبرة یقال ایضاً ذوالدمعة وزین الغمرة العالم المحدث الناسک مات وله، ست و سبعون سنة وکان رجل بنی هاشم لساناً وبیاناً و نفساً وجمالاً (المختصر فی علم الانساب مخطوطہ ص ۶۰)

ذیل میں ابو الفرح الاصبہانی کی مشہور کتاب "مقاتل الطالبیین" سے آپ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

حضرت محمد (ذوالنفس الزکیۃ اور اُن کے بھائی) ابراہیم (علیہما السلام) کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے والے افراد میں سے جن حضرات نے طویل رُوپوشی اختیار کرلی تھی حتیٰ کہ اُن کی تلاش ختم ہو کر امن وامان ہو گیا تھا اور جس کی بناء پر وہ حضرات پھر باہر نکل آئے تھے اُن حضرات میں سے ایک حضرت حُسین بن زید بن علی (زین العابدین) علیہ السلام تھے، آپ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔

مجھ سے علی بن عباس نے بیان کیا، علی بن عباس کہتے ہیں کہ مجھ سے احمد بن حازم نے بیان کیا، احمد بن حازم کہتے ہیں کہ ہم سے، مخول بن ابراہیم نے بیان کیا کہ "حسین بن زید، حضرت عبد اللہ بن حسن (المثنیٰ) بن حسن کے

صاحبزادگان حضرت محمد وابراہیم کے ساتھ (عباسیوں کے خلاف) لڑائی میں شریک ہوئے تھے، پھر رُوپوش ہوگئے تھے، آپ جعفر بن محمد (یعنی امام جعفر صادق) کے گھر میں مقیم تھے، جعفر بن محمد نے آپ کی پرورش کی تھی اور آپ انہیں کی آغوش تربیت میں نشوو نما پاتے رہے تھے جب سے کہ آپ کے والد حضرت زید شہید کر دیئے گئے تھے، آپ نے امام جعفر صادق سے (اِن ایام میں) کثرت سے علم حاصل کیا، جب حکومت کے مطلوبہ افراد میں آپ کا ذکر نہ رہا تو آپ اپنے گھر والوں اور اپنے بھائیوں میں جن سے مانوس تھے اُن کے سامنے ظاہر ہوگئے''

آپ کے بھائی محمد بن زید کو ابو جعفر کے ساتھ سرداری کا شرف حاصل تھا، لیکن محمد اور ابراہیم کے ساتھ ان کی (عباسیوں کے خلاف) لڑائی میں شریک نہیں ہوئے، حسین بن زید اپنے بھائی محمد بن زید سے مکاتبت (خط و کتابت) کرتے رہتے تھے جس سے آپ کو تسکین حاصل ہوتی تھی، پھر حسین بن زید مدینہ طیبہ میں مکمل طور پر (رُوپوشی ختم کرکے) باہر آگئے، تاہم آپ کسی کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے نہیں تھے اور آپ کے پاس وہی شخص آتا تھا جس پر آپ کو اعتماد ہوتا تھا۔

''مجھ سے علی بن عباس نے بیان کیا، آپ فرماتے ہیں کہ ہم سے عباد بن یعقوب نے بیان کیا کہ حسین بن زید کا لقب ''ذُوالدمعۃ'' آنسوؤں والا تھا کیونکہ آپ روتے بہت تھے،''

مجھ سے علی بن احمد بن حاتم نے بیان کیا، آپ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسن بن عبدالواحد نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسین بن زید کے صاحبزادے یحییٰ نے بیان کیا کہ

"میری والدہ نے میرے والد (حسُین بن زید) سے کہا کہ آپ اس قدر (کیوں) روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: دو تیروں اور آگ نے کونسی خوشی چھوڑی ہے جو مجھے رونے سے روک سکے"

آپ کی مراد دو تیروں سے وہ دو تیر ہیں جن سے آپ کے والد زید اور بھائی یحییٰ کو شہید کیا گیا تھا۔

مجھ سے علی بن عباس نے بیان کیا، آپ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسماعیل بن اسحٰق راشدی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو غسان مالک بن اسماعیل ھندی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ حسین بن زید نے فرمایا:

"میں عبداللہ بن حسن کے پاس سے گذرا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ نے اشارہ کیا کہ (بیٹھ جاؤ) میں بیٹھ گیا، جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا:

"بھتیجے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے مرتبہ و مقام پر فائز کیا ہے کہ اس مرتبہ و مقام پر وہ تم جیسوں کے علاوہ کسی کو فائز نہیں کیا کرتے، اور تمہاری نوعمری و نوجوانی ہی میں یہ حیثیت ہوگئی ہے کہ خیر و شر دونوں کے دونوں دوڑتے ہوئے تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں، اب اگر

تم زندہ رہے اور تمہاری طرف سے ہمیں وہ اخلاق و افعال دیکھنے کو ملے جو تمہارے اسلاف سے میل کھاتے ہوں تو یہ ایک دوسری سعادت و نیک بختی کی بات ہوگی،

بخدا پے در پے تمہارے ایسے آباؤ اجداد نظر آتے ہیں کہ اُن کی مثال نہ ہم میں ملتی ہے نہ ہمارے غیر میں، تمہارے آباؤ اجداد جن کی ہم میں کوئی مثال نہیں ملتی اُن میں وہ سب سے ادنیٰ درجہ کے تمہارے والد زید (بن علی) ہیں خدا کی قسم ہم میں اُن کے پایہ کا کوئی نہیں، ہمیں جتنی بھی رفعت نصیب ہوجاتے افضل وہی ہیں"

مجھ سے محمد بن حُسین خثعمی اور علی بن عباس دونوں نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عباد بن یعقوب نے بیان کیا آپ کا کہنا ہے کہ ہم سے حُسین بن زید نے بیان کیا کہ

"میں عبداللہ بن حسن کے پاس سے گذرا تو آپ مصلاّے رسول ﷺ میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے میری طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور آپ کھڑے نماز پڑھتے رہے میں آپ کے پاس آکر بیٹھ گیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: -

"میں تمہیں چیدہ و برگذیدہ لوگوں میں سے دیکھ رہا ہوں خیال ہوا کہ تمہیں کچھ نصیحت کروں شاید اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے فائدہ پہونچائے دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے مرتبہ و مقام پر فائز کیا ہے کہ ایسے مرتبہ

و مقام پر وہ تم جیسوں کے علاوہ کسی کو فائز نہیں کیا کرتے، تمہاری نوعمری ہی میں یہ پوزیشن ہو گئی ہے کہ تیزی سے لوگوں کی نگاہیں تمہاری طرف اُٹھ رہی ہیں اور خیر و شر دونوں کے دونوں تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں، اب اگر تم سے وہی افعال و اخلاق سرزد ہوے جو تمہارے اسلاف کے افعال و اخلاق سے میل کھاتے ہوں تو ہمیں خیر و بھلائی سے بڑھ کر تمہاری طرف جانے والی کوئی اور چیز نظر نہ آے گی اور اگر تم سے اسلاف کے افعال و اخلاق کے مخالف افعال و اخلاق سرزد ہوے تو پھر خدا کی قسم ہمیں شر اور برائی سے بڑھ کر تمہاری طرف جانے والی کوئی اور چیز نظر نہ آے گی پے در پے تمہارے برگزیدہ آباؤ اجداد ہوے ہیں تمہارے آباؤ اجداد میں سب سے نچلے درجے کے زید بن علی ہیں جن کے ہم پایہ نہ میں نے اپنے خاندان میں کوئی دیکھا نہ اپنے غیر میں، تم جس قدر اُوپر جاتے جاؤ گے فضل و مرتبہ ہی کو پاتے جاؤ گے۔ دیکھو تو تم سے اُوپر زید ہیں اُن سے اُوپر علی (زین العابدین) ہیں اُن سے اُوپر حضرت حسُین ہیں ان سے اُوپر حضرت علی ہیں علیہم السلام"

مجھ سے علی بن عباس نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بکار بن احمد نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسن بن حسُین نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ حسُین بن زید نے فرمایا:

"محمدؐ بن عبداللہ بن حسن کے ساتھ (عباسیوں کے خلاف) لڑائی میں حضرت حسینؑ بن علیؓ کی اولاد میں سے چار افراد شریک ہوئے تھے میں اور میرے بھائی عیسیٰ اور جعفر بن محمدؐ (امام جعفر صادق) کے دو صاحبزادے موسیٰ اور عبداللہ علیہما السلام"

یحییٰ بن الحسُین بن زید

آپ کے سات فرزندوں سے اُولاد چلی

(۱) القاسم

(۲) الحسن الزاھد

(۳) حمزہ

(۴) مُحمّد الاصغر الاقساسی

(۵) عیسیٰ

(۶) یحییٰ بن یحییٰ

(۷) عُمر

آپ کی وفات ۲۰۷ یا ۲۰۹ ھ میں بغداد میں ہوئی۔ خلیفہ مامون الرشید نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی (حاشیہ عمدۃ الطالب ص ۲۵۰)

عُمر بن یحییٰ بن حسُین بن زید

آپ کے دو فرزند تھے:

(۱) احمد المحدث

(۲) ابی منصور مُحمّد الاکبر

اپنی کتاب "الزیدیہ" میں ایک فرزند یحییٰ بن عُمر بن یحییٰ بن حسین بن زید کا بھی ذکر کیا ہے۔

عمدة الطالب في انساب آل ابي طالب ، المطبعة الحيدرية

ابی منصور مُحمّد الاکبر بن عُمر بن یحییٰ بن الحسین بن زید

ایک فرزند تھے:

الحسین الفدّان

عمدة الطالب في انساب آل ابي طالب ، المطبعة الحيدرية

الحسین الفدّان بن ابی منصور مُحمّد الاکبر

تین بیٹوں سے اُولاد ہوئی:

(۱) زید الجندی

(۲) جعفر

(۳) الحسن

عمدة الطالب میں ہے:

فمن بنی زید الجندی بن الحسین الفدّان آل شیبان، وھوابو الفدارس مُحمّد بن عیسیٰ الفارس بن زید الجندی المذکور- کان بطناً بالکوفه

عمدة الطالب في انساب آل ابي طالب ، المطبعة الحيدرية

تحریر سید نفیس الحسینی

سیّد المجاہدین حضرتِ سیّد ابوالحسن زید الجندی شہیدِ دہلی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا خاندانِ عالیشان مدینہ منورہ سے عراق اور پھر عراق سے خراسان منتقل ہوا۔ آپ کے آباد اجداد میں حضرت سیّد ابوالحسن زید الجندی رحمہ اللہ علیہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے برصغیر پاک و ہند کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرّف فرمایا۔

حضرت زید الجندی اپنے آبائے کرام کی سُنّتِ جہاد کے علمبردار تھے آپ سرفروش مجاہدین کی ایک جماعت کے ہمراہ خراسان سے عَلَمِ جہاد بلند کیے ہوئے فتح دہلی کے لیے کئی بار تشریف لائے۔ ایک، معرکۂ عظیم میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔ حضرت خواجہ گیسودراز رحمہ اللہ علیہ کے ملفوظات ''جوامع الکلم'' میں حضرت زید الجندی کا ذکرِ خیر آیا ہے۔

روز یکشنبہ چہاردہم ماہ محرم الحرام ۸۰۳ھ

وقت چاشت۔ ذکرے درباب فضائل اہلِ بیت مصطفےٰ ﷺ بود۔ فرمودند۔ سیّد ابوالحسن جندی دوازدہم محل جدّ ما باشد۔ وزیرِ حصارِ دہلی متصل دروازۂ شکار، مقبرۂ حضرتِ سیّد است ہر شب جمعہ آنجا نور فرود می آید، اکثر ہمسایگان الشان بدیں گواہی می دہندو ہمہ خلق آں مقام دیدہ اند، واورا شہید انار میگویند۔ وتمام درخت انار از ریسمان پرشدہ۔ گفتند کہ مردمان حاجتمند بستہ اند۔

اہل بیت نبوی ﷺ کے فضائل کا ذکر تھا۔ فرمایا سیّد ابوالحسن جندی جو بارھویں پشت میں ہمارے جد امجد تھے۔ حصارِ دہلی کے نیچے شکار دروازہ سے متصل حضرت سیّد کا مقبرہ ہے۔ اور ہر شبِ جمعہ اس جگہ نور برستا ہے۔ وہاں کے اکثر پڑوس کے لوگ اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اور سب نے وہ مقام دیکھا ہے اور لوگ ان کو ''شہیدِ انار'' کہتے ہیں۔ تمام انار کا درخت سب کا سب ڈوریوں سے پر ہے کہتے ہیں کہ مردمان حاجتمند نے باندھ رکھی

وہریکی را حوائج برآمدہ۔ پیش از ایامِ فتحِ دہلی سید با شانزدہ نفر آمدہ بود۔ پیش دروازہ بزرگ شب ماند۔ مشورت کردند وقت بیرون شدنِ مواشی بامداد درشہر درآیم ہمچناں کردند۔ قتالے عظیم شد۔ بسیارے از ہنود کشتند۔ ہر شانزدہ نفر از برجِ دروازہ شکار برون افتادند۔ بسلامت بیرون شدند۔ شب بارِ دوم بیرونِ دروازہٗ بزرگ اقامت کردند۔ آنجا مسجدے کردند، چند سنگے نہادند، محرابے کردند، بانگ نماز گفتند، نماز گذاردند، بامداد باز گشتند، باردوم باز آمدند۔ ہمچناں وقت مواشی در آمدن قتالے بس بزرگ شد۔ جہانے از ہنود زیرِ تیغ آوردند۔ درشہر شورے عظیم انداختند۔ باز در رہ حصار دروازہٗ شکار بیرون افتادند۔ در آں محلے کہ سید افتاد، ہم آنجا ہجوم ہنود بود، ہمہ یکبار بر سید افتادند۔ ہم دراں محل کشتند ہم دراں موضع تربت سیداست ہر آئنہ فرزند رسول اللہ قتالے برائے خدا کردہ وہم براں رفتہ۔ لابد یکے از مقربانِ حضرت ومشفقان امت باشد۔

واللہ اعلم بالصواب

جوامع الکلم نسخہ خطی صفحہ ۲۹۶

نسخہ مطبوعہ صفحہ ۳۱۳

ہیں۔ اور سب لوگ مراد پاتے ہیں۔ زمانہ فتح دہلی سے پہلے حضرت سید سولہ آدمیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ بڑے دروازے کے سامنے رات گذاری ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ صبح سویرے جس وقت مویشی شہر سے باہر نکلیں ہم شہر میں داخل ہو جائیں انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ بہت سارے ہندو مارے گئے۔ یہ سولہ کے سولہ آدمی شکار دروازہ کے برج سے باہر نکلے۔ بالکل سلامت باہر آگئے۔ بڑے دروازے کے باہر مقیم ہوئے۔ اس جگہ ایک مسجد بنائی۔ چند پتھر رکھ محراب بنایا اذان کہی۔ نماز ادا کی۔ صبح سویرے واپس ہوگئے۔ دوسری بار پھر آئے۔ اسی طرح مویشیوں کے باہر نکلنے کے وقت اندر داخل ہوگئے۔ بڑے پیمانے پر قتال ہوا ہنود کی ایک بڑی تعداد کو قتل کیا۔ شہر میں بہت بڑا ہنگامہ برپا ہوگیا پھر حصار دہلی کے راستے شکار دروازے سے باہر نکل آئے حضرت سید جہاں پر ہنود سے جنگ کررہے تھے وہاں پر ہنود کا ایک ہجوم تھا انہوں نے یکبار گی حضرت سید پر حملہ کر دیا حضرت سید لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اسی جگہ پر ہی حضرت سید کی قبر مبارک ہے۔ یقیناً فرزند رسول ﷺ نے

اللہ کی راہ میں قتال کیا اور اسی پر وہ شہید ہوئے یقیناً وہ مقربانِ حضرت حق تعالیٰ اور مشفقانِ امت میں سے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت خواجہ گیسودراز قدس سرہ کی سوانح حیات

"تاریخ حبیبی (تالیف ۹۴۹ھ)" میں بھی

حضرت زید الجندی کا ذکر آیا ہے

می فرمودند: دہلی فتح کردہ تُرکان است و پیش ازاں سید ابو الحسن جنیدی دوازدہم کرسی فرجد من باشد چند کرت از خراسان برائے فتحِ دیارِ دہلی آمد۔ انبوہے ہندوان اقلیم ہند و شوکت چند ہزار رسالہ فراہم آمدہ۔ وایشان نتوانست فتح کردن۔ چوں در آخرین کرت کہ آمد، شہادت یافت۔ مدفن متبرکہ اش در صحن مسجد انار است۔ صالحانے کہ در پیرامون آن مسجد ساکن بودند، در ہر شب جمعہ دران مسجد بالائے قبر فرجد من نورے می دیدند۔ روزے حضرت، فرمودند۔ "مولانا بہاء الدین" تو می دانید کہ مسجد انار کجا است، بہاء الدین التماس کردند، آرے مخدوم، بندہ میداند۔

تاریخِ حبیبی تذکرۂ مرشدی (نسخۂ خطی) صفحہ ۱۴

تالیف مولانا عبدالعزیز بن شیر ملک بن محمد واعظی

سال تالیف ۹۴۹ھ

دہلی تُرکوں کی فتح کی ہوئی ہے۔ اس سے پیشتر سید ابو الحسن جندی میری بارھویں پیڑھی کے دادا ہوئے ہیں، ملک دہلی فتح کرنے کے لیے خراسان سے چند بار تشریف لائے تھے چونکہ ملکِ ہندوستان کے ہنود گروہ در گروہ جمع ہوگئے اور چند ہزار سال کی شوکت و سلطنت کا سامان ان کے پاس جمع تھا۔ اس لیے میرے جد سے دہلی فتح کرنا ممکن نہ ہوا اور جب آخری مرتبہ تشریف لائے تو یہیں جامِ شہادت نوش فرمایا مسجد انار (دہلی) کے صحن میں آپ کی قبر مبارک موجود ہے۔ بعض نیک لوگ جو اس مسجد کے پاس رہتے تھے ہر شبِ جمعہ کو اس مسجد میں میرے پردادا کی قبر پر ایک نور دیکھا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا بہاء الدین تم جانتے ہو کہ مسجد انار کہاں واقع ہے۔ مولانا بہاء الدین نے کہا، جی ہاں مخدوم بندہ کو معلوم ہے۔ ص ۸۰۷

حضرت سیدابوالحسن زیدالجندی الشہید قدس سرہ

تین بھائی تھے:

(۱) الحسن ابو محمد الرئیس بالکوفہ

(۲) ابوالحسن زید الجندی

(۳) جعفر الاحول

"عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" صفحہ ۳۰۴

ان تینوں بھائیوں کی اولاد کوفہ، شام، نیل، اور خُراسان میں اقامت پذیر تھی۔

(۶۱-۶۲) المختصر فی علم الانساب (خطی)

عمدۃ الطالب میں ہے:

فمن نبی زید الجندی بن الحسین الفدّان آل شیبان: وھوا بو الفوارس مُحمّد بن عیسیٰ الفارس بن زید الجندی المذکور کا نوابطناً بانکوفہ (صفحہ ۳۰۴)

زید الجندی بن حسین الفدّان کی اولاد و احفاد میں آل شیبان ہیں ابوالفوارس مُحمّد بن عیسی الفارس بن زید الجندی مذکور اور وہ کوفہ میں سکونت پذیر ہے۔

عیسیٰ الفارس کے علاوہ زید الجندی کے ایک بیٹے داؤد بھی تھے جو سادات ِ گیسُودرازؒ کے مُورث ہیں۔

حضرۃ زید الجندیؒ کے بعد سید علی الحسینی رحمہم اللہ تک بزرگوں کے حالات معلوم نہیں ہوسکے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ صاحبِ وقار و وجاہت گزرے ہیں۔ حضرۃ شاہ من اللہ نبیرہ حضرت خواجہ گیسودرازؒ کے ملفوظات "شوائل الجمل در شمائل الکُمل" میں مذکور ہے۔

فرمودند:

"بعض سلفِ بندگی مخدوم (خواجہ گیسودرازؒ) چاکرِ پادشاہان بودہ اند - امّا ایشاں را با پادشاہی عہدے بودہ است کہ مادر سرائۓ تُو در نیائیم از انکہ وقتیکہ دربان مارا حائل شود و چوب در میان آرد، آبروئے ما رَوَد۔ بعدہٗ چہ شجاعت خواہیم فرمودند وقتیکہ پادشاہ سوار می شدے برائے مہم را ایشاں برابر می رفتند۔ وقتیکہ بازمی آمدے از دربار پادشاہ را سلام میکردند و پادشاہ ہم از آنجا برک می دادے و باز میگردانیدے و کذالک اگر نامزد می شدند۔ باز ہمچناں میکردند"

(ص ۲۹۱)

حضرت زید الجندی کی شہادت کے بعد ان کی اولاد و احفاد اپنے وطن خراسان ہی میں نشوونما پاتی رہی۔ پھر ایک مدت کے بعد اس خاندان کے کوئی بزرگ برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے بعض کا خیال ہے کہ حضرت خواجہ گیسودراز قدس سرہ کے دادا بزرگوار سید علی الحسینی رحمہ اللہ ہرات سے تشریف لائے اور دلّی میں فروکش ہوئے لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ حضرت خواجہ گیسودراز کے والد گرامی سید یوسف "سید راجا" اور والدہ ماجدہ "بی بی رانی" کے لقب سے معروف تھے غیر ملک سے آئے ہوئے کسی خاندان میں مقامی عرفی نام اتنی جلد رائج نہیں ہو پاتے۔

حضرت زید الجندی کا مزار مبارک حضرت، خواجہ گیسو درازؒ کے زمانے تک معروف تھا البتہ آج کل اس کے صحیح آثار دریافت طلب ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۲- سید داؤد بن زید الجندی رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۳- سید حمزہ بن داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۴- سید علی بن حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۵- سید مُحمّد بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۶- سید حسین بن مُحمّد رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۷- سید یُوسف بن حُسین رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۸- سید مُحمّد بن یُوسف رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۹- سید علی بن مُحمّد رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۰- سید یُوسف بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ

"تاریخِ حبیبی" میں حضرت خواجہ گیسودراز قدس سرہ کی تصانیف، کے باب میں ایک رسالہ "شجرہَ نسب" کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت خواجہ صاحب کا یہ بیان نقل کیا ہے:

"فرماتے تھے کہ اس شجرہ کو لکھنے کے لیے مجھے کچھ اوپر ستر تاریخ کی کتابیں پڑھنی پڑی ہیں۔ اسکے بعد میں نے لکھا یا۔" (تاریخِ حبیبی ص ۶۵)

حضرت خواجہ صاحب کی بعض کتب شائع ہو چکی ہیں لیکن زیادہ تر تصانیف تاہنوز پردہَ خفا میں ہیں جن میں یہ رسالہَ نسب بھی شامل ہے۔

حضرت خواجہ ابوالفیض شاہ من اللہ حسینیؒ کے ایک ملفوظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ پر کوئی حادثہ گزر چکا ہے۔ فرماتے ہیں:

"شجرہ کہ بندگی مخدوم تصنیف کردہ بودند، بدنبالِ او بسیار مشقت کردہ بودند۔ طریق ملتقط بود۔ ہمیشہ در صندوق داشتند۔ بعد نقلِ بندگی مخدوم بہ برادرم میاں سفیر اللہ رسید، او کسی را تنسیخ کردن نمیدادی۔ ہمیشہ بستہ داشتے۔ آخر آں نعمتِ عظیم و مکاتبہَ جسیم و غریب و عجیب یافت و آتشِ غیرت اوراسوخت۔" (شوامل الجمل ص ۱۱ ۳)

شجرۂ نسب

حضرت خواجہ صدر الدین ابو الفتح الولی الاکبر الصادق سید محمد حسینی الملقب بگیسو دراز

قُدِّسَ سِرُّہٗ م ۸۲۵ھ

بن سید یوسف بن سید علی بن سید محمد

بن سید یوسف بن سید حسین بن سید محمد

بن سید علی بن سید حمزہ بن سید داؤد

بن سید ابو الحسن زید الجندی[1] | شہید دہلی در آغاز چہارم صدی ہجری

○ بن ابو عبد اللہ الحسین الفدان

○ بن ابو منصور محمد الاکبر

○ بن عمر الأعلی

○ بن ابو الحسین یحیی المحدث (المتوفی ۲۰۷ھ)

○ بن ابو عبد اللہ الحسین ذی الدمعۃ (م ۱۳۵ھ)[2]

○ بن سیدنا ابو الحسین زید الشہید (شہادت ۱۲۲ھ)

○ بن سیدنا علی الأوسط إمام زین العابدین رضوان اللہ علیہ وسلامہ (م ۹۴ھ)

○ بن سید شباب أهل الجنة أبو عبد الله الحسين سبط رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم (شہادت ۶۱ھ)

○ بن أمير المؤمنين سيدنا علي المرتضى كرم الله وجهه (شہادت ۴۰ھ)

[1] سیر محمدی اور تاریخ حبیبی میں زید بن ابو الحسن لیکن "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" میں ابو الحسن زید الجندی ہے۔

[2] سیر محمدی میں حسین بن ابو عبد اللہ۔ لیکن تاریخ حبیبی اور عمدۃ الطالب میں ابو عبد اللہ الحسین ہے۔

سیرتِ خواجۂ گیسو درازؒ

قطب الاقطاب خواجۂ دکن حضرت سیّد محمد حسینی گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز المتوفی ۸۲۵ھ

کے حالات و کمالات پر سب سے قدیم اور مستند کتاب

"سِیَرِ محمدیؒ" (تالیفِ فارسی ۸۳۱ھ) مؤلفہ مولانا محمد علی سامانیؒ مریدِ خاص خواجۂ گیسو درازؒ

تلخیص اور ترجمہ ○ از سیّد نفیس الحسینی

قال اللہ تعالےٰ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ
بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ
وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ الطور: ۲۱

اور جو یقین لائے اور اُن کی راہ چلی اُن کی اولاد ایمان سے، پہنچا دیا ہم نے اُن تک اُن کی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ان سے اُن کا کیا کچھ۔

حالات و سوانح

ولادت باسعادت حضرت مخدوم قطب الاقطاب سید محمد حسینی گیسو دراز قدس اللہ سرہ کی ولادت باسعادت ۴ رجب المرجب ۷۲۱ھ کو دہلی میں ہوئی۔

حضرت مخدومؒ کے والدِ ماجد کا اسمِ گرامی سید یوسفؒ تھا لیکن مشہور نام سید راجا تھا۔ ان کا وصال دولت آباد میں ہوا اور وہیں کرانہ کری میں مدفون ہیں۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں جس زمانہ میں ہم دولت آباد سے جانب دہلی روانہ ہوتے ہمارے والد صاحب نے اس سے چار سال پیشتر انتقال کیا تھا۔ ہمارے گھر کے سامنے ایک بڑا صحن تھا، والد صاحب کو ہم نے وہیں دفن کر دیا۔

نسب نامہ حضرت مخدوم قدس سرہٗ کا سلسلۂ نسب بائیسویں پشت میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملتا ہے۔ اور سلسلۂ مشیخت بھی بائیس واسطوں سے خاتم نبوتؐ تک پہنچتا ہے۔

سیّد السادات منبع السعادات صدر الملۃ والدّین الولی الاکبر الصادق ابوالفتح محمد بن یوسفؒ بن علی بن محمد بن یوسفؒ بن حسن بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابی الحسن الجندی بن حسین بن ابی عبداللہ بن محمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید المظلوم بن علی زین العابدین بن الحسین السبط الشہید بن فاطمۃ الزہراء بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

امیر المومنین سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے والد نامدار حضرت ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ تھے۔

شجرۂ طریقت

حضرت مخدوم قطب الاقطاب سید محمد حسینی گیسو دراز قدس سرہ
شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین محمود اودھی (چراغ دہلی) قدس سرہ
شیخ الاسلام شیخ نظام الدین محمد بداونی قدس سرہ
شیخ الاسلام شیخ فرید الدین مسعود (گنج شکر) اجہودھنی رح
شیخ الاسلام شیخ قطب الدین بختیار اوشی "
شیخ الاسلام شیخ معین الدین حسن سجزی "
شیخ الاسلام شیخ عثمان ہارونی "
شیخ الاسلام حاجی شریف زندنی "
شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین مودود چشتی "
شیخ الاسلام خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی "
شیخ الاسلام خواجہ رکن الدین ابو محمد چشتی "
شیخ الاسلام خواجہ احمد چشتی "
شیخ الاسلام خواجہ ابو اسحٰق چشتی "
شیخ الاسلام خواجہ علو دینوری "
شیخ الاسلام خواجہ ابو ہبیرۃ البصری "
شیخ الاسلام خواجہ حذیفۃ المرعشی "
شیخ الاسلام سلطان ابراہیم ادہم البلخی "
شیخ الاسلام خواجہ فضیل ابن عیاض "
شیخ الاسلام خواجہ عبد الواحد بن زید "
شیخ الاسلام خواجہ حسن بصری "
شیخ الشیوخ امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔
حضرت سید المرسلین تاج المحققین سلطان صوفیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سفرِ دولت آباد

سلطان محمد تغلق نے جب اہلِ دہلی کو دولت آباد روانہ کیا، اس وقت حضرت مخدوم چار برس کے تھے۔ آپ بھی اپنے والدِ بزرگوار کے ساتھ دولت آباد تشریف لے گئے۔

شیخ بالو کا ارشاد

حضرت مخدوم کے والدِ ماجد شیخ بالو کی ملاقات کے لیے دیوگیر (دولت آباد) تشریف لے گئے۔ حضرت مخدوم فرماتے تھے کہ وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ شیخ بالو قدس سرہٗ ایک مردِ بزرگ اور صاحبِ نعمت تھے۔ گھر ساری دروازہ کے قریب تھا۔ انہوں نے حضرت

مخدوم کے بارے میں بہت اچھے اور پاکیزہ کلمات ارشاد فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہی ظہور میں آیا۔

ابتدائی حالات

جب حضرت مخدوم قدس سرہ آٹھ سال کے ہوتے تو وضو، نماز اور دوسرے دینی کاموں میں اہتمام کرنے لگے۔ بہت سے بچے آپ کے پاس جمع ہوتے اور باادب تمام آپ کی خدمت میں بیٹھے اور کھڑے ہوتے تھے۔ حضرت مخدوم قدس سرہ پانی کا ایک کٹورا رکھتے اس میں سے ہر ایک کو مشائخ کے طریقے پر تبرک عنایت فرماتے۔

بعد ازاں آپ تعلیم میں مشغول ہوتے اور بیشتر اپنے ناناجان کی صحبت میں رہنے لگے۔ آپ کے نانا حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین محمد بداونی قدس اللہ سرہ العزیز کے مرید تھے۔ آپ کے والد بزرگوار بھی انہیں کے ارادت مند تھے۔ والد ماجد اور ناناجان سے حضرت شیخ نظام الدین (قدس سرہ) کے فضائل اکثر سنا کرتے تھے۔ آپ کی بیشتر توجہ حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہ کی جانب مائل تھی۔

حضرت مخدوم قدس سرہ طلب علم میں برابر مشغول رہتے تھے۔ جس زمانہ میں آپ اُستاد سے مصباح اور قدوری پڑھتے تھے۔ ایک شخص آیا اور آپ سے سوال کیا کہ نماز میں جب رکوع کے بعد سجدہ میں جاتے ہیں تو زمین پر ہاتھ پہلے رکھتے ہیں یا گھٹنے؟ اور جب سجدہ سے اُٹھتے ہیں تو (زمین سے) ہاتھ پہلے اُٹھاتے ہیں یا گھٹنے؟ حضرت مخدوم قدس سرہ نے ابھی یہ مسئلہ نہیں پڑھا تھا۔ فرمایا، تھوڑی دیر بعد آؤ تو میں اس کا جواب دوں گا۔ جب وہ چلا گیا تو آپ مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ کر سوچنے لگے کہ اس کو کیا جواب دوں؟ دفعتہً آپ نے دیکھا کہ ایک شخص صحیح قامت، گندم گوں، سر پر بڑی سی پگڑی، فراخ آستینوں والا مسجد میں آیا اور دوگانہ شروع کیا۔ حضرت مخدوم قدس سرہ نے اپنے دل میں کہا کہ مرد بزرگ معلوم ہوتا ہے شاید یہ شیخ الاسلام شیخ نظام الدین ہوں اس اعتبار سے کہ اپنے ناناجان سے حضرت شیخ کا حلیہ بالکل ایسا ہی سن رکھا تھا۔ اُن کی نماز دیکھنے لگے اور جی میں کہا کہ یہ بزرگوار ہاتھ اور گھٹنے جس طرح رکھیں گے اور اٹھائیں گے، میں سائل کو ویسے ہی بتا دوں گا۔ بزرگوار نے نمازِ دوگانہ تمام کی اور غائب ہو گئے۔ آپ نے جواب مسئلہ حاصل کر لیا۔ دوڑے دوڑے اپنے ناناجان کے پاس آتے۔ اور کہا کہ میں نے آج آپ کے پیر شیخ نظام الدینؒ کو دیکھا۔ ایسی اور ایسی صورت تھی۔ آپ کے نانا نے ارشاد فرمایا تم نے یقیناً دیکھا۔ حضرت مخدوم ایسے

تھے کہ سب لوگ تعجب کرتے تھے ۔ اور یہ واقعہ حضرت شیخ (نظام الدین اولیاء) کے وصال کے بعد پیش آیا تھا۔

اشتیاق ارادت

اب حضرت مخدومؒ کے دل میں ارادت کا ولولہ پیدا ہوا۔ حضرت شیخ نصیر الدین (چراغ دہلی) کے فضائل بہت سُن چکے تھے آپ کا قلب اُن کی طرف مائل تھا لیکن اس تردد میں تھے کہ کیسے اُن کی خدمت میں حاضر ہوں، وہ دہلی میں اور ہم دولت آباد میں سات سو کوس کا فاصلہ درمیان ہے۔

عزم دہلی

جب حضرت مخدومؒ پندرہ برس کے ہوئے اتفاقاً آپ کی والدہ ماجدہ کسی وجہ سے اپنے بھائی ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی سے مکدر ہوئیں۔ اور اسی غصے میں دہلی کو روانہ ہو گئیں۔ حضرت مخدومؒ اور اُن کے بڑے بھائی سید حسین عرف سید چندن قدس سرہٗ ہمراہ تھے۔ حضرت مخدوم قدس سرہٗ کے والد بزرگوار اُس زمانے میں وصال فرما چکے تھے۔ چند ماہ بعد آپ دہلی پہنچ گئے۔

شرف بعیت

جمعہ کے دن جامع مسجد سلطان قطب الدین میں جو سراتے کے اندر واقع تھی آپ نماز جمعہ کے لیے تشریف لے گئے۔ صحن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ حضرت شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ جامع مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت مخدومؒ کی نظر اُن کے جمال پر پڑی۔ اور عاشق و مبتلائے جمال ہو گئے۔ جی میں کہنے لگے اگر یہی شیخ نصیر الدینؒ ہوں تو کیا اچھا ہو۔ بعض حاضرین سے آپ نے پُوچھا کہ یہ بزرگوار کون ہیں؟ انہوں نے کہا، شیخ نصیر الدین محمود اودھی بہت ہی خوش ہوتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے کہ پہلے دل نے انہیں قبول کیا تھا اب آنکھ نے بھی قبول کر لیا۔ اپنے بڑے بھائی سے آپ نے اصرار فرمایا کہ آئیے ہم اور آپ دونوں چلیں اور حضرت شیخ کے مرید ہو جائیں۔ سولھویں

رجب المرجب ۷۳۶ھ روز استفتاح حضرت مخدومؒ اور ان کے بڑے بھائی سید چندن حضرت شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔

سید چندن تو دنیوی کاموں میں مشغول ہو گئے اور حضرت مخدوم قدس سرہٗ نے حضرت شیخ الاسلام کی

خدمت گذاری اختیار کی مجاہدہ وریاضت، ذکر ومراقبہ اور حضرت شیخ کی تلقین وفرمائش کی بجاآوری میں مصروف ہوتے۔ نیز علوم ظاہری کی تعلیم بھی کچھ سید شرف الدین کیتھلی سے اور کچھ مولانا تاج الدین بہادرؒ سے حاصل کرتے رہے۔

مولانا علاء الدین النّدیؒ کی تربیت

جب مولانا علاء الدین النّدیؒ کو اُن کے خالہ زاد بھائی ملک حاجی حضرت شیخ کی خدمت میں بیعت کے لیے لاتے اور آپ نے ان کو مُرید کرلیا۔ تو فرمایا ملک نادرہ تمہاری میرے ساتھ مصاحبت ممکن نہیں اور کچھ کہنے سُننے کا اب وقت نہیں رہا ہے۔ ان یارانِ طریقت میں سے کسی ایک کی صحبت اختیار کرلو۔ مولانا علاء الدین سوچ میں پڑگئے۔ حضرت شیخ نے دوبارہ ارشاد فرمایا "کسی کو پسند کیا"۔ مولانا علاء الدین قدس سرہٗ نے عرض کیا کہ جی ہاں اُس سید کو، جو لمبے لمبے بال رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت مخدومؒ کے بال بہت لمبے تھے زانو تک پہنچتے تھے۔

حضرت شیخؒ نے فرمایا سید محمد گیسو دراز! آؤ ملک نادرہ کو اپنی صحبت میں رکھو اور جو کچھ میں نے تمہیں تلقین کیا ہے ان کو بھی حصہ دو۔ اس وقت سے حضرت مخدومؒ اور مولانا علاء الدین قدس سرہٗ یکجا رہنے لگے۔ حضرت مخدومؒ کی والدہ ماجدہ مولانا علاء الدین کو بیٹا فرماتی تھیں اور مولانا مذکور حضرت مخدومؒ کی والدہ کے سامنے آیا کرتے تھے۔

جب حضرت مخدومؒ پر لذتِ مشغولی غالب ہوتی اور گھر میں یکسوئی حاصل نہ ہوتی تھی تو آپ حظیرۂ شیرخاں جہاں پناہ میں مشغول رہنے لگے وہاں ایک حجرہ تھا۔ حضرت مخدوم قدس سرہٗ دس سال اس حجرے میں مشغول بحق رہے۔ مولانا علاء الدین بھی ہمیشہ ساتھ ہی رہتے تھے۔ وہیں سے حضرت قاضی عبدالمقتدر کی خدمت میں تعلیم کے لیے جایا کرتے تھے۔ غالباً حضرت شیخ کے حکم سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ پھر وہاں سے ہر روز حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ارشاد و تربیت حاصل کرتے۔

تحصیل علوم ظاہر

کبھی کبھی حضرت شیخؒ کی خدمت میں عرض کرتے کہ علم ظاہر کسی قدر حاصل ہوچکا ہے اگر اجازت ہو تو اسی پر بس کروں اور کلّی طور پر علم باطن میں مشغول ہوجاؤں حضرت

شیخ فرماتے، خیر ہدایہ، بزدوی، رسالہ شمسیہ، کشاف، مفتاح، صمائف ان سب کتابوں کو ترتیب سے پڑھ لو، مجھے تم سے ایک کام لینا ہے۔ حضرت مخدوم قدس سرہٗ نے سب کتابیں پوری کرلیں اور حضرت شیخ کی خدمت میں گذارش کی۔ شیخ بے حد خوش ہوتے۔

مجاہدہ وریاضت

اس کے بعد حضرت مخدومؒ ہمہ تن علوم باطن میں لگ گئے۔ مجاہدہ وریاضت طے کے روزے پنجگانہ، دوگانہ اور پانزدہ گانہ اختیار فرمائے اور مکاشفات وتجلیات پر فائز ہوگئے۔ اپنے حالات حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کرتے رہتے۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے مجھ میں پھر سے شوریدگی پیدا کردی ہے اور مجھے میرے پہلے زمانے کے واقعات یاد دلادیے ہیں۔

حضرت شیخ کی نوازش

حضرت شیخؒ بڑی مہربانی فرمایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ اپنے معتقدوں میں سے ایک بزرگ کی وفات پر نکلے تو زیارت کے بعد فرمایا: سید محمد ابقاہ اللہ تعالیٰ کا مقام مشغولیت کہاں ہے تاکہ اُن کو چل کر دیکھوں۔ وہاں سے قصد فرمایا اور حظیرہ شیر خاں میں حضرت مخدومؒ کے دیکھنے کو تشریف لے گئے۔ کچھ روپے بھی ساتھ لاتے تھے اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا کہ سید محمد کے لیے یہ ہماری نذر ہے۔ اُس دن سے حضرت مخدوم قدس سرہٗ کا نام بہت بلند ہوا اور طائفۂ صوفیا میں اُن کی شہرت پھیل گئی۔ یہاں تک کہ صوفیانِ کامل بیک زبان فرماتے تھے کہ اِس شخص کو جوانی ہی میں مقامِ پیرانِ واصل ومقتدایانِ کامل حاصل ہوگیا ہے۔

خلوت گزینی

جب حضرت مخدوم قدس سرہٗ کی عُمر تیس سال سے کچھ اُوپر ہُوتی تو آپ زیادہ تر خلوتوں اور صحراؤں میں رہا کرتے۔ اور خلقت سے بالکل منقطع رہتے اور سیرِ سلوک بہ تمام وکمال فرمانے لگے۔ آخر انتہائی مقامات پر پہنچ گئے کہ اس سے آگے سیر کی جگہ نہیں ہے۔ عورتوں کی صحبت سے آپ بالکل محترز تھے۔ اہل وعیال سے فارغ تھے اور کمال مجاہدہ کرتے تھے۔

شیخ کی علالت

اسی سال حضرت شیخ نصیر الدینؒ کو باسور بادی کا دورہ ہوا۔ حضرۃ کے حسب ارشاد مشغول بحق ہو کر آپ نے عالم واقعہ میں دیکھا کہ ایک پرانا چھپر ہے، خواجہ خضر علیہ السلام اُس کی چھت پر کھڑے ہیں۔ اور حضرت مخدوم سے اشارہ میں کہہ رہے ہیں کہ حضرت شیخؒ کو میرا سلام پہنچاؤ۔ حضرت مخدوم قدس سرہٗ

خانقاہ میں آئے۔ حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے دریافت فرمایا تم نے کیا دیکھا عرض کیا، حضرت خواجہ کی صحت پائی۔ میں نے یہ دیکھا کہ خواجہ خضر علیہ السلام مجھے اشارہ میں کہہ رہے ہیں، حضرت شیخ نصیر الدین کو میرا اسلام پہنچاؤ"۔ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ خوش ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد حق تعالیٰ نے فضل فرما دیا۔ حضرت خواجہؒ کو صحت ہو گئی۔ اُس کے ایک سال بعد تک حیات رہے۔ کیونکہ خواجہ خضر کا کہنہ چھپر پر کھڑے ہونا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ حضرت شیخؒ کی عمر اخیر کو پہنچ گئی ہے اور سلام کی تعبیر یہ تھی کہ اس بیماری سے حضرت شیخؒ کو صحت و سلامتی ہو جائے گی۔

حضرت مخدومؒ کی علالت

جب حضرت مخدومؒ کی عمر کا سینتیسواں برس شروع ہوا۔ اُس سال دہلی میں وبا پھیلی۔ حضرت مخدومؒ کو خلہ کی بیماری لاحق ہو گئی اور خون تھوکنے لگے۔ ساتھ ہی ہچکی بھی شروع ہو گئی۔ تمام یاران و اصحاب طریقت اور ارباب درس میں شور برپا ہو گیا کہ سید محمد سلمہ اللہ تعالیٰ کو مہلک مرض لاحق ہو گیا ہے۔ حضرت شیخ نصیر الدین قدس اللہ سرہٗ نے مولانا صدر الدین طبیب اور مولانا علاء الدینؒ کو حضرت مخدوم قدس سرہ کے دیکھنے کو بھیجا۔ مولانا صدر الدینؒ نے نبض پکڑی، دیکھا کہ آپ اضطراب میں ہیں اور حالت دگرگوں ہے وہ وہیں ٹھیر گئے اور افطار بھی وہیں کیا۔ حضرت شیخؒ نے روغنِ خشت بھیجا، اُس کو خلہ کی جگہ پر لگایا گیا، اس سے تخفیفِ مرض ہو گئی۔

جب مولانا صدر الدینؒ سے حضرت شیخؒ نے دریافت فرمایا کہ سید محمد طال عمرہٗ کیسے ہیں۔ تو مولانا نے عرض کیا اچھے ہیں، روغنِ خشت سے بہت فائدہ ہوا۔ حضرت شیخؒ نے مولانا زین الدینؒ سے فرمایا کہ روغنِ خشت تھوڑا سا اور بھیج دو۔ اور سید محمدؒ سے کہو کہ بادشاہ کے سوا کوئی دوسرا یہ روغن کشید کرنا نہیں جانتا ہے۔ وہ کشید کرتا ہے اور میرے لیے بھی بھیج دیتا ہے۔ مولانا صدر الدینؒ نے عرض کیا آپ کے غلام بھی یہ روغن نکالنا جانتے ہیں۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا پھر کیوں نہیں نکال کر دیتے ہو۔ مولانا صدر الدین نے گذارش کی، اس لیے نہیں نکالتا کہ لوگ لے جاتے ہیں۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا علاء الدینؒ، سید محمدؒ سے کہنا کہ ایسے ہی تمہارے دوست ہیں حضرت شیخؒ کا ایک آدمی ہر روز حضرت مخدومؒ کی بیمار پرسی کے لیے آیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے صحت ہو گئی۔

علالت کے بعد حاضری

حضرت مخدومؒ بروز چہار شنبہ ۷۵۰ھ کو حضرت شیخؒ کی خانقاہ میں حاضر خدمت ہوئے۔ خواجہ بشیر موجود تھے۔ حضرت شیخؒ کو اطلاع کی گئی۔ شیخؒ بے حد خوش ہوئے۔ اُسی وقت بُلوا لیا۔ جب حضرت خواجہؒ کی نظر حضرت مخدومؒ پر پڑی تو

بلند آواز سے فرمایا، الحمد للہ۔ آپ قریب ہو گئے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا: سید، نہیں کیا بیماری تھی؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا خلہ کی بیماری تھی، خون تھوکتا تھا اور ہچکی آتی تھی۔ آپ نے تعجب کیا۔ فرمایا، بڑی سخت بیماری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کرم کیا کہ تمہیں صحت ہو گئی حضرت مخدومؒ نے عالم واقعہ میں کچھ دیکھا تھا۔ چاہا کہ عرض کریں، کھڑے ہو گئے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ آفتاب نکل آیا ہے، مجھے نماز اشراق ادا کرنی ہے، تم بھی جاؤ اور پڑھو۔ اس کے بعد آؤ اور کہو۔ حضرت مخدوم قدس سرہ باہر آ گئے، شیخ اشراق میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثناء میں قاضی عبد القدر اور شیخ محمد درویش قدس سرہما اور دوسرے حضرات حاضر خدمت ہوئے۔ خواجہ بشیر نے جا کر خبر کی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا۔ ان حضرات کو بلالو اور سید محمدؒ سے کہو کہ دہیں ٹھیریں۔ یہ حضرات حاضر ہوئے۔ آپ نے سب کو بہت جلد رخصت فرما دیا، حضرت قاضی عبد القدر اور شیخ محمود بیٹھے رہے شیخ نے ان سے فرمایا، سید محمدؒ خون تھوکتے تھے خلہ کی بیماری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کرم کیا کہ سید محمد طال عمرہٗ کو صحت ہو گئی۔ کچھ وقفے سے پھر یہی فرمایا۔ بعد ازاں اُن سے ارشاد فرمایا، آپ لوگ جائیں اور سید محمدؒ کو میرے پاس بھیج دیں۔ وہ باہر آ گئے۔ حضرت قاضی عبد القدرؒ نے فرمایا، سید تمہیں اندر بلاتے ہیں ہمیں باہر جانے کا حکم ملا ہے۔ تم جاؤ۔

عرضِ حال و کیفیت

حضرت مخدومؒ کوٹھے پر حاضر ہوئے اور عرض کیا "میں نے اس بیماری میں یہ دیکھا کہ میرے لیے ایک جامہ لایا گیا۔ فرمان ہوا اسے پہنو کہ یہ جامۂ ولایت ہے پھر فرمایا کہ اُتار ڈالو۔ میں نے اُتار دیا۔ ایک اور جامہ لاتے اور فرمایا کہ اسے پہنو، یہ جامۂ نبوت ہے۔ پھر فرمایا اُتار ڈالو۔ میں نے اُتار دیا۔ ایک اور جامہ لاتے اور فرمایا اسے پہنو کہ یہ جامۂ رسالت ہے۔ پھر فرمایا اُتار ڈالو۔ میں نے اُتار دیا۔ پھر ایک اور جامہ لاتے اور فرمایا اسے پہنو کہ یہ جامۂ اتحاد ہے۔ پھر فرمایا اُتار ڈالو، میں نے اُتار دیا۔ پھر اور جامے لاتے گئے۔ فرمایا انہیں پہنو کہ یہ جامہ ہائے ربوبیت و الوہیت و ہوّیت ہیں۔ میں نے ہر ایک کو پہنا۔ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس درمیان میں حضرت شیخؒ کا روئے مبارک میں نے دیکھا کہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ وہ بار بار فرماتے جاتے تھے کہ ہاں پھر، ہاں پھر۔ پس میں نے عرض کیا کہ پھر تمام اشیاء مختلف کو جو صورۃً متفاوت ہیں سب کو میں نے ایک حقیقت پر پرُوئی ہوئی دیکھا۔

خلافت سے سرفرازی

حضرت شیخؒ بے حد خوش ہوتے اور اپنا دست مبارک اپنے چہرے پر پھیرا اور فرمایا الحمد للہ رب العالمین اور چند الفاظ اس قسم

کے ارشاد فرماتے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت شیخؒ کی عمر آخر ہونے والی ہے۔ اس کے بعد اپنے سامنے سے کبن اُٹھایا اور حضرت مخدوم قدس سرہ کو عنایت فرمایا۔ اور حضرت مخدومؒ کے ہاتھ مضبوط پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے پیچھے مشقت کرتا ہے تو کسی چیز کے واسطے کرتا ہے اس کے بعد فرمایا سید محمد اس کام کو میری طرف سے قبول کر لو یعنی دست بیعت دیا کرو۔ حضرت مخدوم قدس سرہٗ نے سر نیچا کر لیا اور خاموش رہے۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا، تم نے قبول کیا؟ حضرت مخدوم قدس سرہٗ نے عرض کیا میں نے قبول کیا۔ پھر فرمایا، تم نے قبول کیا، حضرت مخدوم قدس سرہٗ نے عرض کیا میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ اپنے ظاہری اوراد کو ترک نہ کرنا اور دوسری یہ کہ ہمارے متعلقین کے ساتھ رعایت کرنا۔

اس کے بعد مولانا زین الدین آ گئے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا، زین الدین جاؤ اور کندوری کے لیے حلوے کی فرمائش کرو۔ جب مولانا زین الدین چلے گئے تو آپ نے اپنا نہالچہ حضرت مخدومؒ کی طرف پھینکا اور فرمایا سید اس نہالچے کا غلاف اُتار کر آستین میں رکھ لو اور چلے جاؤ۔

شیخؒ کی جانشینی

۱۵ رمضان المبارک سہ شنبہ کی رات حضرت شیخؒ کی علالت شروع ہوئی بیماری کے دنوں میں بعض یارانِ طریقت نے حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں گذارش کی کہ ہر بزرگ نے اپنی مراجعت کے وقت چند اشخاص مقرر کیے ہیں اور اپنی جگہ کے لیے ان میں سے ایک کو ممتاز فرمایا ہے حضرت شیخؒ کے بعض مسترشد عالی مقامات پر فائز اور صاحب کشوف و تجلیات ہیں۔ اگر ان میں سے بعض کو مجاز اور ایک کو ممتاز فرما دیں تو یہ بات طریقہ خواجگان کے کچھ خلاف نہ ہوگی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا اُن لوگوں کے نام لکھ کر لاؤ۔ یارانِ طریقت سے مشورہ کے بعد مولانا زین الدین نے فہرست پیش کی۔ اس فہرست میں حضرت مخدوم قدس سرہٗ کا نام نہ تھا۔ جب حضرت شیخؒ پوری فہرستِ اسماء دیکھ چکے تو فرمایا کہ کیا ڈھیلے پتھر باندھ لاتے ہو۔ ان لوگوں سے کہو کہ اپنے ایمان کا غم کھائیں اور اس فہرست کو پھینک دیا۔ مولانا زین الدین نے چند نام خارج کر دیئے اور فہرست مختصر کر کے دوبارہ حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرمایا پڑھو انہوں نے پڑھی۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا، سید محمد کا نام تم نے نہیں لکھا ہے بسبب خوف سے کانپنے لگے، اُسی وقت، حضرت مخدومؒ کا نام لکھ کر پڑھ دیا۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے حضرت مخدوم کا نام سُن کر فہرست لے لی اور اپنے قلم مبارک سے صاد فرمایا۔

حضرت شیخ نصیر الدینؒ کی وفات

۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ شب جمعہ کو حضرت شیخ نصیر الدین قدس اللہ سرہٗ نے دارِ فنا سے دارِ بقا کو رحلت فرمائی۔ حضرت شیخؒ کی عمر شریف ۸۲ سال تھی۔

انتقالِ نسبت

وہ نسبت جو حضرت شیخؒ کے پاس تھی، چار اشخاص کو ملی، ان میں سے ایک حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ تھے۔ اور جب دوسرے تین حضرات نے انتقال کیا تو وہ تمام نسبت بھی حضرت مخدوم قدس سرہٗ کے پاس لوٹ آئی۔

سجادہ ولایت پر

حضرت شیخ قدس سرہٗ کے وصال کے تیسرے روز حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ سجادہ ولایت پر جلوہ افروز ہوتے اور اپنا ہاتھ بیعت کے لیے بڑھا دیا۔ طالبانِ حق کو تلقین و ارشاد فرمانے لگے۔ جس طرح حضرت شیخ نصیر الدینؒ فرمایا کرتے تھے۔

نکاح

جب آپ کی عمر چالیس سال سے اوپر ہو گئی۔ تو حضرت مخدومؒ کی والدہ حضرت بی بی رانی شادی کے لیے مُصِر ہوئیں۔ بصد رست آپ نے شادی کر لی۔ سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربیؒ کی صاحبزادی آپ کے نکاح میں آئیں۔

رجوعِ عام

زمانہ مشیخت میں بہت سے علماء و صلحاء ملوک و خواتین اور قسم قسم کی مخلوق آپ کی مرید ہوئی

دہلی سے گلبرگہ

جب آپ کی عمر شریف اسی سال کی ہوئی تو، ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو مغلوں کے حملے کی وجہ سے اپنے تمام کنبے سمیت کھیلسہ دروازہ کے راستے شہر دہلی سے باہر نکلے۔ اِس "سیرِ محمدی" کا مؤلف (محمد علی سامانی) بھی ہمراہ تھا۔

بہادر پور

جب آپ بہادر پور پہنچے ملک محمد علی افغانی اور مولانا بہاء الدین ہر دو مریدانِ حضرت مخدومؒ نے استقبال کیا۔ انہوں نے قصبہ کے اندر مکانات خالی کرا دیئے اور ان میں آپ کو ٹھہرایا۔ حضرت مخدومؒ نے مولانا بہاء الدین کو اپنی طرف سے وکیل مقرر فرمایا تاکہ جو کوئی حضرت مخدومؒ سے بیعت ہونا چاہے وہ حضرت کی طرف سے اُسے ٹوپی دے دیا کریں۔

مکتوب بنام مولانا علاء الدین گوالیریؒ

وہاں سے ۱۸ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو گوالیر میں مولانا علاء الدین گوالیری کے نام جو آپ کے مریدِ صادق،

مشغول، تارکِ دنیا، عالم باعمل تھے۔ اور مغلوں کے حملے سے تقریباً دس سال پیشتر دہلی میں حضرت مخدوم سے بیعت ہوکر ارشاد و تلقین حاصل کی تھی۔ اس مضمون کا فرمان بھیجا۔

فرزندِ دینی، مولانا علاء الدین گوالیری، محمد حسینی کی دعا مطالعہ کرو۔

تقدیر سے ایسا اتفاق پیش آیا ہے کہ ہم شہر دہلی سے حملے کی وجہ سے باہر نکلے ہیں جو تحریر و تقریر سے باہر ہے دیکھنے ہی سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ ہمارا قصد گوالیر آنے کا ہے۔ میرے بیٹے، ایسا کرو کہ فرید خاں کو اپنے ساتھ لے کر فلاں جگہ اور فلاں مقام کی سرحد تک ہمارے لینے کو آجاؤ اور شرف افلح سے بھی کہہ دو کہ انہیں موقع ملے تو وہ بھی آئیں۔ سبحان اللہ العظیم عجب زمانہ ہے کہ میں لوگوں سے منت کرتا ہوں کہ میں تمہارے پاس آرہا ہوں، میری امداد کرو۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے پیٹھ کو پیٹ کی طرف اور پیٹ کو پیٹھ کی طرف اُلٹا پلٹا رہتا ہے۔ پھر تاکید کی جاتی ہے اب تاخیر و تامل کا موقع نہیں ہے۔ تم پر عجلت لازم ہے۔

دریاب اگر تو عاقلی لبشتاب اگر صاحب دلی۔

باشد کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایام را

عزمِ گوالیر

۲۰ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو بہادر پور سے گوالیر روانہ ہوئے۔ جب گوالیر تقریباً بیس میل رہ گیا، ایک بیابان میں پہنچے۔ وہاں بہت سے ہنود جمع ہوگئے قریب تھا کہ وہ لوٹ مار شروع کریں۔ ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور تسبیح و تہلیل و تحمید میں مشغول ہوگئے۔ ناگاہ گوالیر کی طرف سے ایک فوج نمودار ہوئی۔ ساتھیوں کو بڑی سخت تشویش ہوئی۔ اور گمان ہوا کہ شاید ہنود کی معاونت کے لیے آرہی ہے۔ جونہی آنے والی فوج کی نظر حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ پر پڑی سب کے سب گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ حضرت مخدوم و مخدوم زادگاں اور سب ساتھیوں نیز ابوالمعالی مولانا محمد، مولانا محمد معلم مولانا شیخو، سید تاج الدین، اور مولانا محمد لبد تراش وغیرہم نے پہچانا کہ مولانا علاء الدین گوالیری استقبال کو آئے ہیں۔ سب باغ باغ ہوگئے۔ اور ہنود مقہور و مردود ہوئے۔

مولانا علاء الدین گوالیری کا ایثار

۲۲ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو گوالیر میں رونق افروز ہوئے۔ حضرت مولانا علاء الدین نے اپنا مکان خالی کر رکھا تھا۔ وہاں آپ نے نزول فرمایا۔ حضرت مولانا علاء الدین نے قافلے کی دعوت کی۔

دوسرے دن مولانا علاء الدین گوالیری نے ایک فہرست جس میں اپنا نام، اپنے فرزندوں اور اہل خانہ کے نام لکھے تھے حضرت مخدومؒ کی خدمت میں پیش کی کہ ہم سب کو فروخت کر کے کام میں لائیں۔ اور دیگر تمام غلام، گھوڑے اور مویشی اور وہ سب غلہ جو گھر میں تھا نقد روپیہ اور کتابیں سب خدمت میں پیش کریں۔

ان سب میں سے کچھ نقد روپیہ، غلہ، گھوڑے اور چند کتابیں آپ نے قبول فرمائیں۔ مولانا پر بہت مہربانی فرمائی اور بغلگیر ہوتے اپنا سینہ اُن کے سینے سے ملایا اور فرمایا تمہاری اولاد میری اولاد ہے۔

حضرت مولانا علاء الدین کے بیٹے مولانا ابوالفتح جو مغلوں کے حملے سے دو سال پہلے مرید ہو چکے تھے۔ گوالیر میں انہوں نے حضرت سے تجدید بیعت کی۔

مولانا علاء الدین کی خلافت یابی

۱۷ جمادی الثانی ۸۰۱ھ کو حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ بھاندیر کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی دن حضرت مولانا علاء الدین کو جامۂ خلافت عطا فرمایا۔ مولانا حمید الدین مفتیؒ دہلی نے جو حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ کے مریدوں میں سے تھے اور شریک سفر تھے خلافت نامہ لکھوایا۔ مولانا حمید نے حضرت مخدومؒ سے عرض کیا کہ اب تک حضرت نے کسی کو خلافت عطا نہیں فرمائی ہے اور مخدوم زادوں کو بھی اجازت نہیں ہوئی۔ مولانا علاء الدین کو سب سے پہلے خلافت کیسے عطا فرما رہے ہیں؟ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ نے فرمایا اے مولانا حمید! کیا میں اپنی طرف سے (خلافت) دے رہا ہوں۔ مجھے تو فرمایا گیا ہے کہ مولانا علاء الدین کو خلافت دو۔ اس لیے دے رہا ہوں۔ اگر میں اپنی خواہش پر عمل کروں تو پہلے اپنے بیٹوں کو خلافت دوں۔ اس کے بعد حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ نے خلافت نامہ املا کرایا اور مولانا حمید نے تحریر کیا۔

بھاندیر

اس کے بعد گوالیر سے بھاندیر اور بھاندیر سے ایرچہ تشریف لائے۔

جب آپ بھاندیر میں تھے ایک بڑے عالم مولانا ذوالقرنین جو شیخ الاسلام شیخ نصیر الدین اودھی قدس اللہ سرہ کے مرید تھے کے فرزندوں، بہت سے افغانوں اور ان کے بیٹوں، اور وہاں کے خیلداروں نے آپ سے بیعت کی۔ اس مقام کا حاکم مظفر خاں بھی آپ کے استقبال کو آیا۔

ایرچہ

جب آپ ایرچہ پہنچے تو خوانین و ملوک اور علماء و مشائخ کی ایک کثیر تعداد نے استقبال کیا اور ملاقات کو حاضر ہوتے۔ مثلاً سید اکرام، سید مہمان، مولانا امیر الدین، قاضی برہان الدین

سید احسن، شیخ خوند میر اور اس مقام کے حاکم سلیمان خاں وغیرہ خلقِ کثیر بیعت سے مشرف ہوئی۔

شیخ الاسلام ایرچہ کے صاحبزادے شیخ خوندمیر اپنے بھائیوں سمیت بیعت ہوئے۔

چھترہ وہاں سے چھترہ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی خلقِ کثیر بیعت ہوئی۔ قاضی اسحاق، محمد رکن مفتی چھترہ اور ان کے بھائی، قاضی سلیمان اور ان کے دوسرے بھائی "حضرت قاضی القضاۃ قاضی منہاج الدین مدرس اور حاکم چھترہ کے بیٹے بھی مُرید ہوئے۔ وہاں کے باشندوں کا ایک بہت بڑا ہجوم تھا۔ سب نے بیعت کی۔

چندیری وہاں سے چندیری تشریف فرما ہوئے۔ مخدوم خواجہ یعقوبؒ چندیری کے صاحبزادے حضرت شیخ نصیرالدین نے استقبال کیا۔ اپنے گھر لاکر ٹھہرایا۔ وہاں پر مفتی چندیری کے صاحبزادے جو بڑے عالم تھے اور قاضی خواجگی کہلاتے تھے نیز دوسرے لوگوں نے بیعت کی۔ شیخ نصیرالدین چندیری نے تلقین ذکر کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ تلقین ذکر میں میری ایک روش ہے کہ طالبین ایندھن کا گٹھا جنگل سے سر پر اٹھا کر لاتے ہیں تب میں تلقین کرتا ہوں۔ تم شیخ اور شیخ زادہ ہو اور اس جگہ کے صاحب ہو۔ ایندھن کا گٹھا نہیں لاسکو گے جس شغل میں ہو اُسی میں مشغول رہو۔

بڑودہ پھر وہاں سے آپ نے روانگی اختیار فرمائی اور ریاند حار ہوتے ہوئے بڑودہ تشریف لے گئے۔ شبِ عید الفطر ۹۰۱ھ کو بڑودہ پہنچے۔ بالا تے حوض فروکش ہوئے۔ آدم خاں اور ان کے لڑکے اور دوسرے لوگوں نے بڑی خاطر مدارات کی۔ چند دنوں بعد ظفر خاں و نثار خاں نے خرچہ اور وظیفہ آپ کی خدمت میں بھیجا۔

قیام کھنبایت ذوالقعدہ ۹۰۱ھ میں کھنبایت کو رونق بخشی۔ ظفر خاں نے تقریباً پانچ چھ کوس آگے آکر استقبال کیا۔ کافی مقدار میں فتوح اور کندوری ساتھ لایا۔ ظفر خاں کو فرمان ہوا کہ کوئی ہے جو تیرا عیب تیرے منہ پر بیان کرے اور تجھے اس کی خبر کرے۔ قاضی سلیمان نے جو اس کے مقربوں میں سے تھا، کہا، خوند خاں کا کیا کہنا کسی خلافِ شرع کام کے آس پاس بھی نہیں بھٹکتے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا: میں نہیں کہتا تھا کہ یہ سب تیرے خوشامدی ہیں؟ ظفر خاں اور سب موجود ساتھیوں نے سر نیچا کر لیا۔

کچھ عرصہ آپ سرزمین گجرات میں کھنبایت اور دوسرے مقامات پر قیام پذیر رہے۔ مولانا نظام الدین مرنی جو پہلے ہی سے شرف بیعت رکھتے تھے اور دوسرے لوگ بھی حاضر خدمت ہوتے۔ شیخ سعید کھنبایتی مُرید حضرت شیخ علاء الدین الندیؒ کے صاحبزادے شیخ عمر حضرت مخدومؒ کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے

اُن کا ایک لڑکا تھا اُسے بھی برابر ساتھ لایا کرتے تھے۔

یہاں سے دوبارہ بڑودہ تشریف لائے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر سلطان پور سے ہوتے ہوئے دولت آباد کی طرف عزم فرمایا۔

سفرِ دولت آباد دولت آباد میں آپ نے اپنے والدِ ماجد حضرت سید یوسف قدس اللہ سرہٗ کے مزار کی زیارت فرمائی۔ جب فتح آباد عرف دیگر پہنچے۔ عضد الملک جو اُس جگہ کا حاکم تھا۔ حاضرِ خدمت ہوا اور سلطان فیروز (بہمنی) بادشاہِ گلبرگہ کی طرف سے نذر پیش کی سلطان فیروز نے سُنا تھا کہ حضرت مخدومؒ اس طرف تشریف لا رہے ہیں۔ اُس نے (حاکم کو) لکھا تھا کہ ہماری طرف سے نذر لیجا کر خدمت میں پیش کرو۔

قصدِ گلبرگہ پھر وہاں سے دارالسلطنت احسن آباد عرف گلبرگہ کا قصد فرمایا۔ سلطان فیروز (بہمنی) لشکر کے ساتھ باہر نکلا ہوا تھا۔ راہ میں حاضر ہو کر حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں باصرار عرض کیا کہ گلبرگہ کی سکونت اختیار فرمائیں۔ حضرت مخدومؒ تھوڑی دیر مُراقب ہوئے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے چاہا تھا کہ تمہاری بات مان لیں لیکن تمہاری عُمر بہت تھوڑی باقی رہ گئی ہے۔ پس اگر میں گلبرگہ میں رہوں گا اور تم نہ رہوگے تو پھر کیا راحت ملے گی۔ سلطان فیروز (بہمنی) نے فوراً عرض کیا کہ اگر میری عُمر تھوڑی باقی رہ گئی ہے لیکن حضرت مخدومؒ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا تو کر سکتے ہیں کہ میری عُمر بڑھ جائے۔ ارشاد فرمایا، ہاں، ایسا کر سکتا ہوں۔ آج رات میں مشغول ہوں گا۔ کل آؤ جواب دُوں گا۔ سلطان واپس چلا گیا۔ دُوسرے دن پھر آیا حضرت مخدوم قدس سرہٗ کے سامنے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کھڑے ہو کر کیفیتِ مذکور کے لیے التماس کی۔ ارشاد فرمایا۔ آج رات تمہارے واسطے مزید عُمر کے لیے دُعا کی تو فرمان ہوا کہ ہم نے اُس کی عُمر زیادہ کر دی جب تک تم جیو گے وہ بھی زندہ رہے گا، اور واقعۃً ایسا ہی ہوا

چنانچہ حضرت مخدومؒ گلبرگہ میں جلوہ افروز ہوئے اور سکونت اختیار فرمائی۔

وصال

جب آپ کی عمر شریف ایک سو پانچ سال چار ماہ اور بارہ روز کی ہوئی تو ۱۶ ذوالقعدہ ۸۲۵ھ بروز دوشنبہ وقت اشراق و چاشت کے درمیان اس سرائے فانی سے اس جہانِ باقی کی طرف رحلت فرمائی۔ رضی اللہ عنہ۔

اے اللہ اے اکرم الاکرمین تیرے کرم سے ان کے اوران کے احباب کے زمرے میں ہمارا حشر ہو۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مولانا بہاء الدین امام مجھے غسل دیں اور مولانا سراج الدین پانی ڈالیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت مخدومؒ کا سالِ وفات "مخدوم دین و دنیا" سے ۸۲۵ھ نکلتا ہے۔

فضائل

حضرت مخدومؒ کا مقام و مرتبہ احاطۂ تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ سلطان العارفین شیخ ابویزید بسطامیؒ و خواجہ جنید بغدادیؒ اور دیگر بزرگوں کے جو حالات کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اور کانوں تک پہنچے ہیں وہ سب آپ سے ظاہر ہوتے۔ آپ کی روش متقدمین کے طرز پر تھی۔

استغراقِ کامل

یارانِ معتبر اور مریدانِ معتمد سے سنا گیا ہے کہ حضرت مخدومؒ کو ابتدائے حال میں حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا استغراق تھا کہ کھانے پینے کی کچھ خبر نہ تھی۔ دوگانہ، دوازدہ گانہ اور پانزدہ گانہ طے کے روزے رکھا کرتے تھے۔ زیادہ تر صوم دوام رکھتے تھے۔

آپ ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت شیخ نصیر الدین قدس اللہ سرہ نے پہلی مرتبہ جب مجھے روزہ کیلئے فرمایا، آخر شب میں میرا دل بے قرار ہوگیا جیسے جان نکلنے لگی۔ آخر میں نے صبر کیا۔ اس کے بعد میرے دل کو متلی ہوتی اور میں نے قے کی۔ تو گولی کی شکل کی ایک چیز میرے حلق سے باہر گری۔ ہرچند میں نے اسے توڑنا چاہا لیکن نہ ٹوٹی۔ میں نے اسے دور ایک طرف پھینک دیا۔ اس کے بعد مجھے بھوک لگنی بالکل موقوف ہوگئی۔ بس گرمی کے موسم میں طے کے روزے رکھتا تھا لیکن ہرگز کوئی ضعف پیدا نہیں ہوتا تھا۔

خطاب من جانب اللہ

جناب مخدومؒ کا خطاب من جانب اللہ "ولی الاکبر" تھا۔ قطب ابدال شیخ نور الدین پانزدہ آپ کو سید محمد صادق کہا کرتے تھے۔

ایامِ طفولیت سے لے کر بیعتِ شیخ کے زمانہ تک عالم غیب کا ایک شخص آپ کے ہمراہ رہا کرتا تھا۔ اگر تقاضائے بشری کسی ناشروع کام کا ذرا سا قصد بھی آپ کے دل میں پیدا ہوتا تو وہ شخص مانع ہو جاتا۔

ابدالوں اور مردانِ غیب سے ملاقات

اکثر آپ پہاڑوں اور ویرانوں میں مشغول بحق رہا کرتے تھے اور اگر شہر میں تشریف لاتے تو کسی کی جانب نظر نہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ آپ کو سید دیوانہ کہتے تھے۔ ابدالوں اور مردانِ غیب سے اکثر ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ذکرِ ابدالاں جو آپ بعض مریدین کو تلقین فرماتے تھے انہیں سے حاصل کیا تھا اور بعض ابدال حضرت مخدومؒ کے مرید تھے۔ مثلاً فخر الدین، چھجو اور راسفندیار وغیرہ جو اپنے قطب شیخ نور الدین پاٹڑاو کے اذن سے بیعت ہوئے تھے۔

لطفہٗ قہرہٗ، قہرہٗ لطفہٗ

فرمایا۔ ایک دفعہ میں کھنبایت سے پٹن جا رہا تھا امساکِ باراں تھا۔ مویشی بہت مارے گئے تھے۔ جانور انہیں کھا رہے تھے ایک کوا شاخ پر بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔

یا واسع المغفرت وسعت	اے اللہ تری مغفرت بڑی وسیع ہے اے رحیم
علینا رزقاً بفضلك یا	اے وہاب اے کریم اے توّاب تو نے اپنے
وھّاب یا کریم یا توّاب	فضل سے ہم پر ہمارا رزق وسیع کر دیا ہے۔

میں نے تعجب کیا کہ اس زمین کے رہنے والوں پر تو مصیبت آئی ہوئی ہے اور کوے رزق ونعمت کی کشادگی پر اور زیادہ شکرادا کر رہے ہیں۔ میں نے جان لیا کہ لُطفہٗ قہرہٗ، قہرہٗ لطفہٗ (اس کا لُطف قہر ہے اور اس کا قہر لُطف ہے)

رکن الدین ابدال سے ملاقات

ایک مرتبہ حضرت مخدومؒ گھر سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص پرانی دہلی کی جامع مسجد کے نزدیک قے کر رہا ہے اور گوشت کی بوٹیاں اُگل رہا ہے ایک خارش زدہ بیمار کتا ان کو کھا رہا ہے۔ اور لوگ جو اس راہ سے گزر رہے ہیں اُس شخص کو گالیاں دے رہے ہیں۔ جب وہ فارغ ہو گیا وہاں سے ایک تالاب کی طرف چلا گیا۔

حضرت مخدومؒ نے اُس کی پیشانی پر آثارِ معرفت دیکھے۔ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ آخر کار

اس کو پالیا۔ وہ شخص حوض پر آیا وضو کیا۔ کلی کرنے میں اُس نے بہت مبالغہ کیا پھر دوگانہ ادا کیا۔ حضرت مخدومؒ نے اُس سے فرمایا تمہیں اُس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تمہیں اور مجھے پیدا کیا اور تمہاری پیشانی پر آثارِ نعمت ہویدا فرمائے۔ مجھے بتاؤ تم کون ہو۔ اُس نے کہا آپ نے قسم دے دی اب ناچار اپنا حال کہنا پڑ گیا ہے۔ میں ابدالوں کی جماعت کا ایک فرد ہوں۔ رکن الدین میرا نام ہے میں یہاں سے تقریباً ایک ہزار کوس پر تھا مجھے حکم ملا کر جامع مسجد پرانی دہلی کے دروازے پر ایک خارش زدہ بیمار کتا ہے آج اُس کا رزق چند پیالے شوربا اور گوشت کی چند بوٹیاں ہم نے فلاں جگہ سے مقرر کیا ہے۔ اُن کا برتن تیرا پیٹ ہے تو وہاں جا اور اُس گوشت اور شوربے کو کھائے۔ پھر جا کر اُس کتے کو کھلا دے۔ بضرورت آیا ہوں، جیسے مجھے فرمایا گیا میں نے کر دیا۔ آپ نے دیکھا کہ لوگوں نے کیا کیا کہا۔ لازم ہے کہ تحمل کیا جائے۔

بعد میں حضرت مخدومؒ نے اُس سے محبت کی گرہ باندھی اور بھائی چارہ کیا اور اُس سے بہت سے اشغالِ باطنی حاصل کیے۔

حضرت گنج شکرؒ کے مزار پر حاضری

ایک دفعہ شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ روحہٗ کی زیارت کے لیے اجودھن تشریف لے گئے۔ حضرۃ حضرت شیخ منورؒ نواسہ حضرت شیخ فرید الدینؒ نے حضرت مخدومؒ کو حضرتِ شیخ کے روضے میں ٹھہرنے کی جگہ دی وہاں آپ فروکش ہوئے۔ ایک دن حضرت مخدومؒ وہاں مشغول بحق تھے۔ ناگاہ شیخ منورؒ کا کوئی آدمی وہاں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سر علیحدہ پڑا ہے اور ہاتھ الگ۔ وہ باہر آیا اور چلایا کہ حضرت سید محمد حسینی کو کسی نے مار ڈالا۔ بہت سے لوگ دوڑے آئے۔ دیکھا کہ بالکل ٹھیک قبلہ رُو تشریف فرما ہیں۔ یہ قصہ حضرت شیخ منورؒ کی خانقاہ میں مشہور ہے۔

تجلّی صفت رضا

جس وقت مولانا ابوالفتح کو ذکر و مراقبہ کی تلقین ہوئی۔ تو مخدوم زادگان و یارانِ طریقت مثلاً مخدوم زادہ میاں ید اللہ و میاں سفیر اللہ و میاں احمد و میاں ابن الرسول و قاضی صاحب و شیخ شہاب الدین شہزادہ، خواجہ احمد دبیر و مولانا بہاء الدین امام و مولانا سراج الدین خادم و قاضی سیف الدین و سید تاج الدین و ملک مبارک و ملک عثمان و شیخ حمید و مولانا فخر الدین نواسہ مولینا فخر الدین زرادی سب کو بعد فراغت تلقین واپس فرما دیا لیکن مولانا ابوالفتح کو بٹھائے رکھا۔ اُن سے ارشاد فرمایا کہ اُس وقت جب میں تجھے تلقین کر رہا تھا اور سب یارانِ طریقت حلقہ میں بیٹھے ذکر کر رہے تھے۔

حق تعالیٰ نے مجھ پر اپنی صفتِ رضا کی تجلی فرمائی۔ اس کے بعد مولانا مذکور کو شانہ دان سے اپنا شانہ مرحمت فرمایا اور واپس فرما دیا۔

ایک دوسرے وقت حضرت مولانا ابو الفتح نے عرض کیا کہ عرصہ ہوا حضرت مخدوم کے صدقے سے کوئی چیز بخشش نہیں ہوئی۔ فرمایا "جاؤ آج رات مشغول رہو اپنا مطلب پاؤ گے"۔ مولانا کو اس رات میں عظیم چیزیں حاصل ہوئیں جو بیان سے باہر ہیں۔

نورِ فراست جس زمانہ میں حضرت مخدومؒ دہلی میں تھے۔ مغلوں کے حملوں سے دو تین سال پیشتر آپ نے سب کو مطلع کر دیا تھا کہ اس مقام کے لیے بلا نامزد ہو چکی ہے۔ یہ مقام تباہ ہو جائے گا۔ جس سے ہو سکے باہر چلا جائے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم لوگ باہر نہ جا سکو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسے ارشاد فرمایا تھا۔ ایک دن ایک ارادتمند حاضر ہوا۔ دریافت فرمایا، کس راستے سے آئے ہو؟ اس نے کہا بازارِ کمان سے ہو کر۔ فرمایا کہ یہ بازارِ کمان ایسا ہو جائے گا کہ یہاں شیر رہیں گے آخر مغلوں کے ہنگامہ کے بعد وہاں شیر آ کر رہا تھا۔

جب حضرت مخدومؒ گوالیر تشریف لائے۔ گوالیر کے لوگوں نے اصرار کیا کہ حضرت مخدومؒ یہاں سکونت اختیار فرمائیں۔ سب لوگ خدمت کریں گے۔ آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس جگہ کے لیے بلا نامزد ہو چکی ہے۔ تم سے ہو سکے تو باہر چلے جاؤ۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ اس مقام پر کافروں نے قبضہ کر لیا۔

دہلی میں جس وقت مولانا حسین آپ کے مرید ہوئے، ان کی بہن کے داماد نے کہا کہ آپ سید محمد کے کیا مرید ہوئے۔ مولانا حسین نے کہا کہ تو نے سید محمد کو دیکھا ہی نہیں۔ اگر دیکھو تو معلوم ہو جائے کہ سید محمد کیا چیز ہیں۔ اس نے کہا اچھا میں اور آپ کل چلیں گے۔ دوسرے دن مولانا حسین اور ان کی بہن کے داماد حضرت مخدومؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مخدوم چوکی پر تشریف فرما تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ حضرت مخدومؒ سر پر ایک عمامہ باندھے ہوئے تھے جس کے کنارے سرخ تھے۔ ہاتھ میں سرخ چرمے کا پنکھا تھا۔ مولانا حسین کی بہن کے داماد کے جی میں آیا کہ اگر یہ صاحبِ نعمت ہوں گے تو یہ پنکھا اور عمامہ مجھے دے دیں گے۔

حضرت مخدومؒ نے ارشاد فرمایا، مولانا سنو، بغداد میں ایک بازیگر تھا۔ وہ اپنے گدھے کو مجمع میں لا کھڑا کرتا اور کرتب دکھاتا، اس کی دونوں آنکھوں پر پٹی مضبوط باندھ دیتا، پھر کہتا، تم لوگوں میں سے کوئی

کسی کا سامان چرا لے تو میں اُسے پکڑ لوں گا۔ کوئی کسی کا سامان چرا لیتا وہ گدھے کی آنکھیں کھول دیتا اور کہتا فلاں آدمی کا سامان کسی نے چرا لیا ہے۔ چور کو تلاش کرو۔ وہ گدھا سب کو سونگھتا ہوا چلتا جب چور کے پاس پہنچتا تو اُس کے کپڑے دانتوں سے پکڑ لیتا اور کھینچتا ہوا بازی گر کے پاس لے آتا۔ اس (واقعہ) کے بعد فرمایا کہ بڑی مشکل ہے کہ اگر کوئی اظہارِ کرامت کرے تو گدھے کے مانند بنے۔ اگر اظہار نہ کرے تو لوگ اُسے بے نعمت کہتے ہیں۔ مولانا، یہ لوبنکھا اور عمامہ۔ مولانا حیران و متحیر کھڑے ہو گئے اور بیعت کی درخواست کی آپ نے قبول فرمائی۔ مُرید ہوئے اور مشغولانِ حق میں سے ہو گئے۔

مولانا نصیرالدّین قاسم کی بیعت

دہلی میں ایک عالم تھے مولانا نصیرالدین قاسم۔ مولانا معین الدین عمرانی کے اوّل درجے کے شاگردوں میں تھے۔ بیحد اہل دستی تھے۔ مخدوم زادگان اُن سے پڑھتے تھے۔ کبھی اُن کے گھر جا کر پڑھتے تھے اور کبھی وہ خانقاہ میں تشریف لا کر سبق پڑھاتے۔ ابتدا میں کسی سے اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ آخر کار حضرت مخدومؒ کی خدمت میں آ کر مرید ہو گئے۔ حضرت مولانا معین الدین عمرانی نے سُنا تو اُن سے کہا مولانا تم تو عالم ہو، پھر سیّد محمد کے مرید کیوں ہو گئے مولانا نصیرالدین نے کہا۔ ہاں میں عالم تو تھا لیکن مسلمان سیّد محمد کے سامنے ہوا ہوں۔

ایک دن (مولانا نصیرالدین قاسم نے) تفرقۂ باطن اور حضورِ قلب کے لیے التماس کی۔ حضرت مخدومؒ نے انہیں کوئی چیز فرما دی۔ چند روز بعد دریافت فرمایا کہ کچھ خطرہ ابھی ہے؟ انھوں نے عرض کیا جس طرح پہلے دل میں تصورِ حضوری محال تھا اب خطرے کا تصور محال ہے۔

معیت صفتی و ذاتی

ایک دفعہ ایک ملک زادہ جو تارک ہو گیا تھا، حضرت مخدومؒ کی خدمت میں آیا۔ حضرت مخدومؒ کے دستِ مبارک میں اپنا تصنیف کردہ رسالہ تھا۔ ملک زادہ نے التماس کر کے رسالہ لیا اور دیکھا۔ اُس میں حضرت مخدومؒ نے تحریر فرمایا تھا کہ ہمارے ساتھ حق تعالیٰ کی معیت ذاتی ہے۔ اُس ملک زادہ نے یہ جملہ یاد کر لیا۔ جب وہاں سے واپس ہوا۔ تو حضرت قاضی عبدالمقتدر کی خدمت میں گیا۔ اُن سے عرض کیا کہ سیّد نے ایسا لکھا ہے کہ (مخلوق کے ساتھ) حق تعالیٰ کی معیت ذاتی ہے۔ یہ بات کتابوں کے خلاف ہے اُن میں معیتِ علمی بتائی گئی ہے۔ یہ کلام درست نہیں ہے حضرت قاضی عبدالمقتدر نے فرمایا۔ ہاں اگر وہ تمہیں رسالہ نہ دکھاتے تو تم ایسا کیوں کہتے۔ اُن کی سزا یہی ہے۔

اس ملک زادہ نے اس پیا کنفانہ کی حتیٰ کہ یہ بات سلطان فیروز (تغلق) بادشاہِ دہلی کے کانوں تک پہنچا دی۔ سلطان نے ملک عماد الملک کو بلا کر کہا کہتے ہیں پرانی دہلی میں سید محمد نام ایک درویش ہیں۔ شریعت کے خلاف باتیں کہتے ہیں۔ عماد الملک نے کہا، بندہ ان کو جانتا ہے اور ان کی پابوسی کر چکا ہے اور بندہ کے لڑکے میاں جیون و میاں شاہین ان کے مُرید بھی ہیں۔ اگر فرمان ہو تو تحقیق کروں۔ حکم ہوا کہ عُلما کو بلاؤ اور جمع کرو تاکہ اس مسئلہ کی تحقیق کریں۔ ملک عماد الملک نے کہا کہ پرانی دہلی کی جامع مسجد میں جہاں حضرت مخدومؒ نماز جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں وہیں عُلما کو جمع کروں گا۔ فرمان ہوا بہتر ہے۔ نماز جمعہ کے بعد عُلما جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ حضرت مخدومؒ نماز ادا کر کے واپس تشریف لے جا چکے تھے۔ عماد الملک نے کہا اُن کو طلب کرنا بے ادبی ہے۔ کوئی ایک آدمی اُن کے ہاں چلا جائے اور دریافت کرے۔ سید علاء الدین جو شہر کے سید اجل تھے اور سید علاء الدین جیونپوری کے نواسے تھے نیز اُن کی صاحبزادی مخدوم زادہ (سید محمد اصغر حسینی بن حضرت مخدومؒ) کے گھر میں تھی۔ سب نے کہا کہ سید اجل جائیں۔ سید اجل گئے اور عرض کی کہ بعض لوگ ایسا کہتے ہیں۔ کہ آپ (معیّت کو) معیّت ذاتی فرماتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں سید سنو، عُلما معیّتِ صفتی کہتے ہیں اور صفت ذات سے علیحدہ نہیں ہے۔ جو معیّت از روئے صفت ہوئی وہ از روئے ذات بھی ہوئی اور پھر یہ معیّت اعتباری ہے نہ حقیقی اور اعتبار ذات میں ہو یا صفات میں (ایک ہی چیز ہے) سب نے قبول کیا۔ آپ کی عظمتِ شان کی وجہ سے کسی کی مجال نہ ہوئی کہ آپ کے سامنے تردید کرتا۔

حضرت مخدومؒ کے فضائل معرضِ تحریر اور حدِ تعریر سے متجاوز ہیں مختصر طور پر ذکر کر دیے گئے ہیں۔

اگر در سرائے سعادت کس است

ز گفتارِ سعدیش حرفے بس است

روشِ سلوک

نمازِ باجماعت حضرت مخدومؒ پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔ کسی وقت بھی تنہا یا ایک آدمی کے ساتھ ادا نہیں فرماتی۔ گلبرگہ میں حضرت مولانا بہاء الدین امام امامت کرتے تھے اور مولانا قطب الدین اذان کہتے تھے۔ اذان جماعت خانہ (مسجد) میں ہوا کرتی تھی۔ آپ سُنت باہر ادا فرماتے۔ اس کے بعد تکبیر ہوتی اور آپ اندر جاکر فرض ادا فرماتے۔ اگر فرض کے بعد کوئی سُنت ہوتی تو اُسے بھی باہر آکر ادا فرماتے۔

معمولات حضرت شیخ نصیر الدینؒ کے اوراد پر آپ کا روزانہ عمل تھا اور مُریدوں کو بھی اورادِ شیخ پر مداومت کی تلقین فرماتے۔ مولانا نور الدین نے کئی بار تلقین ذکر کی درخواست کی۔ ہر بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ کے اوراد کی پُوری پُوری پابندی کرو۔ پھر میں تلقین کروں گا۔ اس کے علاوہ فجر اور عشا کی نمازوں کے بعد ہمیشہ ۳۰ آیات پڑھا کرتے تھے۔ اور نمازِ فجر کے بعد آپ چہل اسم پڑھا کرتے اور بعض مریدوں کو بھی اُن کی تلقین فرماتی۔ آخر زمانہ میں حضرت مخدوم زادہ میاں یداللہ طال اللہ عمرہٗ بلند آواز سے حضرت مخدومؒ کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ نماز عصر کے بعد آپ دعا استفتاح بلا ناغہ پڑھا کرتے تھے ان دنوں یہ دُعا میاں یداللہ پڑھ کر سناتے تھے۔

حضرت شیخ (نصیر الدینؒ) کے فرمان کے مطابق ہر روز نمازِ ظہر کے بعد تلاوت کرتے تھے۔ تلاوت کے ساتھ مراقبہ فرماتے جیساکہ اس کام کے کرنے والے جانتے ہیں۔ آخر عمر میں حضرت مولانا بہاء الدین امام بلند آواز سے تلاوت کرتے اور آپ سنتے تھے۔

اشراق و چاشت۔ فی الزوال اور تہجد تمام و کمال آپ ادا فرمایا کرتے تھے۔ آخر عمر میں قیام کی طاقت نہیں رہ گئی تھی اس لیے فرائض و نوافل سب بیٹھ کر ادا فرماتے۔

حضرت مخدومؒ دوپہر کو قیلولہ کرتے اور فرماتے تھے جو سونی قیلولہ نہیں کرتا وہ شب بیداری کی نیت نہیں رکھتا۔ ساری رات جاگتا ہے کہ پڑا سوتا رہے۔

تہجد کے بعد آپ ذکر میں مشغول ہوتے۔ زیادہ تر ذکر دو حلقی کرتے۔ بار بار آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے، بس کسی کو فتحِ باب ہوا ذکر و مراقبہ سے ہوا۔ لوگوں نے برسوں نماز، روزہ اور تلاوت میں گزار دیے لیکن کوئی راستہ نہ ملا اس لیے کہ وہ ذکر و مراقبہ سے غافل رہے۔

حضرت شیخ الشیوخ (خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی) قدس اللہ سرہ کے اوراد پر آپ کا عمل تھا۔ جوانی کے ابتدائی زمانہ میں صومِ دوام رکھتے تھے۔ آخر میں ایامِ بیض کے روزوں اور اوراد و وظائف کا معمول تھا۔ جمعہ کے دن غسل فرماتے تھے اور بلاناغہ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے جاتے۔ مسجد میں جا کر چھ رکعت نماز تین سلام کے ساتھ ادا فرماتے۔ سلام کے بعد بیٹھ کر مراقبہ فرماتے۔

سماع بالمزامیر پر شیخ کی تنبیہ

سماع میں چشتیوں کی سی رغبت رکھتے تھے۔ اکثر اوقات آپ سید نصیر خلیفہ شیخ برہان الدین غریب کے ہاں تشریف لے جایا کرتے۔ ان سے قرابتداری بھی تھی۔

حضرت مخدوم فرماتے تھے ایک دفعہ میں، مولانا صلاح الدین اور مولانا علاء الدین نے اتفاق کیا کہ ایک بار ایسا سماع سنیں کہ اس میں جملہ مزامیر ہوں۔ مولانا صلاح الدین کا گھر تجویز کیا گیا۔ تمام مزامیر وہاں جمع کیے۔ دروازہ ہم نے بند کر دیا۔ دیواریں اونچی تھیں۔ تین رات دن ہم نے سماع سنا۔ خلقت نے گھر کے گرداگرد ہجوم کیا۔ یہ خبر حضرت شیخ (نصیر الدین) تک پہنچی۔ جب ہم حاضرِ خدمت ہوئے تو ارشاد فرمایا سید محمد ایسا سماع مت سنا کرو۔ اس وقت سے پھر ہم نے مزامیر نہیں سنے۔

سماع شعر و غزل اور قول و ابیاتِ فارسی پر مشتمل ہوتا۔ آپ فرماتے تھے کہ میری فتح کا کثرتِ تلاوت اور سماع سے ہوئی ہے۔

تدریس و تصنیف

آپ دو وقت سبق پڑھایا کرتے تھے۔ ایک چاشت کے وقت، دوسرے بعد نمازِ ظہر تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد۔ زیادہ تر علم تفسیر و حدیث اور سلوک کا درس دیتے اور کبھی کبھی علمِ کلام و علمِ فقہ کا۔ اگر کوئی چیز تصنیف فرماتے تو فی زوال ادا کرنے کے بعد لکھواتے۔

صورتِ بیعت

صورتِ بیعت اس طرح پر تھی کہ اپنا دستِ مبارک مرید کے ہاتھ پر رکھ دیتے اور فرماتے کہ تم نے عہد کیا اس ضعیف سے اور اس ضعیف کے خواجہ

سے اور خواجہ کے خواجہ اور تمام مشائخ طبقات رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کہ آنکھ اور زبان کی حفاظت کروگے اور جادۂ شریعت پر چلوگے، تم نے یہ سب قبول کیا۔ مرید عرض کرتا جی ہاں میں نے قبول کیا۔ پھر آپ ارشاد فرماتے الحمد اللہ۔ اس کے بعد قینچی دستِ مبارک میں لیتے اور تکبیر فرماتے اور داہنی طرف سے کان کے قریب کے تھوڑے سے بال تراش لیتے پھر تھوڑے سے بال بائیں جانب سے۔ اس کے بعد تکبیر فرماتے ہوئے ٹوپی اُس کے سر پر رکھ دیتے۔ مُرید چلا جاتا اور دوگانہ ادا کرتا۔ پھر آتا اور نذر لاکر پیش کرتا۔

ارشاد و تلقین

پھر آپ ارشاد فرماتے کہ پانچوں وقت نماز باجماعت پڑھا کرو۔ نماز مغرب کے بعد چھ رکعت نمازِ اوّابین تین سلام کے ساتھ ادا کیا کرو۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص تین مرتبہ پڑھا کرو۔ اس کے بعد دو رکعت مزید برائے حفظِ ایمان۔ اس طرح کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سُورۃ اخلاص سات مرتبہ اور مُعوذتین تین مرتبہ پڑھو۔ سلام کے بعد سربسجدہ ہو کر تین بار یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ ثَبِّتْنِیْ عَلَی الْاِیْمَان کہو۔ نمازِ عشا کے بعد وتر سے پہلے دو رکعت پڑھا کرو۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص دس بار۔ سلام کے بعد ستر مرتبہ یَا وَهَّابُ یَا وَهَّابُ یَا وَهَّابُ پڑھا کرو۔ اگر ہو سکے تو ہر مہینے میں ایام بیض کے روزے رکھا کرو۔

استفتاح اور عرفہ کے دن تمام مُرید جمع ہوتے اور تجدید بیعت کرتے آپ انہیں پہلے سے زیادہ عمل کا حکم فرماتے۔ آپ ان سے دریافت فرماتے کہ تم پہلے (تلقین کردہ) اوراد میں مشغول رہے اور التزام کیا، اس سے کچھ فائدہ نظر آتا ہے؟ پھر بہت سی چیزیں مزید ارشاد فرماتے کہ اس اس طرح کرو اور مشغول رہو۔

خانقاہ کے لیل و نہار

حضرت مخدومؒ ہمیشہ تنہا چوکی پر بیٹھا کرتے تھے اور کسی کے لیے تعظیماً کھڑے نہ ہوتے، مگر صرف بادشاہ کے لیے۔ فرماتے تھے کہ تم اولی الامر ہو اس وجہ سے تمہارے لیے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ جب بادشاہ آنا چاہتا تو ایک روز پہلے پیغام بھیج دیتا تھا۔ آپ فرماتے کہ فلاں دن آؤ۔ پہلے سے آپ کھانے کا حکم فرماتے۔ جب بادشاہ آتا تو دسترخوان بچھایا جاتا۔ وہ کھانا کھا کر واپس جاتا اور تبرک بھی ساتھ لے جاتا۔

دسترخوان کا دستور یہ تھا کہ ہر آدمی کے سامنے چار روٹیاں رکھی جاتی تھیں۔ اور ایک صحنک میں سالن

دو دو آدمی شریک ہو کر کھاتے۔ ایک ایک پیالہ آش کا ہر ایک کے سامنے رکھا جاتا۔ کھانے کے دوران میں پانی نہیں دیا جاتا تھا۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہو جاتے۔ تو ہر آدمی اپنا بچا ہوا حصہ، صحنک اور آش کا پیالہ اٹھا لے جاتا۔

اشراق کے بعد آپ صاحبزادوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ اس کے بعد سبق میں مشغول ہو جاتے۔ علم تفسیر و حدیث اور سلوک کا درس دیتے۔ کبھی کبھی علم کلام اور علم فقہ کا۔ نمازِ ظہر کے بعد بھی تلاوت سے فارغ ہو کر سبق پڑھاتے۔

جن دنوں مؤلف سیرِ محمدی (مولانا محمد علی سامانی) گلبرگہ میں تھا قاضی راجا حضرت مخدومؒ کی تصنیف کردہ تفسیر پڑھتے تھے۔ شیخ زادہ شہاب الدین قوت القلوب اور مولانا ابوالفتح تعرف حضرت مخدومؒ کی شرح کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حضرت مخدومؒ کے برادر زادہ سید احمد کے بیٹے سید اصغر کشاف اور ملک تطبی مستوفی علاقہ چکین کے لڑکے ملک زادہ عز الدین اور ملک زادہ شہاب الدین آداب المریدین پڑھتے تھے۔ مخدومؒ زادہ میاں ید اللہ مصباح پڑھتے تھے اس کے بعد کافیہ شروع کی تھی۔ مخدوم زادہ میاں سفیر اللہ تصریف پنج گنج پڑھتے تھے۔

نمازِ عشا کے بعد دستر خوان بچھایا جاتا۔ سب صوفی اور مرید جمع ہو جاتے تقریباً چالیس رکابیوں کی روٹیاں کبھی کم کبھی زیادہ دستر خوان پر رکھی جاتیں۔ آش کا ایک پیالہ حضرت مخدومؒ کے حضور میں رکھا جاتا آپ اس میں سے تھوڑا سا نوش فرماتے، باقی جس پر نظرِ عنایت ہوتی اس کو مرحمت فرما دیتے۔

(حضرت مخدومؒ کے) دائیں طرف مخدوم زادگان، برادر زادگان اور قرابتدار بیٹھتے تھے۔ بائیں طرف مریدانِ خاص پھر اس کے بعد دونوں طرف دوسرے مریدین و معتقدین بیٹھتے تھے۔

تلقینات

ابتدائے حال میں مریدوں کو آپ کی تلقین یہ تھی کہ ہر روز حضرت شیخ الشیوخ (شیخ نصیر الدین چراغ دہلی) قدس اللہ سرہ العزیز کے اوراد کو معمول بنائیں۔ بعد ازاں اگر کوئی بلند ہمت ہوتا اور چاہتا کہ اس طائفۂ صوفیا کی روش اختیار کرے اور ان کے مقامات پر فائز ہو جائے۔ تو اسے ذکر و مراقبہ تلقین فرماتے۔

حضرت مخدوم سہالچہ پر تشریف فرما ہوتے اور مریدین دونوں طرف بیٹھتے اور جس کو تلقین کرنی ہوتی تھی وہ مجمع کے درمیان حضرت مخدوم کے سامنے نزدیک ہی بیٹھتا۔ پہلے آپ خود ذکر فرماتے پھر وہ ذکر کرتا جو آپ کے دائیں جانب ہوتا اس کے بعد وہ جو بائیں جانب ہوتا۔

اسی طرح آخر تک۔ سب کے بعد آپ اُسے ارشاد فرماتے کہ اب تم بھی ذکر کرو جیسے ان لوگوں نے کیا ہے۔ پھر آپ اُسے کوئی چیز عطا فرماتے اور واپس کر دیتے اول ذکر دو حلقی ذکر فنا و بقا اور مراقبہ علم تلقین فرماتے تھے۔ بعد ازاں اُس کے حسب حال اُس پر لطف و رحمت فرماتے اور دوسرے اذکار بتدریج تلقین فرماتے مثلاً یک رکنی، دو رکنی، سہ رکنی، چہار رکنی، ذکر شیخ خالدہ ذکر سہروردیاں، ذکر ہندی جو حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر کا خاصہ ہے اور ذکر اجابت، ذکر طریقت، ذکر کشف ارواح، کشف قبور، ذکر اجدال، ذکر لا الٰہ الا ھو ذکر ربوبیت، ذکر الرحیمیت، ذکر صمدیت، ذکر یا حی یا قیوم، ذکر جبرائیلی، ذکر کبریائی، ذکر وحدت ذکر متکلم، ذکر مناطب اور دوسرے اذکار و مراقبات۔ مزید مراقبات بتدریج تلقین فرماتے تھے۔ مثلاً مراقبہ معیت مراقبہ طریقت، مراقبہ قرب، مراقبہ احاطت، مراقبہ افعال، مراقبہ صفات، مراقبہ ذات، مراقبہ استوا، مراقبہ فنا، مراقبہ شہود، مراقبہ وجود، مراقبہ تصور، مراقبہ جمال، مراقبہ آئینہ، مراقبہ ہوئیت، مراقبہ فردانیت مراقبہ صمدیت، مراقبہ امانت، مراقبہ ہیبت، مراقبہ وجہ اللہ اور دیگر مراقبات کو اس سے زیادہ بیان کرنا خلاف مصلحت ہے اس لیے کہ نااہل اس کلام کو دستاویز بنالیں گے اور خود کو اس کام کا کرنے والا ظاہر کریں گے اگرچہ مغیبات کا جاننا سوائے اُس کے جو اس کام کا محرم راز اور اس حال کا لذت شناس ہے، دوسرے کے لیے ممکن نہیں ہے۔

یہ تمام اذکار و مراقبات حضرت مخدوم زادگان، حضرت مولانا علاء الدین، خواجہ احمد دبیر، مولانا ابوالفتح، قاضی راجا اور بعض دوسرے یاران طریقت جانتے ہیں اور وہ ان سے ثمرات حاصل کرتے ہیں۔

هنيئاً لارباب النعيم نعيمهم | ترجمہ: ارباب نعمت کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین
وللعاشق المسكين لا يتجرّع | کو جو مصائب برداشت کر رہا ہے مبارک رہیں۔

آپ ذکر خفی بھی تلقین فرمایا کرتے تھے جس میں ضرب کا اظہار نہیں ہوتا لیکن ذکر میں ضرب کا خیال محفوظ رکھتے ہیں۔ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ذکر کثرت سے کیا کرو تاکہ دل میں اتر جائے اور جب دل میں اتر جائے تو زبان کو بند کر لو۔ کہ الذکر باللسان لقلقہ کہ زبان کے ساتھ ذکر کرنا لقلقہ میں داخل ہے

اور جب ذکر میں راز کی بات پیدا ہو جائے تو دل کو خاموش کر دو کہ الذکر بالقلب وسوسۃ ذکر بالقلب بھی وسوسہ ہے۔ الذکر بالسّر معاینۃ ذکر بالسّر مشاہدہ ہے اور چاہیئے کہ سانس روک کر دل پر ضرب قوت سے لگائی جائے تاکہ دل کی چربی پگھل جائے اور دل کا مُنہ کُھل جائے اور جب فتح باب ہو جائے تو مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ فتح کے بعد پھر رجعت نہیں ہے۔ بعض اوقات کسی پر آپ کی نظر عنایت ہوتی تو کوئی آیت اور کوئی دُعا بھی تلقین فرما دیتے۔ جس طرح کہ حضرت مولانا نصیر الدین قاسم کو وہ دعا جس کا آغاز الٰہ العالمین والآخرین سے ہوتا ہے تلقین فرمائی تھی۔

حضرت مولانا علاء الدین جب گلبرگہ میں حاضر خدمت ہوئے۔ عرفہ کے دن تجدید بیعت کے بعد حضرت مخدوم نے کوئی خاص چیز انہیں ارشاد فرمائی کہ اس کی مداومت کریں۔ اس کو صراحت سے بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسی پر بس کرنا چاہیے۔

حضرت مخدوم بار بار فرمایا کرتے تھے کہ جو کوئی میری تلقینات پر میری شرائط کے ساتھ چالیس روز مداومت کرے اور پھر فتح باطن کے ابتدائی حالات اور کشوفات و تجلیات اس پر ظاہر نہ ہوں تو کل قیامت کے دن اس کا چنگل اور میرا دامن۔ والموفق ہو اللہ (توفیق دینے والا ہی اللہ ہے)

تصانیف

حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ کی تصانیف کثیر ہیں۔

۱۔ ملتقط: قرآن کی تفسیر سلوک کے رنگ میں۔

۲۔ ایک دوسری تفسیر آپ نے کشاف کے طرز پر شروع فرمائی تھی۔ تقریباً پانچ پارے تک ہو چکی تھی مگر پوری نہ ہو سکی۔

۳۔ حواشی کشاف

۴۔ شرح مشارق، سلوک کے رنگ میں

۵۔ ترجمہ مشارق

۶۔ معارف شرح عوارف

۷۔ ترجمہ عوارف

۸۔ شرح تعرف

۹- شرحِ آداب المریدین عربی
۱۰- شرحِ آداب المریدین فارسی
۱۱- شرحِ فصوص (الحکم)
۱۲- شرحِ تمہیدات قاضی عین القضاۃ
۱۳- ترجمہ رسالہ قشیریہ، یہ ایک مستقل کتاب ہے۔
۱۴- نظائر القدس جن کو عشق نامہ بھی کہتے ہیں۔
۱۵- رسالہ استقامۃ الشریعۃ بطریقۃ الحنیفۃ۔
۱۶- رسالہ شیخ محی الدین ابن عربی
۱۷- رسالہ سیر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۱۸- شرحِ فقہ اکبر، عربی
۱۹- شرحِ فقہ اکبر فارسی
۲۰- حواشی قوت القلوب
۲۱- اسمار الاسرار
۲۲- حدائق الانس
۲۳- ضرب الامثال
۲۴- شرحِ قصیدہ امالی
۲۵- شرحِ عقیدہ حافظیہ
۲۶- عقیدہ چند ورق
۲۷- رسالہ در بیان آدابِ سلوک
۲۸- رسالہ در بیان اشارتِ محبان
۲۹- رسالہ در بیان ذکر
۳۰- رسالہ در بیانِ معرفت
۳۱- رسالہ در بیانِ رأیت ربی فی احسن صورۃ
۳۲- رسالہ در بیان گرد و ہست و باشد
۳۳- خلافت نامہ خاص برائے حضرت مولانا علاء الدین گوالیری رح
۳۴- خلافت نامہ برائے قاضی اسحاق جہترہ رح
۳۵- خلافت نامہ برائے حضرت قاضی سلیمان برادر قاضی اسحاق رح
۳۶- خلافت نامہ خاص برائے شیخ صدر الدین خوند میر رح
۳۷- خلافت نامہ برائے حضرت مولانا ابو الفتح بن مولانا علاء الدین گوالیری رح۔

اس سیرِ محمدی کا مؤلف راجی رحمت ربانی محمد علی سامانی مغلوں کے ہنگامے کے وقت گوالیر میں حضرت مخدوم کے ساتھ تھا۔ حضرت مولانا علاء الدین گوالیری کے خلافت نامہ کی نقل لے لی تھی اور گلبرگہ

میں حضرت مولانا ابوالفتح کی خلافت یابی کے وقت بھی حاضر تھا۔ اُن کا خلافت نامہ بھی نقل کر لیا تھا۔ دیگر حضرات کی سرفرازی خلافت کے وقت موجود نہ تھا اور وہ گلبرگہ میں قیام پذیر نہ تھے کہ میں اُن کے خلافت نامے نقل کر لیتا۔ ایک خلافت نامہ حضرت مخدوم نے دہلی میں لکھوایا تھا اُس میں کسی کا نام نہ تھا۔ آخیر زمانہ میں آپ نے بعض خلفاء کے نام اُس میں درج کرائے تھے۔

اولاد و احفاد

مخدوم زادہ بزرگ سید محمد اکبر حسینیؒ

حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ کے دو بیٹے تھے، اُن میں بڑے صاحبزادے زبدۂ اصحاب شریعت قدوۂ ارباب طریقت وحقیقت سید حسینی المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی طاب ثراہ وحسن مثواہ تھے۔ اُن کے فضائل اس سے زیادہ ہیں کہ کتاب میں سما سکیں۔

تعلیم وتربیت دونوں مخدوم زادے بڑے عالم اور صاحب استعداد تھے۔ تمام علوم معقول ومنقول اساتذۂ دہلی حضرت قاضی عبدالمقتدرؒ، مخدوم مولانا خواجگی نحوی، مولانا محمد بغدادی اور مولانا نصیرالدین قاسم رحمہم اللہ سے پڑھے تھے۔ علوم سلوک اور ارشاد وتلقین حضرت مخدوم سے حاصل کی تھی۔

واردات مخدوم زادہ بزرگ کو ابتدائے حال میں خواجہ خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ نے فرمایا، مانگو جو کچھ چاہتے ہو۔ مخدوم زادہ بزرگ نے فرمایا میرا مقصود اس قسم کا نہیں ہے کہ آپ سے مانگا جائے۔

ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہٗ کی زیارت کے لیے گئے۔ حضرت شیخ کی رُدرُ سے ملاقات ہوئی تمام رات اُن کے ساتھ یکجا رہے۔

ایک دن مولانا ابوالفتح نے حضرت مخدوم قدس سرہٗ کی خدمت میں گذارش کی کہ میں نے آج ملات مخدوم زادہ بزرگ کو عالم واقعہ میں دیکھا۔ مجھے یہ ذکر تلقین کیا ہے۔ حضرت مخدومؒ نے ارشاد فرمایا کہ تم پر ان کی عجیب مہربانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے یہ ذکر اُن کے سوا کسی کو تلقین نہیں کیا تھا۔

رُتبۂ بلند حضرت مخدومؒ اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر محمد اکبر میرا بیٹا نہ ہوتا تو میں اُس کے لیے آفتابے میں پانی بھر بھر لاتا اور فرماتے تھے کہ کوئی مُرید اپنے پیر سے بہتر نہیں ہوتا ہے مگر دو شخص، ایک حضرت شیخ قطب الدینؒ حضرت شیخ معین الدینؒ سے، دُوسرے محمد اکبر مجھ سے۔

وفات ۱۵ ربیع الثانی ۸۱۲ھ کو چہار شنبہ (بدھ) کے دن رحلت فرمائی۔ حضرت مخدومؒ نے انہیں غسل دیا۔ فرماتے تھے مَیں نے (عمر بھر میں) دو آدمیوں کو غسل دیا ہے۔ ایک اپنے خواجہ حضرت شیخ نصیر الدین (چراغ دہلی) قدس سرہٗ کو ان کی وصیت کی تعمیل میں، دُوسرے محمد اکبر کو۔

تصانیف مخدوم زادۂ بزرگ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ تفصیل یہ ہے۔

۱۔ معارف عربی در علم نحو

۲۔ شرحِ مُلتقط (حضرت مخدوم قدس سرہٗ کی تفسیر ملتقط کی شرح)

۳۔ عقیدہ (فارسی زبان میں)

۴۔ رسالۂ اباحتِ سماع

۵۔ رسالہ اباحتِ پوشیدنِ کفش در مسجد

۶۔ مقاماتِ صوفیاں (عربی)

۷۔ تصریف مائی

۸۔ شرحِ سوانح

۹۔ رسالۂ فارسی در علم صرف

۱۰۔ ملفوظ حضرت مخدوم قدس سرہٗ۔ دو نسخے۔ ایک دہلی میں اور دوسرا گجرات میں قلمبند کیا۔

اولاد مخدوم زادہ بزرگ کی شادی سلطان علاء الدین خلجی کے بھائی حاتم خاں کے نواسے ملک جھجو کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

آپ کے ایک فرزند ہیں مخدوم زادہ میاں شاہ سفیر اللہ۔ اُن کی شادی مخدوم زادہ خرد (محمد اصغر حسینی) کی صاحبزادی سے ہوئی ہے اور ایک صاحبزادی جن کا عقد میاں کلمۃ اللہ سے ہوا تھا۔

مخدوم زادہ خرد سیّد محمد اصغر حسینی

دوسرے مخدوم زادہ شیخ اعظم مقتدائے اکرم جمال الملۃ والدین سیّد یوسف المعروف بہ سیّد محمد اصغر طاب ثراہ وحسن مثواہ تھے۔ ان کے فضائل احاطۂ تحریر وتقریر سے متجاوز ہیں۔

حالات وکیفیات سات برس کی عمر میں حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ سے عرض کیا کرتے تھے کہ بعض صوفی کہتے ہیں ہم خدا کو دیکھتے ہیں، آپ مجھے بھی خدائے تبارک وتعالیٰ دکھا دیجئے۔ اسی زمانہ سے آپ سلوک میں مشغول ہو گئے۔ کشوف وتجلیاتِ جلالی وجمالی آپ کو حاصل ہو گئیں اور حقیقتِ اشیاء کما حقہٗ آپ پر منکشف ہو گئی۔

ایک دن مولانا ابو الفتح نے آپ کی خدمت میں گذارش کی کہ بندہ کے والد مولانا علاء الدین گوالیریؒ حضرت مخدوم قدس سرہ کے منظورِ نظر تھے۔ حضرت مخدوم زادۂ بزرگ بھی اُن پر لطف وشفقت فرماتے تھے۔ اگر مخدوم زادۂ خرد اس غلام پر مہربانی فرمائیں تو ان اسرار سے جو حضرت مخدوم سے حاصل کئے ہیں کچھ حصہ مجھے عنایت فرمائیں۔ مخدوم زادۂ خرد نے ارشاد فرمایا، مولانا، حضرت مخدومؒ آپ کے حق میں کمی نہیں فرماتے ہیں۔ وہ کافی ہے۔ مولانا ابو الفتح نے پھر عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ آج تم جماعت خانہ میں ٹھیرنا تمہیں کچھ بتاؤں گا۔ نمازِ عصر کے بعد آپ گھر سے باہر تشریف لائے۔ دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر مولانا ابو الفتح کو آواز دی۔ مولانا ابو الفتح فوراً حاضر ہوئے۔ مخدوم زادۂ خُردؒ نے فرمایا، اندر آجاؤ۔ اپنے ساتھ لیے ہوئے کوٹھے پر گئے اور حجرہ میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد انہیں وہ ذکر تلقین فرمایا جس سے ہر شے

کی حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ حضرت مولانا ابوالفتح نے اُن سے بہت اسرار دیکھے۔

حضرت مخدوم زادہ میاں یداللہ طال عمرہٗ فرماتے تھے کہ کبھی کبھی میں مخدوم زادہ خردؒ کے مقام مشغولیت میں چلا جاتا تھا تو اس مقام کو آپ کی لات سے ٹکڑے دیکھتا تھا اور پھر آپ کو اسی جگہ بیٹھا ہوا دیکھتا تھا۔

ایک بار حضرت مخدوم زادہ خردؒ کوٹھے پر مشغول بحق تھے۔ مخدوم زادہ میاں یمین الرحمٰن کوٹھے پر چلے گئے بچوں کی طرح کھیلنے لگے بلند آواز نکالی۔ حضرت مخدوم زادہ خرد کو خلل واقع ہوا آپ نے میاں یمین الرحمٰن کو اٹھایا اور کوٹھے سے نیچے زمین پر پھینک دیا۔ گھر میں شور مچ گیا۔ اہلِ خانہ دوڑے۔ میاں یمین الرحمٰن کو اٹھایا۔ قطعاً کہیں زخم ہوا نہ خراش آئی۔

صحبتِ خلق سے آپ کو بالکل نفرت تھی۔ زیادہ تر خلوت میں رہتے۔ گھوڑے اور پالکی پر سوار نہیں ہوتے تھے مسجدِ جامع کو پیدل تشریف لے جاتے کسی سے مصافحہ نہ فرماتے۔ اکثر اوقات مسجد اور حوض کی طرف تنہا تشریف لے جاتے اور مشغول رہتے۔ دو آدمی آپ کے یار تھے جو حضرت مخدوم قدس سرہٗ کے مریدوں میں سے تھے۔ خوش الحان تھے۔ آپ کے پیچھے پیچھے وہ بھی چلے جاتے اور وہاں دُور رہتے۔ کبھی کبھی مخدوم زادہ خرد اُن کو طلب فرماتے اور ان سے نغمہ اور غزل سُنتے۔ پھر وہ چلے جاتے اور آپ مشغول بحق ہو جاتے۔ جب لوٹتے تو انہیں ہمراہ لیے ہوئے واپس تشریف لاتے۔

اولاد

مخدوم زادہ خرد کی شادی دہلی کے سیدِ اجل علاء الدینؒ کی دختر سے ہوئی تھی۔ آپ کے سات فرزند تھے۔ بڑے لڑکے مخدوم زادہ مقبولِ حضرتِ الٰہ میاں یداللہ طال عمرہٗ تھے اُن کے بعد میاں یمین الرحمٰن، میاں یمین اللہ، میاں للہ، میاں باللہ، میاں منَ اللہ، اور میاں صبغۃ اللہ۔

میاں یداللہ کی شادی میاں سالار کی صاحبزادی سے ہوئی۔ میاں یمین الرحمٰن کا عقد قاضی راجا کی دختر سے ہوا۔ میاں یمین اللہ اور میاں باللہ وصال فرما گئے۔ حق تعالیٰ باقی صاحبزادوں کی عمر دراز فرمائے۔

مخدوم زادہ خرد سید محمد اصغر حسینیؒ کی ایک دختر بھی تھی جو مخدوم زادہ میاں سیف اللہ ولد محمد اکبرؒ سے بیاہی گئیں۔

حضرت شاہ یداللہ حسینیؒ

میاں یداللہ پر بچپن ہی سے آثارِ قبولیت و نجابت نمایاں تھے۔ اسی وجہ سے حضرت مخدوم

قدس اللہ سرہٗ اُن کو کبھی کبھی "قبولا" فرمایا کرتے تھے۔

جب حضرت مخدوم بی بی کو مرض موت لاحق ہوا تو حضرت مخدومؒ نے میاں ید اللہ سے ارشاد فرمایا: ید اللہ، جاؤ اور مشغول ہو کر معلوم کرو کہ اُن کے مرض کا انجام کیا ہوگا۔ میاں ید اللہ نے آ کر عرض کیا کہ اُن کی حیات زیادہ نہیں ہے۔ چند روز بعد انہوں نے وفات پائی۔

حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ میاں ید اللہ کو خلوت میں اذکار و مراقبات تلقین فرمایا کرتے اور ارشاد فرماتے کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ بعدہٗ میاں ید اللہ نے عرض کیا کہ مولانا ابو الفتح سے کہوں یا نہ۔ فرمایا اُن سے کہہ دینا۔ تمہارے والد اور محمد اکبر اُن کے باپ یعنی مولانا علاء الدین گوالیریؒ سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ اُن سے کچھ بھی نہ چھپاتے تھے۔ تم بھی اُن سے کچھ نہ چھپاؤ۔ اسی وجہ سے حضرت میاں ید اللہ اور حضرت مولانا ابو الفتح اکثر قاضی سراج الدین کی قیام گاہ کی چھت پر یکجا مشغول بحق رہتے تھے۔

ایک بار حضرت مولانا ابو الفتح مخدوم زادہ خرد (سید محمد اصغر حسینیؒ) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا: مولانا ابو الفتح، ید اللہ کے ساتھ یکجا مشغول رہا کرو۔ ید اللہ اگرچہ چھوٹے ہیں لیکن ہمارے ہیں۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

بچۂ بط اگرچہ دی‌نہ بود
آب دریاش تا بسینہ بود

حضرت مخدومؒ کی صاحبزادیاں

بی بی فاطمہؒ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ بڑی صاحبزادی بی بی فاطمہؒ عرف ستی بی بی، حضرت مخدومؒ کے بھائی حضرت سید چندنؒ کے منجھلے بیٹے میاں ابن الرسول کے نکاح میں تھیں۔

حضرت سید چندن کے چار فرزند اور دو دختر تھیں۔ بڑے صاحبزادے سید احمد، اُن کے ایک فرزند تھے، سید محمد اصغر۔ (سید چندن کے) دوسرے صاحبزادے ابن الرسول تھے حضرت مخدوم قدس سرہٗ کی صاحبزادی سے ان کے ایک فرزند تھے میاں شاہ اللہ۔ اُن کی شادی نصیر خاں کے گھر میں

ہوئی تھی۔ اولادِ نرینہ نہیں تھی، چار صاحبزادیاں تھیں۔ ایک سید زین العابدین کے گھر میں۔ دوسری سید عبدالحلیم اور تیسری سید فضل اللہ کے گھر میں۔ چوتھی سید رسول کے قرابتداروں میں بیاہی گئیں۔

سید علیؒ (حضرت مخدوم قدس سرہ کے دادا بزرگوار) کے دو فرزند تھے۔ ایک سید یوسفؒ (حضرت مخدوم کے والدِ ماجد) دوسرے سید جلالؒ۔ سید جلالؒ کے فرزند شاہ علی برج العاشق، اُن کے بیٹے شاہ فضل اللہ داماد بی بی فاطمہ بنتِ حضرت مخدوم، اُن کے بیٹے شاہ محمودؒ نواسہ بی بی فاطمہ اور شاہ محمودؒ داماد شاہ ید اللہ۔ شاہ محمودؒ کی زوجہ بی بی منۃ اللہ بنت بی بی حجۃ اللہؒ ہمشیرہ شاہ کلمۃ اللہ بن بی بی بتولؒ بنتِ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہ۔

سید چندنؒ کے تیسرے فرزند سید پیر رسولؒ تھے۔ چوتھے سید لبضع رسول۔

سید چندن کی ایک صاحبزادی بنتِ رسولؒ، سید جیون حقؒ کے گھر میں تھیں اُن کے دو بیٹے تھے سید کبیر الدینؒ اور سید فخر الدینؒ اور وہ دہلی میں ہیں۔

سید چندنؒ کی دوسری صاحبزادی بی بی خاتون تھیں۔

بی بی بتولؒ حضرت مخدومؒ کی منجھلی صاحبزادی بی بی بتول سید سالار کے گھر میں تھیں اور اُن کے دو فرزند تھے میاں کلمۃ اللہ، ان کی شادی مخدوم زادہ بزرگ کی دختر سے ہوئی تھی۔ اور دوسرے) میاں رُوح اللہ کہ انہیں سلطان احمد بہمنی کی طرف سے دولت خان کا خطاب ملا تھا۔ ان دونوں بھائیوں کی اولاد نہیں ہوئی۔

میاں سالار کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک شمس الدین کے ہاں، دوسری میاں عبداللہ بن سید ابو المعالی (حضرت مخدوم کے سالے) اور تیسری مخدوم زادہ میاں ید اللہ کے گھر میں تھیں۔

بی بی امۃ الدینؒ حضرت مخدومؒ کی تیسری صاحبزادی بی بی امۃ الدینؒ میاں لبضع رسولؒ بن سید چندن کے نکاح میں تھیں۔ ان سے ایک لڑکی تھی۔

خُلفاءِ کرام

۱۔ شیخ علاء الدین گوالیریؒ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے شیخ علاء الدین گوالیریؒ نے خلافت پائی یہ ذی فنون عالم تھے۔ علومِ ظاہر حضرت قاضی عبدالمقتدرؒ اور شیخ زادہ شہاب الدین علی سے اور علومِ باطن حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں حاصل کئے تھے۔

ابتدائے حال میں مدرسہ سلطان محمد کے متولی اور قصبہ گوالیر کے مفتی تھے۔ ان کا گھرانا بہت بڑا تھا۔ اس سیرِ محمدی کا مؤلف جب حضرت مخدومؒ کے ہمراہ گوالیر آیا تھا تو سب کو دیکھا تھا۔ عہدہ قضا و احتساب بھی انہیں کے گھر میں تھا۔ خاصی دُنیوی حیثیت کے مالک تھے۔

جب حضرت مخدومؒ سے بیعت ہوئے۔ تو مدد معاش اور عہدہ ترک کر کے فقر اختیار کیا اور متوکل ہو گئے۔ اکثر گوالیر اور بہاندیر کے پہاڑوں اور دریاؤں میں مشغول بحق رہتے تھے۔ ہمیشہ روزے سے رہتے۔ دو دو چار چار دن طے کے روزے رکھتے تھے۔ آخری ماہِ رمضان میں کہ جس کے بعد رحلت فرمائی تمام مہینے میں صرف تین افطاریاں کی تھیں۔ انتقال سے چودہ مہینے پیشتر ہی خبر کر دی تھی کہ فلاں وقت میرا انتقال ہوگا۔

پانچ پانچ چھ چھ مہینے سالن نہیں کھاتے تھے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ استغراق کامل رکھتے تھے۔ انہیں کشفِ قبور، کشفِ ارواح اور مردانِ غیب سے ملاقات حاصل تھی۔ کرامات ان سے بہت ظاہر

ہوتی تھیں۔

شعبان ۸۱۰ھ کے آخر میں حضرت مخدوم قدس سرہٗ نے انہیں خلافت عطا فرمائی۔ جب گوالیر پر کافروں نے قبضہ کر لیا تو کنبے سمیت کالپی چلے آئے اور سکونت اختیار فرمائی۔

۸۰۶ھ میں حضرت مولانا علاء الدین گوالیریؒ، حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں گلبرگہ حاضر ہوئے۔ تمہیداتِ عین القضاۃ اور فصوص الحکم حضرت مخدومؒ سے پڑھیں۔ پھر سوانح (تصنیف خواجہ احمد غزالیؒ) پڑھنے کا خیال ہوا۔ حضرت مولانا علاء الدین گوالیریؒ اور ہر دو مخدوم زادگان نے ترتیب سے پڑھی۔ پھر اس کی ایک شرح مخدوم زادہ بزرگ (سید محمد اکبر حسینیؒ) نے لکھی اور ایک شرح مولانا علاء الدینؒ نے لکھی۔ حضرت مخدومؒ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے دونوں پسند فرمائیں۔

حضرت مولانا علاء الدین گوالیریؒ محرم ۸۱۱ھ کے آخر میں (کالپی میں) حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے جا ملے (رحمۃ اللہ علیہ)۔

۲- قاضی نور الدین اجودھنیؒ

۳- مولانا معین الدین تورہانیؒ

وداع کے وقت حضرت مخدومؒ نے انہیں یعنی مولانا علاء الدین گوالیریؒ کو ارشاد فرمایا تھا کہ قاضی نور الدینؒ اجودھنیؒ اور مولانا معین الدین تورہانی کو میں نے اجازت و خلافت دی ہے۔ تم میری طرف سے اُن کے لیے خلافت نامہ لکھ کر بھیج دینا۔ یہ دونوں حضرات بڑے عالم، مشغول بحق اور صاحب حال تھے۔

۴- شیخ صدر الدین خوندمیرؒ

بعد ازاں شیخ صدر الدین خوندمیرؒ نے خلافت پائی۔ ان کی سکونت قصبہ ایرچھ پور میں تھی۔ ان کے باپ دادا ایرچھ کے شیخ الاسلام تھے۔ بہت سے گاؤں اپنی معیشت اور لنگر کے خرچ کے لیے رکھتے تھے۔ قصبہ مذکور میں ان کی نہایت درجہ آبرو تھی۔

۸۱۰ھ کے اوائل میں حضرت مخدومؒ کی خدمت میں گلبرگہ آئے۔ کچھ عرصہ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں رہ کر تربیت پائی اور تلقین ذکر و مراقبہ حاصل کر کے مشغول ہوئے۔

رخصت کے وقت حضرت مخدومؒ نے انہیں خلافت مرحمت فرمائی۔

۵۔ قاضی اسحٰق بن محمدؒ چہتری

اس کے بعد حضرت قاضی اسحاق محمدؒ نے خلافت پائی۔ یہ بڑے عالم تھے اور درس دیتے تھے۔ قصبۂ چہترو کے مفتی تھے۔ ان کے باپ دادا بھی مفتی تھے۔ اِن کا گھرانا بھی بہت بڑا تھا۔ سب اہلِ علم و فضل تھے۔

سنہ ۸۱۰ھ کے آخر میں حضرت مخدوم قدس سرہٗ کی خدمت میں گلبرگہ حاضر ہوئے۔ بہت ہی تربیت وارشاد حاصل کیا اور خوب مشغول بحق ہوئے۔ وداع کے وقت حضرت مخدومؒ نے انہیں خلافت سے سرفراز فرمایا۔

۶۔ قاضی سلیمان بن محمدؒ چہتری

پھر قاضی اسحاق کے بھائی قاضی سلیمان محمدؒ نے خلافت پائی۔ یہ بھی اہلیتِ تمام رکھتے تھے۔ اکثر پہاڑوں اور ویرانوں میں مشغول بحق رہتے تھے۔

پھر قاضی اسحاق کے ساتھ گلبرگہ کا قصد کیا۔ کچھ عرصہ حضرت مخدوم قدس سرہٗ کے حضور میں رہ کر تلقینات حاصل کیں۔ رخصت کے وقت حضرت مخدومؒ نے انہیں بھی خلافت عطا فرمائی

۷۔ قاضی علیم الدین بن شرفؒ

اس کے بعد حضرت قاضی علیم الدین بن شرفؒ نے جو قاضی شاد اجودھنی کے رشتہ دار تھے خلافت پائی۔ یہ اہلِ علم و صلاح شخص تھے۔ کچھ عرصہ حضرت مخدومؒ اور مخدوم زادگان کی صحبت و تربیت اٹھائی اور تلقین و ارشاد سے بہرہ یاب ہوئے۔

سنہ ۸۱۱ھ میں رخصت کے وقت حضرت مخدومؒ نے انہیں خلافت عنایت فرمائی۔

۸۔ سید محمد اکبر حسینیؒ

پھر سنہ ۸۱۱ھ کے آخر میں حضرۃ مخدوم زادہ بزرگ یعنی محمد اکبر قدس سرہٗ کو خلافت اور مصالحہ عطا فرمایا اور جماعت خانہ میں اپنے روبرو مصالحہ پر بٹھایا۔ تمام مُریدین سے ارشاد فرمایا کہ انہیں اسی طرح نذر دو جیسے میرے پاس لایا کرتے ہو۔ یارانِ طریقت نے ویسے ہی کیا۔

اس قصہ کے تقریباً سات ماہ بعد انہوں نے اِس سرائے فانی سے اُس سرائے باقی میں رحلت فرمائی۔

۹۔ سید ابو المعالیؒ بعد ازاں حضرت سید ابو المعالیؒ نے خلافت پائی۔ یہ حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ کے سالے اور خادم تھے۔ بڑے عالم، مشغول بحق اور تارکِ دنیا تھے۔

۱۰ خواجہ احمد دبیرؒ پھر حضرت خواجہ احمد دبیرؒ نے خلافت پائی۔ ابتدا میں سلطان فیروز بہمنی بادشاہِ گلبرگہ کے دبیر تھے۔

۸۰۰ھ میں جب شیخ علاء الدین گوالیریؒ حضرت مخدومؒ کی خدمت میں گلبرگہ حاضر ہوئے اور حضرت مخدومؒ سے فصوص الحکم پڑھنی شروع کی۔ ان علماء نے جو سلطان فیروز بہمنی سے تعلق رکھتے تھے سلطان سے کہا کہ فصوص الحکم کے بیشتر مقامات جادۂ شریعت سے ہٹے ہوئے ہیں۔ حضرت مخدومؒ اُن کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ کوئی ان کی مجلس میں جاتے، خوب سمجھ کر آتے اور یہاں بیان کرے۔

خواجہ احمد دبیرؒ کو منتخب کیا گیا۔ خواجہ احمد دبیر عوارف ہاتھ میں لے کر حضرت مخدومؒ کی خدمت میں آئے اور پڑھنے کی درخواست کی حضرت مخدومؒ نے فرمایا جاؤ محمد اکبر کے پاس پڑھو۔ خواجہ احمد دبیرؒ نے کہا کہ معنیٔ ظاہر تو دوسروں سے زیادہ بندہ کو معلوم ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، پھر پڑھنے کی کیا ضرورت ہے، واپس چلے جاؤ۔ وُہ واپس ہوئے اور دروازے کے سامنے بیٹھ گئے۔ ہر کسی سے پوچھتے کہ اب کون ہے جو حضرت مخدومؒ کی خدمت میں عرض کرے کہ آپ اُس کی بات ردنہ فرمائیں۔ سب نے کہا حضرت شیخ علاء الدینؒ کے سوا کوئی بھی بات نہیں کرسکتا۔

خواجہ احمد دبیرؒ شیرینی لے کر حضرت شیخ علاء الدینؒ کی ملاقات کو گئے۔ انہوں نے دریافت فرمایا۔ آپ کس سے بیعت ہیں۔ جواب دیا حضرت شیخ فرید الدین اجودھنی سے۔ حضرت شیخ علاء الدینؒ نے فرمایا تمہاری عمر تو کم معلوم ہوتی ہے پھر اُن سے ملاقات کیسے حاصل ہوئی۔ خواجہ نے کہا کہ بندہ حضرت شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ سے ربطِ قلبی رکھتا ہے۔ جب چاہتا ہوں اُن سے خواب میں ملاقات ہوجاتی ہے۔ حضرت شیخ علاء الدین نے فرمایا، جاؤ آج رات مشغول رہو۔ جب حضرت شیخؒ سے خواب

میں ملاقات ہو تو اُن کی خدمت میں عرض کرو کہ فلاں شخص گذارش کرتا ہے کہ آپ کے طائفہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ خواب کی بیعت کا اعتبار نہیں۔ اگر معتبر ہے تو کتابوں میں کیوں لکھا ہے کہ خواب کی بیعت لائق اعتبار نہیں اور اگر معتبر نہیں ہے تو پھر آپ مجھے کیوں ضائع کرتے ہیں۔

خواجہ احمد دبیر چلے گئے اور مشغول ہوئے، حضرت شیخ فریدالدین مسعود قدس اللہ سرہٗ کو خواب میں دیکھا۔ ساری کیفیت عرض کی۔ حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا، مولانا علاء الدینؒ درست کہتے ہیں۔ خواب کی بیعت معتبر نہیں۔ مولانا علاء الدینؒ کے پاس جاؤ اور بیعت ہو جاؤ۔

صبح سویرے خواجہ احمد دبیر اپنے بیٹوں سمیت حضرت مولانا علاء الدینؒ کی خدمت میں نذر لے کر حاضر ہوئے۔ رات کی کیفیت سنائی اور اُن سے بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت شیخ (خواجہ گیسودراز) اس طائفے کے مقتدا ہیں۔ اس کام کی روش وہ بہتر جانتے ہیں۔ مرید کو پیر کی خانقاہ میں بیعت لینا بے ادبی ہوگی ــــ (حضرت شیخ فریدالدین قدس سرہٗ) نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ میں پیر کے جماعت خانہ میں مرید کر دوں ان کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مولانا علاء الدینؒ کے پاس جا کر مرید ہو جاؤ یعنی جہاں وہ کہیں۔ خواجہ احمد نے کہا کہ میں نہیں جانتا جیسے آپ کے نزدیک مناسب ہو کیجئے۔ انہوں نے کہا میرے ساتھ آئیے۔ حضرۃ مخدومؒ سے بیعت کرا دوں۔ انہوں نے ویسے ہی کیا۔ حضرت مخدومؒ کی خدمت میں لائے اور بیعت کرا دیا اس کے بعد کچھ دنوں حضرت شیخ علاء الدین کی صحبت میں رہے حضرت مخدومؒ کے حکم سے ان سے تربیت حاصل کی۔ پھر مدتِ مدید تک حضرت مخدومؒ کے حضور میں رہے اور تلقینات حاصل کیں۔ نوکری وغیرہ ترک کر دی اور کمال درجہ مشغول بحق ہوئے۔ ۸۱۵ھ میں حضرت مخدومؒ نے انہیں خلافت سے نوازا۔

۱۱۔ شیخ ابوالفتح بن علاء الدین گوالیریؒ

اس کے بعد حضرت شیخ ابوالفتح بن علاء الدین گوالیریؒ نے خلافت پائی۔ یہ علوم ظاہر و باطن کے متبحر عالم ذوفنون اور صاحب تصانیف تھے۔ علوم ظاہر کی تحصیل اپنے والد ماجد حضرت شیخ علاء الدین گوالیریؒ، حضرت مولانا احمد تھانیسریؒ اور ان کے بھتیجے سے کی تھی۔ علوم و اشغالِ باطنی ابتدا میں اپنے والدِ بزرگوار سے اور آخر میں حضرت مخدوم قدس اللہ سرہٗ سے حاصل کئے۔ ہمیشہ متوکل رہے اور کسی بادشاہ اور امیر وغیرہ

کے ہاں نہ جاتے اور نہ شریک مجلس ہوتے۔

جب ان کے والد ماجد حضرت شیخ علاء الدین نے رحلت فرمائی۔ تو انہیں خلافت اور سجادہ عطا فرمایا۔ والدِ ماجد کے انتقال کے بعد محرم ۱۰۴۱ھ کے آخر میں حضرت مخدومؒ کی خدمت میں گلبرگہ حاضر ہوتے۔ حضرت مخدومؒ سے خوب تربیت پائی اور بہت سے اذکار و مراقبات کی تلقین حاصل کی۔

۱۵ شعبان ۱۰۴۱ھ کو بوقت وداع حضرت مخدومؒ سے خلافت پائی۔ حضرت مخدوم نے لباس نہالچہ اور نمکدان مرحمت فرمایا اور گل کے سرے تک پہنچانے کو تشریف لاتے۔

مولانا ابوالفتح نے اس مؤلفِ سیرِ محمدی سے بیان فرمایا تھا کہ جس زمانہ میں وہ تعلیم حاصل کرتے تھے سترہ، اٹھارہ برس کی عمر میں انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آفتاب اور ماہتاب دونوں اُن کے سر پر طلوع ہوتے ہیں اور وہ ان دونوں کی روشنی میں ہیں۔ مولانا نے یہ خواب اپنے تفاسیری اساتذہ سے بیان کیا انہوں نے یہ تعبیر دی کہ تم دو بزرگوں سے تربیت پاؤ گے۔ آخر ایسا ہی ہوا حضرت مخدومؒ کہ مثلِ آفتاب تھے اور والدِ ماجد کہ مثلِ ماہتاب تھے دونوں سے تربیت و خلافت پائی۔

۱۲۔ شاہ کلمۃ اللہ رح

بعد ازاں آپ نے حضرت مخدوم زادہ میاں کلمۃ اللہ کو اجازت فرمائی یہ ابتدا میں تیر و ترکش کے شوقین تھے۔ آخر مشغول بحق ہوتے۔ حضرت مخدومؒ کی نگاہِ لطف ان پر بہت زیادہ تھی۔ جب بھی پان نوش فرماتے تو پس خوردہ انہیں مرحمت فرماتے۔ یہ کل بارہ خلفا ہوتے۔ اس کے بعد جب آپ کی رحلت کا زمانہ قریب آگیا اور وصالِ محبوب کا وقت موعود نزدیک تر ہوا تو مزید تیرہ حضرات کو خلافت عطا فرمائی۔ تفصیل بالترتیب یہ ہے۔

۱۳۔ سید محمد اصغر حسینی رح

اول حضرت مخدوم زادہ خرد سید یوسف المعروف بہ سید محمد اصغر۔ حضرت مخدومؒ کے وصال کے بعد آپ کے حسبِ ارشاد سجادہ نشین ہوتے۔ اس سیرِ محمدی کا مؤلف بھی اس موقع پر موجود تھا۔

۱۴۔ مخدوم زادہ حضرت میاں یداللہ　　۱۵۔ مخدوم زادہ حضرت میاں سفیر اللہ

۱۶۔ حضرت میاں عبداللہ بن سید ابوالمعالی

۱۷۔ قاضی راجا حضرت قاضی راجا، پہلے گلبرگہ کے صدر جہاں (بادشاہی عہدہ) تھے۔ اس سے پیشتر ان کے بھائی اور والد بھی صدر جہانی کے عہدے پر فائز تھے انہوں نے ترکِ دنیا کر کے نوکری چھوڑ دی اور مشغول بحق ہو گئے۔

۱۸۔ شیخ زادہ شہاب الدین رح حضرت شیخ زادہ شہاب الدینؒ، جو بڑے عالم تھے اور علوم پڑھایا کرتے تھے۔ ان کے والد شیخ سلیمان بھی گلبرگہ کے بہت بڑے بزرگ شیخ تھے۔ انہیں نسبتِ خلافت شیخ الاسلام زین الدین دولت آبادی سے تھی۔

۱۹۔ مولانا بہاء الدین امام دہلویؒ حضرت مولانا بہاء الدین دہلوی۔ یہ مولانا ضیاء الدین سنامی کے خاندان سے تھے۔ بڑے عالم یکسو اور مشغول بحق تھے برسوں حضرت مخدوم قدس سرہٗ کے امام صلوٰۃ رہے۔

۲۰۔ قاضی سراج الدینؒ خادم حضرت قاضی سراج الدینؒ، جو برسوں حضرت مخدوم قدس سرہٗ کے خادم رہے۔ جماعت خانہ میں سبق پڑھایا کرتے تھے۔

۲۱۔ قاضی سیف الدین لکھنوی رح قاضی سیف الدین لکھنو کے رہنے والے تھے۔ یہ وہاں کے بزرگ زادے تھے۔ ان کا خاندان بھی علماء و مشائخ کا خاندان تھا جو اہل علم و فضل اور صاحب سماع تھے۔

۲۲۔ ملک زادہ عز الدینؒ و شہاب الدینؒ (۲۳) ملک زادہ عز الدین ــــــ اور ملک شہاب الدین یہ دونوں ملک قطب الدین یکسو کے فرزند تھے۔ دونوں متقی صالح اور مشغول بحق تھے۔ ذکر و مراقبہ میں ذوقِ تام رکھتے تھے۔

۲۴۔ شیخ حمید الدین اجھودھنیؒ شیخ حمید الدین اجھودھنی، صوفی صافی اور مشغول بحق تھے۔

۲۵۔ ملک زادہ عثمانؒ

ملک زادہ عثمانؒ جو پہلے بڑی حیثیت کے آدمی تھے خاص تنخواہ پر سرکاری ملازم تھے بعد میں تارک ہو کر روضہ ہی میں مقیم ہو گئے۔

علاوہ ازیں تین حضرات اور بھی تھے جنہیں گو کہ اجازت نہ تھی، لیکن حضرت مخدوم قدس سرہٗ کی حیات ہی میں وہ بیعت لیتے تھے۔ حضرت مخدومؒ تک خبر پہنچی تو آپ نے سکوت اختیار فرمایا۔

۲۶۔ سیّد سعدالدّینؒ

ان میں سے ایک صاحب دہلی میں سید سعدالدین تھے۔ آدمی مشغول اور صاحب سماع تھے

۲۷۔ شیخ مہابتؒ

دوسرے شیخ مہابتؒ سکر کے حال میں تھے اور جام محبت پئے ہوئے تھے آپ نے اُن پر مواخذہ نہیں کیا بلکہ دُعا فرمائی۔

تصانیف خواجہ دکنؒ

تصانیف در دہلی (قبل از ۸۰۱ھ) و اثنا سفر گلبرگہ (۸۰۱ھ تا ۸۰۳ھ)

(۱) مُلتقَط : قرآن پاک کی عربی تفسیر برنگ سلوک، دہلی میں تالیف کی۔

(۲) تفسیر لبطرز کشاف : پانچ پارے دہلی میں لکھے۔ ۸۰۱ھ میں حملۂ تیموری کی وجہ سے نامکمل رہ گئی

(۳) حواشیٔ کشاف (۴) اشارات المشارق : ۸۰۲ھ میں بمقام بڑودہ

(۵) رسالہ رَأَیْتُ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃ

(۶) شجرۂ نسب : حضرت خواجہؒ فرماتے تھے کہ اس شجرہ کو لکھنے کے لیے مجھے کچھ اوپر ستر تاریخ کی کتابیں پڑھنی پڑیں۔

(۷) شرح رسالہ قشیریہ (فارسی) (۸) عوارف المعارف کی شرح معارف العوارف

(۹) شرح فصوص الحکم : ناقدانہ اسلوب پر سلطان پور نزد نندربار (گجرات) میں املا کرائی۔ ۸۰۲ھ

(۱۰) رسالہ بود و ہست و باشد (۱۱) رسالہ استقامۃ الشریعۃ بطریقۃ الحقیقۃ

(۱۲) ترجمہ رسالہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ : بتقاضا و اصرار شیخ زادہ محی الدین نبیرۂ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ

(۱۳) حظائر القدس المعروف بہ عشق نامہ : ۸۰۲ھ میں بمقام کھنبایت (گجرات) املا کرائی۔

(۱۴) شرح تمہیدات عین القضات ہمدانیؒ

(۱۵) ملفوظات : جمع کردہ مخدوم زادہ بزرگ سیّد محمد اکبر حسینی (بزمانۂ قیام دہلی)

(۱۶) ملفوظات " " " درسفر گجرات۔ یہ نسخہ جوامع الکلم کے نام سے مشہور ہے

از ۱۸ رجب المرجب ۸۰۲ھ تا ربیع الثانی ۸۰۳ھ

(۱۷) خلافت نامہ : حضرت خواجہ صاحبؒ نے ایک خلافت نامہ دہلی میں لکھوایا تھا، اس میں کسی کا نام نہ تھا

قیام گلبرگہ کے اخیر زمانہ میں آپ نے بعض خلفاء کے نام اس میں درج کرائے۔

(۱۸) خلافت نامۂ خاص برائے مولانا علاء الدین گوالیریؒ : در ۸۰۱ھ بمقام گوالیر

در احسن آباد گلبرگہ (۸۰۳ھ تا ۸۲۵ھ)

(۱۹) ترجمۂ مشارق : در ۸۱۰ھ (۲۰) شرح فقہِ اکبر (عربی)

(۲۱) سیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم : اپنے خادم خانقاہ شیخ سراج الدین کو املا کرائی۔

(۲۲) مخصوص اوراد : جو حضرت خواجہ صاحبؒ نے مخدوم زادہ بزرگ سیّد محمد اکبر حسینی کو عطا فرمائے تھے

انھیں حضرت مخدوم زادہ ہی نے جمع فرمایا۔

(۲۳) شرح فقہ اکبر (فارسی) (۲۴) شرح قصیدہ امالی

(۲۵) شرح عقیدہ حافظیہ معہ فضائل خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم

(۲۶) ضرب الامثال (۲۷) حواشی قوت القلوب

(۲۸) رسالہ عقیدہ ، اس کے چند ورق لکھائے تھے کہ آپ نے سُنا، مخدوم زادہ بندگ عقیدہ لکھ رہے ہیں۔ اس لیے ترک فرما دیا۔ فرمایا وہی کافی ہے۔

(۲۹) شرح رسالہ قشیریہ معہ خاتمہ (۳۰) شرح عوارف (فارسی) در ۸۱۰ ھ

(۳۱) شرح آداب المریدین (عربی) (۳۲) شرح آداب المریدین (فارسی) اوّل

(۳۳) شرح آداب المریدین (فارسی) دوم (۳۴) شرح آداب المریدین (فارسی) سوم

(۳۵) اسمار الاسرار (۳۶) حدائق الانس

(۳۷) خاتمہ آداب المریدین (۳۸) رسالہ در بیان آداب سلوک

(۳۹) رسالہ در بیان اشارات محبان (۴۰) رسالہ در اذکار و مراقبات (فارسی)

(۴۱) رسالہ در بیان معرفت حضرت جل جلالہٗ

(۴۲) ایک رسالہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے نواسے سید نور اللہ کے بچپن کے زمانے میں انھیں املا کرایا تھا۔

(۴۳) مکتوبات ، حضرت خواجہ صاحبؒ کے وصال کے بعد مولانا ابوالغیاث المعروف بہ قاضی نور الدین؛

خادم خانقاہ نے جمع کیے تھے۔

(۴۴) دیوان : مرتبہ مولانا عماد فتح آبادی. بعض کا قول ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی غزلیں بہت تھیں. دوسرے لوگوں نے الگ الگ نسخے مُرتّب کیے تھے۔

(۴۵) ملفوظات : حضرت مخدوم زادہ سید ابن الرسول المعروف بہ میاں سنجھلے نے کچھ ملفوظ شہر دہلی میں لکھے تھے اور بقیہ حصہ گلبرگہ میں تمام کیا تھا۔

(۴۶) ملفوظات : جمع کردہ قاضی علم الدین بن شرف الدین اجودھنیؒ خلیفہ حضرت خواجہؒ. در ۸۱۱ھ

(۴۷) ملفوظات : جمع کردہ شیخ الاسلام چہترو خلیفہ حضرت خواجہؒ

(۴۸) ملفوظ منظوم : ملک زادہ عثمان جعفر خلیفہ حضرت خواجہؒ

(۴۹) خلافت نامہ : برائے قاضی اسحاقؒ. چہترو در ۸۱۰ھ

(۵۰) خلافت نامہ : برائے قاضی سلیمانؒ برادر قاضی اسحاقؒ چہترو در ۸۱۰ھ

(۵۱) خلافت نامہ خاص : برائے شیخ صدر الدین خوند میر در ۸۱۰ھ

(۵۲) خلافت نامہ : برائے مولانا ابوالفتح رکن الدین بن مولانا علاء الدین گوالیریؒ در ۸۱۸ھ

مولانا محمد علی سامانیؒ نے "سیرِ محمدی" میں تین خلافت نامے (خلافت نامہ عام دہلی، خلافت نامہ مولانا علاء الدین گوالیریؒ اور خلافت نامہ مولانا رکن الدین ابوالفتح رحمہم اللہ) درج کیے ہیں. فرماتے ہیں دیگر حضرات کی سرفرازی خلافت کے وقت موجود نہ تھا اور وہ گلبرگہ میں قیام پذیر نہ تھے کہ میں اُن کے خلافت نامے نقل کر لیتا۔

سوانح بندہ نوازؒ کے دیگر قدیم و مُستند مآخذ :

(۱) سیرِ محمدی : مؤلفہ مولانا محمد علی سامانیؒ، سنہ تالیف ۸۳۱ھ (۲) تاریخ محمدی و تاریخ حبیبی : تالیف ۸۴۹ھ مؤلفہ مولانا عبدالعزیز (۳) محبت نامہ : ملفوظات حضرت شاہ ید اللہ حسینیؒ، تالیف ۸۴۳ھ (۴) شمائل الجمل و شمائل الکمل : ملفوظات حضرت خواجہ ابوالفیض بہدریؒ، سن تالیف ۸۷۴ھ تا ۸۷۷ھ (۵) تبصرۃ الخوارقات : سید محمد علی اللہ، ۹۸۱ھ

باسمہٖ سبحانہٗ

حاصل مطالعہ

تاریخ حبیبی و تذکرۂ مرشدی

مولانا عبدالعزیز واعظی

ترجمہ و تلخیص: سید نفیس الحسینی

حضرت قطبی کے گھرانے کے حالات بہت کچھ تھے۔ ص ۷

فرمایا: دودھ پینے کے زمانے، بچپن اور جوانی کے قصے میرے آئینہ دل کے سامنے بالکل عیاں ہیں۔

حضرت فرماتے تھے کہ میں دہلی میں چوتھی رجب ۷۲۳ ہجری کو پیدا ہوا۔ ص ۷

فرمایا: دہلی ترکوں کی فتح کی ہوئی ہے۔ اس کے قبل سید ابوالحسن جندی میری بارھویں پیڑھی کے دادا ہوتے ہیں ملک دہلی فتح کرنے کے لیے خراسان سے چند بار تشریف لائے تھے۔۔۔۔۔۔۔

مسجد انار دہلی میں آپ کی قبر مبارک۔ ص ۷

آپ فرماتے تھے جن دنوں میرے والد ماجد تمام گھر بار کو لیکر دہلی سے دولت آباد تشریف لاتے وہ مجھے معلوم ہے ۷۲۸ھ رمضان کی بیسویں تاریخ تھی کہ ہم لوگ دہلی شہر سے روانہ ہوئے۔ ص ۸

سلطان محمّد تغلق لوگوں کو قافلہ قافلہ بنا کر روانہ کر رہا تھا۔ ص ۸

فرمایا: دولت آباد جاتے وقت ہمیں چار مہینے سفر میں گزرے جمعرات کا دن ۱۷ محرم الحرام ۷۲۹ھ کو دولت آباد پہنچے۔ ص ۸

میری کم سنی کے زمانہ میں والد ماجد مجھے اور میرے بڑے بھائی کو شیخ الاسلام حضرت بابوؒ کے پاس لے گئے۔ ص ۸

میرے والد سے فرمایا کہ سید صاحب آپ کا بڑا لڑکا ایک سوداگر آدمی ہے تاہم نیک روشنی اور صلاحیت شاملِ حال ہے لیکن چھوٹے لڑکے کو میں دیکھ رہا ہوں کہ دانش مند وہ ہے، عارف وہ ہے۔ محب وہ ہے، ولی وُہ ہے، مرشد وُہ ہے۔ ص ۹

حضرت قطبی چھ سال کے تھے کہ رمضان کے روزے رکھے۔ ص ۱۰

بیان ہے کہ حضرت مخدوم جب آٹھ سال کے ہوئے اس وقت سے ایک وقت کی نماز بھی نہ چھوٹی۔ ص ۱۰

جب حضرت قطبی گیارہ سال کے ہوئے تو حضرت کے والد ماجد نے اس دارِ فانی سے جوارِ رحمت الہٰی میں انتقال فرمایا۔ ص ۱۰

حضرت مخدوم کے والد ماجد کی وفات کے بعد حضرت مخدومہ اپنے خاندان کی بعض باتوں کی وجہ سے نیز زمانہ کے حالات کے ناموافق ہونے سے دولت آباد سے پھر دہلی تشریف لے گئیں۔ حضرت مخدوم کو ان دنوں پندرھوں سال لگا تھا۔ آپ مصباح النحو پڑھتے تھے۔ ص ۱۰

دہلی پہنچنے کے بعد جب چوتھی رجب کی ہوئی تو حضرت مخدوم کو پندرہ سال پورے ہوگئے اور سولواں شروع ہُوا۔ ص ۱۰

دوسرا باب

روز استفتاح یعنی پندرھویں رجب کو حضرت مخدوم پندرہ برس بارہ دن کے ہوئے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید ہُوئے۔ ص ۱۰

آپ فرماتے تھے کہ گود کے زمانے کے بعد سے حضرت خواجہ سے مرید ہونے تک عالم غیب سے ایک صورت ہمیشہ میری ہمدم و ہم نفس رہتی تھی۔ ص ۱۱

جب شیخ علیہ الرحمۃ نے تعلیم فرمانا شروع کیا اور اوراد بتائے اور تلقین ذکر فرمایا اس وقت حضرت قطبی سولہ برس کے ہوتے تھے۔

اُس زمانہ میں آپ نے کافیہ کا ایک جزو مولانا تاج بہادر سے پڑھا لیکن چونکہ کچھ زیادہ فائدہ نہ دیکھا اس لیے حضرت قاضی عبد المقتدر سے "کافیہ" اور کچھ اس کی شرح کا حصہ اور "معقول" کی بعض کتابیں پڑھیں۔ ص ۱۱

بزدوی اور کشاف دونوں کتابیں حضرت قاضی عبدالمقتدر ہی سے تمام کیں۔ اس کے بعد دوسرے اساتذہ سے علوم ظاہری تحصیل فرماتے۔ ص ۱۱

اس کے بعد علومِ باطن کو شروع کیا۔ ص ۱۱

فرمایا کرتے تھے: جب میں مشغول بحق ہوا اور حضرت خواجہ قدس سرہ سے اپنے حالات بیان کرنا شروع کیے تو حضرت نے فرمایا ستر سال کے بعد ایک سولہ برس کے لڑکے نے مجھ میں شوریدگی پیدا کردی اور پہلے زمانے کی باتیں یاد دلادیں۔ ص ۱۱

فی الجملہ چوبیس سال کی عمر میں کمال حاصل ہو گیا۔ ص ۱۲

حضرت شیخ فرید الدین کے مقام پر فائز ہو گئے۔

تیس سال کی عمر میں انقطاعِ کلّی ہو گیا۔ ص ۱۲

خواجہ احمد غزالی کی روح سے ملاقات۔ ص ۱۳

بندگی خواجہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ کھانا کھانا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین میں داخل ہے۔ ص ۱۴

چالیس سال کی عمر ہوئی تو مولانا مُحمّد بِن جمال الدین حسینی مغربی کی لڑکی سے میرا عقد ہُوا۔ ص ۱۴

حضرت قطبی کے پانچوں بچے یعنی دو لڑکے اور تین لڑکیوں سمیت سب حضرت سیدہ صالحہ بنت سید مُحمّد بن جمال الدین مغربی سے تھے۔ ص ۱۴

شیخ ابو الفتح مُحمّد آپ کا نام ہے۔ ص ۱۴

حضرت قطبی نئی دہلی جہاں نما (جہاں پناہ) میں شیر خاں کے حجرہ میں رہا کرتے تھے۔ ص ۱۵

مُحمّد تغلق کے زمانہ میں دہلی چار شہروں میں تقسیم تھا۔

حضرت خواجہ شیخ نصیر الدین خانقاہ سے روزانہ آپ کے لیے کھانا بھیجا کرتے تھے۔ ص ۱۵

حضرت قطبی کو شیخ نے خلافت بخشی۔ ص ۱۵

حاشیہ دہلی شہر کے حصے:

پرانی دہلی۔ ۲ سیری۔ ۳ تغلق آباد۔ ۴ جہاں پناہ

شہر کے چار دروازے تھے:

بدایوں دروازہ

منڈوی دروازہ گل دروازہ وغیرہ

جہاں پناہ محمد تغلق نے بسایا اور خود وہیں رہا کرتا تھا۔ ص ۱۵

حضرت بندہ نواز کا مکان بدایوں دروازہ کے قریب تھا۔ ص ۱۵

حضرت خواجہ نے اپنی خلافت دیتے وقت مجھے دو باتیں فرمائیں کہ ان دو چیزوں کو کبھی نہ چھوڑنا۔ ایک توورد و تلقین جو ظاہر میں تم نے حاصل کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ خلق اللہ کے ساتھ نرمی کرنا۔

ایک روایت ہے کہ تین چیزیں ارشاد فرمائیں:

تیسری میرے لوگوں کے ساتھ رعایت کرنا۔ ص ۱۶

خلفاء کی فہرست میں خواجہ بندہ نواز کا نام اور اس پر حضرت خواجہ کا صاد۔ ص ۱۷

رحلت حضرت شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ ۱۷ رمضان المبارک (رات کا ایک تہائی حصہ گزر چکا تھا) ۷۵۷ھ۔ ص ۱۷

صاحبِ کشف کو آفتاب تین دن تک تاریک نظر آیا۔

جب حضرت خواجہ نصیر الدین رحمہ اللہ نے اپنے بعد ایک صوفی کو مقرر فرمایا۔ ص ۱۷

یعنی خواجہ بندہ نواز کو اپنی جگہ بٹھایا

تو آفتاب جیسا نورانی تھا پھر ویسا ہی منور ہو گیا۔ ص ۱۸

حضرت شیخ نصیر الدین قدس سرہ کی ولایت چار شخصوں میں تقسیم ہوئی:

(۱) ایک حصہ حضرت کے مریدوں میں ایک صوفی (یعنی خواجہ بندہ نواز) کو ملا۔

(۲) دوسرا حصہ ایک کمہار کو

(۳) ایک صندوق تراش کو

(۴) ایک عورت کو ملا۔ ص ۱۸

آخر سب حصے خواجہ بندہ نوازؒ کی طرف منتقل ہوئے۔ ص ۱۸

حضرت شیخ نصیر الدینؒ کی وفات کے بعد چودھویں روز حضرت خواجہ بندہ نوازؒ ان کے سجادۂ ولایت پر بیٹھے۔ ص ۱۸

بعض اہل تقرب کا بیان ہے کہ حضرت شیخ کی وفات کے بعد حضرت مخدوم تیسرے ہی دن سجادۂ ولایت پر تشریف فرما ہوئے۔ ص ۱۸

فی الجملہ حضرت مخدوم اپنی عمر کے پندرہ سال گذرنے کے بعد بارھویں دن حضرت شیخ کے مرید ہوئے اور اٹھارہ یا انیس سال تک حضرت شیخ سے تحصیل ارشاد کرتے رہے۔ ص ۱۸

حضرت شیخ نصیر الدینؒ کی رحلت کے وقت عمر بیاسی (۸۲) سال کی تھی حضرت بندہ نواز کی عمر تیس (۳۰) پر چند سال۔ ص ۱۸

خواجہ بندہ نوازؒ کا بیان ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین نے پچاس سال سجادۂ ولایت کو رونق بخشی اور بتیس سال سجادۂ ولایت پہ متمکن رہ کر لوگوں کو دعوت دی۔ اور ھدایت فرمائی۔ ص ۱۸

شریعت دین نبوی ﷺ سے ایک تل کے برابر بھی باہر قدم نہ نکالا۔ ص ۱۹

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے شرع محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف کسی امر کو اپنے کاموں میں داخل ہونے نہ دیا۔ ص ۱۹

نا تجربہ کار صوفیوں نے ایک محضر لکھا تھا اور اس زمانہ کے کوتوال کے ہاتھ میں دیا کہ یہ سلطان فیروز شاہ تک پہنچا دی جائے۔

مریدوں کا سجدہ کرنا۔ میر صاحب نے تحقیقات کی۔ خواجہ صاحب سر زمین پر رکھنے پر

خلق کو منع کرتے اور جھڑکتے تھے۔ ص ۲۰

مولانا نصیر الدین دانش مند مرید ہوئے۔ ص ۲۱

مولانا کے شاگرد آپ کے پیچھے پیچھے کشاف، بزدوی اور ھدایہ کا سبق پڑھتے۔ ص ۲۱

مولانا نے فرمایا: حضرت مخدوم کے صدقے سے مسلمان ہوا ہوں۔ ص ۲۲

الٰہی بحرمتہ خواجہ صدر الدین ابوالفتح ولی اکبر صادق سیّد محمّد حسینی ملقب بہ گیسودراز نور اللہ مرقدہ۔ ص ۲۲

اسمار الاسرار میں ابدالوں کی بیعت کی کیفیت پور اسمر (ص ٦٦) درج کتاب ہے۔ ص ۲۱

سہ ابدال نور الدین پائزاد قطب ابدالاں۔ ص ۲۳

سعد الدین قفل شکن

منصور آزاد

اسفند یار پارہ معشوقہ عشق

فخر الدین لوہار

چھجو درزی

جو ابدال کہ شہر دہلی میں حضرت خواجہ بندہ نواز سے تعلق رکھتے تھے۔ جب حضرۃ مخدوم دار الملک احسن آباد (گلبرگہ) تشریف لائے تو ان ابدالوں کے سپرد سیر وطیرہ کا عہدہ ہوا۔ ص ۲۷

ایک روز احسن آباد گلبرگہ کی جامع مسجد میں حضرت مخدوم نے ایک مرد غیب دکھایا۔ ص ۲۷

مرد غیب کی ہیئت کذائی۔ لباس وخوراک تین تین چلوں کو ملا کر طے کے روزے رکھتے۔

ان کی معاشرت

انھیں جو تصرف حاصل ہے وہ اسماء اعظم کی قوت سے ہے۔ ص ۲۸

مردان غیب کے حالات

ص ۲۸ جس شخص کو ابدال بنانا چاہتے ہیں۔ اسے ایک کوئیں میں جو اسی کام کے لیے ہے غوطہ دے کر کھینچ لیتے ہیں۔

ص ۲۸ اور تیہ بنی اسرائیل کے درختوں کے میووں سے ایک شربت بناتے ہیں۔

ص ۲۹ حضرت قطبی فرماتے تھے کہ وہ میوہ ان سات آٹھ درختوں میں ہوتا ہے۔ جو تیہ بنی اسرائیل میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ درخت مخصوص ہیں کہ ان پر ہمیشہ حق جل شانہ کی تجلی رہتی ہے۔

ص ۲۹ حضرت قطبی فرماتے تھے: کہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری نے وصیت کی تھی کہ جب میں مر جاؤں تو شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پائنتی اس طرح دفن کریں کہ جس سیدھ میں حضرت شیخ کے قدم مبارک ہوں اسی طرف میرا سر ہو۔

حضرت قطبی حضرت شیخ شہاب الدین امام کے گھر تشریف لے گئے۔

ص ۳۰

اکرام واحترام

چوتھا باب

عقیدۂ پاک: احکام سنت و جماعت

حضرت قطبی کے تصنیف کردہ رسالہ ضرب الامثال سے چند اشعار بسلسلۂ عقیدہ۔ ص ۳۵

حضرت قطب المشائخ فرماتے تھے کہ فقیہ صوفی اور سید سُنی کم ہیں۔ مجھ میں یہ چاروں صفتیں موجود ہیں۔ ص ۳۶

حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب۔ ص ۳۶

حضرت قطبی لون فضائل اور ان کے علاوہ اور فضائل کو جب فرماتے تو یہ بھی کہدیا کرتے تھے کہ میرا عقیدہ وہی ہے جو اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔ ص ۳۶

آپ فرمایا کرتے کہ سب لوگ عالم و غیر عالم یہ کہتے ہیں کہ حقیقت سر الٰہی ہے۔ مگر میں مُحمّد حسینی یہ کہتا ہوں کہ شریعت سر الٰہی ہے۔ ص ۳۶

سیّد محمود واعظ حضرت قطبی کی ملاقات کو تشریف لائے۔ ص ۳۷

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ پیش امام چاہیے کہ معصوم ہو۔ یہ بہت بڑی مشکل ہے۔ ایسا کہاں مل سکتا ہے۔ اور کیسے ممکن ہے۔ ص ۳۷

سمر نمبر ۵۵ ص ۳۸

ایک روز شہر دہلی میں مجلس تھی اور حضرت قطبی پہلے زمانے کے ائمۂ طریقت کا جو اہل سنت و جماعت میں مستفقین تھے۔ تذکرہ فرما رہے تھے۔ ص ۴۱

پانچواں باب

بیعت لینے کا بیان

حضرت قطب المشائخ نے ۷۵۷ ھجری میں سجادۂ شیخوخت پر اجلاس فرمایا۔ ص ۴۲

اس وقت سے 825 ھجری کے ان مہینوں تک جن ایام میں کہ وصال ہوا آپ کو اڑسٹھ برس ایک ماہ اور پانچ دن کی مدت ملی۔ ص ۴۲

حضرت قطبی نے شہر دہلی میں چند خلافت نامے اور اجازت نامے لکھوا دیے۔ ص ۴۲

دہلی میں جن لوگوں کو اپنی خلافت و اجازت سے سر فراز فرمایا: ص ۴۳

(۱) مخدوم زادۂ بزرگ سیّد مُحمّد اکبر حسینی عرف میاں بڑا

(۲) مخدوم زادہ خرد سیّد مُحمّد اصغر حسینی عرف میاں لہرہ

(۳) برادر زادۂ مخدوم سیّد احمد بن حسن

(۴) سیّدی ابو المعالی خُسر پورہ حضرت مخدوم

(۵) برادر زادۂ مخدوم سیّد ابن الرسول عرف میاں منجھلے

(۶) مولانا نصیر قاسم دہلوی

قاضی نور الملتہ والدینؒ سے منقول ہے کہ حضرت قطبی دہلی میں تھے۔ مسند شیخوخت پر اجلاس فرمانے کا ابتدائی زمانہ تھا۔ حضرت کا مزاج ناساز تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ چار اشخاص بھی میرے بعد لوگوں سے بیعت لیا کریں:

(۱) مولانا نظام الدین بن قبول مرید حضرت شیخ نصیر الدین

(۲) مولانا حسین دہلوی

(۳) مولانا معین الدین توبانی

(۴) مولانا حسن دہلوی بُسد (مونگا) تراش ص ۴۳

دوسری مرتبہ:

مولانا نظام الدین بن قبول مولانا سلطانی حضرت شیخ نصیر الدینؒ کے مرید تھے لیکن حضرت قطبی سے تربیت و تعلیم حاصل کی تھی۔ ص ۴۴

مولانا حسین حضرت قطبی ہی کے مرید و مسترشد و مجاز تھے۔ ص ۴۴

مولانا معین الدین توبانی بھی حضرت قطبی کے مرید و مجاز تھے۔ ص ۴۴

مولانا حسن بُسد براش معتقدان حضرت میں سب سے اکبر۔ ص ۴۴

خواجہ حسن نے حضرت مخدوم کی بیماری اپنے اوپر لے لی۔ ص ۴۴

تیسری مرتبہ: آپ نے برکت والے شہر احسن آباد گلبرگہ میں ان چودہ اشخاص کو خلافت و اجازت دی: ص ۴۷

(۱) علاء الدین گوالیری (بندیل کھنڈ اور راجپوتانہ کے درمیان واقع ہے)

(۲) خوند میر بن شیخ الاسلام ایرچی

(۳) اسحاق بن مُحمّد چھتری

(۴) ان کے بھائی سلیمان بن مُحمّد چھتری

(۵) کلمۃ اللہ بن سالار لاہوری

(۶) ابوالمعالی مُحمّد بن مغربی

(۷) سراج الدین بن شہریار بن محمد

(۸) مولانا بہاء الدین بن شہر اللہ (شہید اللہ) دہلوی

(۹) سیف الدین لکھنوی

(۱۰) حمید الدین اجودھنی

(۱۱) علم الدین بن شرف الدین (رشتہ دار قاضی (شاد) دولہ اجودھنی

(۱۲) محمد اصغر حسینی (خرقہ اور سجادہ اور انگوٹھی ان کے لیے ہے)

(۱۳) احمد بن عزیز دبیر

(۱۴) عثمان بن جعفر ص ۴۸، ۴۹

حضرت میاں ید اللہ

حضرت میاں سفیر اللہ

حضرت میاں عبداللہ

سید روح اللہ

شیخ منہاج الدین بن قاضی عبدالصمد معروف بہ قاضی راجا ص ۵۰

رحلت مبارک سے چند روز پیشتر حضرت مخدوم نے جو کچھ ارشاد فرمایا میاں عبداللہ نے حضرت قاضی سراج الدین سے فرمایا کہ اس مضمون کو تحریر میں لے آو۔ حضرت قاضی سراج الدین نے ان گیارہ اشخاص کے نام جو خلیفہ و مجاز بنائے گئے تھے اس طرح لکھے:

(۱) حضرت سید محمد اصغر حسینی

(۲) حضرت میاں ید اللہ

(۳) حضرت میاں سفیر اللہ

(۴) حضرت میاں عبداللہ بن سید ابو العالی

(۵) شیخ منہاج الدین عرف قاضی راجا

(۶) شیخ شہاب الدین بن شیخ سلیمان

(۷) قاضی بہاء الدین

(۸) قاضی سراج الدین

(۹) ملک عزّالدین بن قطب

(۱۰) ملک زادہ شہاب الدین

(۱۱) قاضی قطب بن فرید ص ۵۰

جس طرح قطبی نے زبانی بیان فرمایا تھا اس طرح تحریر میں لائے کہ اور جو اس کا عین مضمون ہے اسے سپرد قلم کیا۔ (مذکورہ بالا) گیارہ اشخاص کا اجازت نامہ یہ ہے:

(۱) اللہ ھادی ہے۔ مُحمّد اصغر میری جگہ رہیں۔ پدری حق یہ تھا جس کی نگہداشت مقصود تھی یعنی میرے بعد سجادہ پر بیٹھیں تا کہ دست بیعت دیا کریں۔

(۲) شاہ ید اللہ کو بھی اجازت ہے کہ دست بیعت دیا کریں۔

(۳) عبد اللہ کو بھی اجازت ہے کہ دست بیعت دیا کریں۔

(۴) میاں سفیر اللہ اگر بادشاہی نوکری ترک کریں تو انھیں بھی اجازت ہے

(۵) قاضی راجا بھی دست بیعت دیا کریں۔

(۶) مولانا بہاء الدین بھی دست بیعت دیا کریں۔

(۷) مولانا سراج الدین بھی اگر در بار شاہی کی آمدورفت ترک کردیں تو اجازت ہے

(۸) ملک شہاب الدین بھی اگر بادشاہ کی خدمت ترک کردیں تو اجازت ہے

(۹) مولانا قطب الدین جو روضہ میں رہتے ہیں انہیں بھی اجازت ہے۔ ص ۵۰

مجھے بعد وفات دہلی لے جائیں اور میری ماں کی پائنتی دفن کردیں۔ ص ۵۱

پہلی قسم: یہ سات اشخاص تھے جو اس ملک میں مشہور تھے:

(۱) سیّد اصغر بن سیّد احمد بن سیّد حسن

(۲) شیخ میراں جو مولانا کمال الدین کے پوتے اور حضرت شیخ کے بھانجے تھے

(۳) شیخ سعد الدین عرف شیخ سادن

(۴) مولانا محمود مینا گر

(۵) مولانا سعد الدین صوفی یار قاضی سراج الدین خادم

(۶) مولانا کبیر الدین سارنگپوری

صوبہ متوسطہ و برار میں اورنگ آباد کے شمال میں ہے ایک شہر سارنگپور ہے۔

(۷) مولانا جگن سارنگپوری ص ۵۱

دوسری قسم:

(۱) مولانا مُحمّد معلّم (مخدوم زادوں کے استاد)

(۲) مولانا داوٗد زر گر

(۳) مولانا حمید جو قلندری ترک کر کے صوفی ہو گئے۔

(۴) مولانا قوام الدین جو مولانا بہاء الدین حاجی کے وکیل اور میر سامان تھے۔

(۵) مولانا عین الدین حاجی

(۶) تاج الدین زید پوری

(۷) مولانا داوٗد کمانگر احسن آبادی

(۸) مولانا قطب الدین صدر موٗذن خانقاہ

(۹) مولانا زین الدین موسی صوفی احسن آبادی

(۱۰) مولانا خضر باشندہ اوسہ (بیدر اور نانوتہ کے پاس ہے)

(۱۱) مولانا نور الدین بدر کوئی کہ جن کا نام ضیاء الدین ہے۔ ص ۵۲

چھٹا باب

حضرت مخدوم کی اولاد اور سادات طریقت کی فضیلتوں کے بیان میں
حضرت مخدوم زادہ بزرگ سید مُحمّد اکبر حسینیؒ۔ ص ۵۲
آپ کی ولادت پر ابدال مبارکباد کے لیے آتے۔ ص ۵۲
ابدال تشریف غیب لائے۔
حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے ملاقات۔ ص ۵۳
حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے احاطۂ مبارک میں مشغول بحق ہوئے۔ ص ۵۴
آتش کا فیض حضرت مخدوم زادہ بزرگ کے آشکار ہوا۔ ص ۵۴
خزانہ غیب سے ایک چیتل ملا۔ شاہ یداللہ کو دیا۔ ص ۵۵
حضرت بندہ نواز کشفاً کسی شئے کو دیکھنے کے لیے ارشاد فرماتے۔ ص ۵۵
حضرت مخدوم ارشاد فرماتے کہ میں اس باپ اور پیر ہوں وگرنہ مُحمّد اکبر کی پانی کی چھاگل اپنے ہاتھ میں لیتا اور خدمت بجالاتا۔ ص ۵۶
حضرت مخدوم زادہ بزرگ فرماتے تھے کہ شیخ محی الدین نے اپنی فتوحات کی جلدیں تحریر فرمائی ہیں۔ اگر میں بھی اپنی فتوحات لکھتا تو اس سے بھی زیادہ میری فتوحات تمام عالم میں شائع ہوتیں۔ ص ۵۶
وفات حضرت مخدوم زادہ بزرگ:

چہار شنبہ کا دن گیارھویں ربیع الثانی ۸۱۲ھ۔

حضرت مخدوم خود اپنے ہاتھ سے غسل دیا۔ فرماتے تھے میں نے اپنی عمر میں صرف دو آدمیوں کو غسل دیا ہے۔ ایک حضرت پیر و مرشد کو، دوسرے مُحمّد اکبر کو۔ ص ۵۶

حضرت مخدوم نے خود اپنے لیے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے مولانا بہاء الدین غسل دیں اور مولانا سراج الدین خادم پانی ڈالیں۔

یہ وصیت بھی فرمائی کہ مجھے دہلی لے جائیں اور میری ماں کے پائینتی دفن کردیں۔ ص ۵۶

لکڑی کا صندوق بھی مولانا نورالدین سے تیار کرایا۔ ص ۵۷

حضرت مخدوم زادہ بزرگ فرماتے تھے کہ میں نے دیکھا ہے کہ عرش کے تلے سات اشخاص اللہ کی عبادت میں نماز معکوس پڑھ رہے ہیں۔ ان میں ایک حضرت فرید الدین قدس سرّہ ہیں۔

حضرت قطبی فرماتے ہیں کہ مخدوم زادہ بزرگ کی وفات کے بعد میں نے دیکھا کہ ان میں آٹھواں مُحمّد اکبر ہے۔ ص ۵۷

حضرت قطبی فرماتے تھے کہ جو مقام خاص رسول اللہ ﷺ کا ہے اس کی دربانی سرور اولیاء حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ کو عطا ہوئی اور مُحمّد اکبر کو اس مقام پر جھاڑو دینے کی خدمت مرحمت ہوئی ہے۔ ص ۵۷

حضرت قطبی نے بارہا فرمایا کہ سولہ سال کی عمر سے جب میں اس جماعت میں داخل ہوا آج تک مُحمّد اکبر کی طرح میں نے کوئی صوفی نہیں دیکھا۔ ص ۵۷

حضرت قطبی مخدوم زادہ کی زیارت کے لیے جاتے۔ قرآن پاک ختم فرماتے۔ ص ۵۷

خلیفہ بندہ نواز

شیخ زادہ جمال الدین بن شیخ سلیمان جو شیخ زادہ شہاب الدین کے سگے بھائی تھے۔ حضرت قطبی نے انہیں دسترخوان اور نمکدان مرحمت فرمایا، مقرب لوگ کہتے ہیں کہ نمکدان و دسترخوان دینے کا اشارہ بیعت لینے کی اجازت اور خلافت کی طرف ہے۔ ص ۵۸

حضرت مخدوم سید مُحمّد اکبر کی زیارت سے فارغ ہو کر مخدوم زادہ کے چبوترے پر بیٹھ کر آپ کے فضائل بیان فرماتے۔ ص ۵۸

حضرت مخدوم نے فرمایا: جیسے رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ کی خبر حضرت جبریلؑ پہنچایا کرتے تھے ایسا ہی حال مُحمّد اکبر کا میرے ساتھ تھا۔ ص ۵۸

فی الجملہ حضرت قطبی فرمایا کرتے تھے کہ اگر حق تعالیٰ کی مرضی مبارک یہ ہوتی کہ میرے گھر میں علم و تصوّف رہے تو مُحمّد اکبر تو حیات بخشتا۔ ص ۵۹

تالیفات مخدوم زادہ بزرگ

(۱) معارف علم و نحو (عربی)

(۲) شرح تفسیر ملتقط تمام

(۳) شرح لب

(۴) عقیدہ

(۵) رسالہ اباحت سماع

(۶) رسالہ اباحت پوشیدن کفش۔ حضرت قطبی صحن مسجد جامع میں نعلین پہن کر تشریف لے گئے۔ اس کے جواز میں

(۷) رسالہ مقامات صوفیہ

(۸) ملفوظات حضرۃ مخدوم

(۹) شرح سوانح

(۱۰) شرح مالکی علم صرف ص ۵۹

حالات حضرت خواجہ مُحمّد اصغر حسینی رحمۃ اللہ

آپ سات سال کے تھے کہ ایک روز حضرت قطبی کے سامنے تشریف لے گئے اور عرض کیا کہ صوفی کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا ایسا دیکھا ہے۔ حضور مخدوم مجھے بھی یہ دکھادیں۔ ص ۵۹

دونوں مخدوم زادوں کو ہمیشہ سے کم کھانا۔ تزکیۂ باطن اور توجہ تام کے ساتھ اللہ میں مستغرق رہنا معمول ہوگیا تھا۔ ص ۶۰

اگر صوفی کو کشف ذات نہ ہوا ہو تو عام لوگ اسے عارف کہتے ہیں مگر اس کام کے کرنے والے اور جاننے والے اسے عارف نہیں کہتے بلکہ متجلی کہتے ہیں۔ ص ۶۰

حضرت قطبی نے اپنی خاص و عام ہر طرح کی مجلسوں میں بارہا ارشاد فرمایا کہ "میں صدیقوں اور اس راہ کے سالکوں کو اس بات سے آگاہ کرتا ہوں کہ میرے دونوں بیٹے واصل ہیں"۔ ص ۶۰

حضرت مخدوم زادہ بزرگ حضرت مخدوم زادہ خُرد سے عشق رکھتے تھے۔ ص ۶۱

دونوں مخدوم زادوں کا طریقہ ماندو بود اہل سنت و جماعت کے اصولوں پر تھا۔ جلوت و خلوت سب اہل سنت و جماعت اور دینداروں دین پرور علما و صلحا کے ساتھ تھا۔ ص ۶۲

دونوں مخدوم زادوں کو علوم تفسیر و حدیث اور اصول فقہ بہت اچھی طرح ضبط و مستحضر تھے۔ اور کشاف و بزدوی اور ھدایہ کا سبق ان لوگوں کو جنھیں آپ سے تعلق تھا۔ پرانے زمانے کے مستند استادوں کی طرح پڑھایا کرتے تھے۔ ص ۶۲

گجرات میں ایک مرتبہ حضرت قطبی سجادہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مخدوم زادۂ خرد اپنی جگہ بٹھایا۔ ص ۶۲

فرمایا: ان دونوں ہر شب ایک درویش محمد اصغر کے پاس آتا اور کھانا مانگنے کے لیے بالا خانہ کے نیچے سے مُحمّد اصغر کو دعا دیتا۔ مُحمّد اصغر کوٹھے کے اوپر سے بلاواسطہ کھانے کی رکابی اس کے ہاتھ میں دیتے۔ ص ۶۳

شیخ شہاب الدین سے روایت ہے حضرت مخدوم فرمایا کرتے تھے کہ سیر و سلوک کے آغاز میں جس مقام پر بندگی خواجہ کو سترہ روز طے کرنے میں لگے تھے۔ حضرت خواجہ کے صدقے میں ایک صوفی کو (یعنی مجھے) صرف سات روز اس مقام پر لگے اور پھر اس مقام سے گزر گیا۔ لیکن محمد اصغر کو اس مقام پر سات گھنٹے سے زیادہ دیر نہ لگی۔ ص ۶۳

ساتواں باب

تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف

ارشاد فرمایا: امام محمد غزالیؒ اپنی تصنیفات خود املا کرایا کرتے تھے حضرت خواجہ پیرو مرشد کا صدقہ ہے کہ مجھے بھی اس قدر استعداد عطا ہوئی ہے۔ ص ۶۴

حضرت قطبی کی تصنیفات و تالیفات دو قسم کی ہیں:

پہلی قسم وہ ہے جو آپ نے دہلی میں یا شہر احسن آباد گلبرگہ کے اثناء راہ میں لکھائی تھیں اور دوسری قسم وہ ہے جو دار البرکۃ احسن آباد گلبرگہ میں آپ نے لکھائیں۔ ص ۶۴

پہلی قسم تفسیر ملتقط اور دوسری ایک اور تصنیف ہے جو مسائل نحو اور معنی و بیان اور تمام فصلوں کے بیان کرنے کی ضرورت کو نظر میں رکھ کر لکھی گئی تھی اور حضرت قطبی کا قصد یہ تھا کہ قرآن پاک کی یہ تفسیر صرف ایک جلد میں ہو مگر صرف پانچ سپارے تک نوبت پہنچی تھی کہ مغلوں کے ہنگامے کی وجہ سے وقفہ ہو گیا اور حضرت قطبی کو دہلی کی جانب سے احسن آباد گلبرگہ کی طرف سفر اختیار کرنا پڑا۔ ص ۶۴

[تصانیف کی تفصیل مطبوعہ رسالے میں دیکھئے جو خواجہ بندہ نواز کے بارے میں میری ریڈیائی تقریر کے ساتھ چھپی ہوئی ہے۔]

اسمار الاسرار

ملک قطب بیگ فیروز شاہی کا لڑکا ملک زادہ شہاب الدین حضرت قطبی سے یہ کتاب

پڑھتا تھا، حضرت قطبی نے چوہتر (۷۴) نمبر شروع سے آخر تک ملک زادہ کو سبقاً سبقاً پڑھائے۔ لیکن چند مقام پر حروف مقطعات کی شرح کو پوشیدہ رکھا اور جو کچھ تعلیم فرمائی اس کی سماعت کے لیے تین صاحبوں کو مقرر فرمایا:

(۱) حضرت مخدوم زادہ میاں ید اللہ

(۲) حضرت میاں عبد اللہ

(۳) حضرت قاضی بہاء الدین

ان تین معینہ اصحاب کے بغیر آپ سبق نہ پڑھاتے۔ اگر ان میں سے کوئی غیر حاضر ہوتا تو سبق ملتوی فرما دیتے۔ ص ٦٧

حضرت قطبی کو اپنی ان چند تصانیف کے بارے میں یک گونہ غیرت تھی

(۱) تفسیر ملتقط

(۲) عشق نامہ سے حظائر القدس بھی کہتے ہیں

(۳) اسمار الاسرار

(۴) خلافت نامہ

(خیال ہے کہ شرح تمہیدات بھی ان میں شامل ہے)

حضرت قطبی فرماتے: جسے ولایت عطا فرماتے ہیں ساتوں سیاروں کو عالم غیب سے اس کا فرمانبردار بنا دیتے ہیں۔ ص ۴۷

آٹھواں باب

حضرت قطبی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مخدوم شیخ معین الدین سے لے کر حضرت شیخ فرید الدین تک ہندوستان کے ہمارے مشائخ چشت کا فقر مسلم تھا۔ ص ۵۷

حضرت بختیار کاکی اپنے داہنے ہاتھ سے پانی کا ایک کوزہ لانے کے لیے اشارہ فرماتے۔ چنانچہ خادم ایک کوزہ میں پانی بھر کر سامنے رکھ دیتا اور یہی ایک کوزہ حاضرین میں سے ہر ایک کے سامنے پیش کرتا۔ تھوڑا اس میں سے ہر ایک پی لیتا۔ اس کے بعد حضرت شیخ دعائے کے واسطے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ دعائے کے بعد ہر ایک سلام کر کے واپس ہو جاتا۔ ص ۵۷

اور حضرت شیخ فرید الدین (گنج شکر) کا فقر اس حد تک تھا کہ درختوں کے پتے جنہیں کوئی نہیں چھوتا بغیر نمک حضرت شیخ کے سامنے رکھ دیے جاتا۔ حضرت ان میں سے کسی قدر تناول فرماتے اور خانقاہ مبارک میں جو آپ کے صاحب اجازت اصحاب ہوتے انہیں بھی اس میں سے ایک ایک لقمہ دیتے۔ ص ۵۷

شیخ نظام الدین کو خلافت عطا فرمانے کے بعد آخری زمانے میں یہ ارشاد فرمایا کہ مولانا نظام الدین یہاں آو آخر زمانہ ہے۔ تمہیں اس (دنیا) سے بھی کچھ ملنا چاہیے۔ چنانچہ ایک چاندی کا تنکہ جو آپ کے ہاتھ میں تھا۔ شیخ نظام الدین کو عطا فرمایا۔ یہ حکایت مشہور ہے کہ اس دعا کی برکت سے شیخ نظام الدین کو تمام کمالات دین اور دونوں جہانوں کی فقیری و درویشی کے باوجود عطا و بخشش کا بہت اہتمام تھا۔ ص ۶۔

حضرت شیخ قطب الدین کے مقربوں میں سے ایک صاحب نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت دستر خوان کیوں نہیں وسیع فرماتے۔آپ نے فرمایا: پچاس سال کے بعد میں اپنے خانوادہ میں کندوری کا اہتمام کرونگا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ حضرت شیخ قطب الدین کے اس ارشاد کے پچاس سال بعد حضرت شیخ نظام الدین مسند شیخی پر جلوہ فرما ہوے تو زر کثیر خرچ ہونے لگا۔ اور طعام بہت تیار کیا جاتا اور اس جگہ لوگوں کا اس کثرت سے ہجوم ہوتا کہ اس ہندوستان میں کسی شخص کے یہاں نہ کبھی ہوا تھا اور نہ اب ہے۔ ص ۷٦

وفات سید چندن ربیع الثانی کی آخری تاریخ

حضرت مخدوم کے بھانجے سید مبارک ص ۷۷

وفات والد ماجد حضرت مخدوم ۵ شوال

وفات حضرت بی بی فاطمہ سیدۃ النساء ۲۷ رمضان المبارک ص ۷۷

وفات جد مادری: سید السادات منبع العادات سید علاء الدین معروف بہ سید امیر مران ۱۳ شوال

وفات جد پدری سید السادات سید علیؒ ۲۴ شوال ص ۷۸

وفات والدہ ماجدہ بی بی رانی بزرگ ۱۳ ذی القعدہ ص ۷۸

وفات ہمشیرہ بی بی رانی خُرد؛ ۵ ذی الحجہ ص ۷۸

لیلتہ الرغائب کو افطار کے وقت رجب کی پہلی شب جمعہ

یوم استفتاح کے روزے کے افطار کے وقت ۱۵ رجب

نیز شبِ براءت کے روزے کے افطار کے وقت

اور عیدین کے ایام یعنی عید الفطر اور بقر عید کے دن دستر خوان بچھا کر کھانا کھلایا جاتا ص ۷۸

عید فطر کے دن عید گاہ جانے کے پہلے کچھ کھانے پینے کی چیز جیسے شیر خرما وغیرہ بی

سامنے طلب فرماتے اور عید گاہ سے واپسی کے وقت عام دستر خوان ہوتا۔ ص ۷۸

نواں باب

سماع

جو لوگ حضرت قطبی کے مسترشدوں میں داخل ہو کر خود اپنے قصد و اختیار سے حق کی طلب اور تصوّف کی راہ میں گامزن تھے انہیں کو مجلس سماع میں شرکت کی اجازت ہوتی۔ ص ۷۹

حضرت قطبی کی مجلس سماع میں مزامیر کبھی نہ ہوتے۔ ص ۸۰

مطربوں کے پاس سوائے بول اور دف کے اور کچھ نہ ہوتا اگر مزمار لاتے تو حضرت قطبی منع فرماتے اور دور کر دیتے اس لیے کہ حضرت شیخ نصیر الملۃ والدین کی مجلس سماع میں بھی مزامیر نہ ہوا کرتے تھے۔ ص ۸۰

حضرت قطبی نے کئی بار فرمایا کہ حضرت شیخ نصیر الدین نے ایک مرتبہ ہندی گانا بھی سماع فرمایا ہے اور وہ آخری سماع تھا۔ ص ۸۱

وہ گانا یہ تھا:

پچھلی رات بھی کے تھکے یار چار
ڈھول برانا نوکر رہ گھر چلی نار

یعنی پچھلی رات ہوئی اور چاروں یار تھک گئے۔ ڈھول بجتے بجتے پھٹ گیا اور معشوقہ اپنے گھر چلی گئی۔ ص ۸۱

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میری جو یہ راہ کھلی ہے تو کلام اللہ کے بہت تلاوت کرنے اور سماع سننے سے کھلی ہے۔ ص ۸۱

جب مخدوم زادۂ بزرگ نے رحلت فرمائی تو مخدوم زادۂ خرد اپنے جذبات کے غلبہ سے لوگوں کی صحبت اور مجلسوں سے دور دور رہنے لگے اور باغوں، جنگلوں اور گلزاروں کو اختیار کیا۔ رات دن میں اکثر دوسری صبح سے جذبات کے غلبہ کے باعث سوائے گریہ آہ و نالہ اور نعرہ و سوز کے اور کچھ نہ ہوتا۔ ان حالات کی وجہ سے حضرت قطبی نے بھی سماع کی مجلسیں ترک فرمادی تھیں۔ ص ۸۳

حضرت قطبی کا یہ معمول نہ تھا کہ کسی فاتحہ، عرس یا ضیافت کی تقریب پر کسی کے گھر تشریف لے جائیں۔ لیکن شہر کے بڑے بڑے لوگوں میں سید محمد حمزہ حسینی کے مکان اور اپنے مریدوں میں سے حضرت معشوق ثانی خواجہ احمد دبیر کے مکان پر دو مرتبہ۔ شیخ منہاج الدین عرف قاضی راجا کے مکان پر دو بار اور شیخ زادہ شہاب الدین کے برادر شیخ مبارک امیر میراں فاروقی کے گھر اور شیخ زادہ ظہیر الدین کے گھر صرف ایک ایک بار تشریف لے گئے۔ فی الجملہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ مولانا ظہیر الدین معلم اور فرزندان سلطان فیروز بہمنی کے مکان پر بھی تشریف لے گئے۔ ص ۸۴

دسواں باب

حضرت قطبی کے آخری ایام میں جبکہ آپ کا سن مبارک سو سال کے قریب ہوا اور پھر سو سال سے گزر گیا آپ کے ظاہری معمولات یہ تھے کہ جتنے وظیفے کہ آپ شروع زمانہ میں آپ پڑھتے تھے، ان میں سے کوئی بھی ناغہ نہیں فرماتے۔ ص ۸۴

فجر کے وہ تمام وظیفے جو حضرت شیخ کے عطا کردہ مجموعہ اوراد میں لکھے ہوئے تھے۔ اور وہ بھی جو ان کے علاوہ حضرت شیخ نے زبانی ارشاد فرمائے تھے ختم کرنے کے بعد آپ اشراق کی نماز ادا فرماتے اور اسی سے ملا کر چار رکعتیں چاشت کے بھی پڑھ لیتے، پھر کہیں جانماز سے اٹھتے اور اپنی جگہ سجادہ شیخوخت پر اجلاس فرماتے۔ حضرت کے خادم بادام، انگور، کشمش حضرت قطبی کے سامنے لاتے، آخری ایام میں چودہ سال حضرت قاضی نور الملتہ والدین نے حضرت قطبی کی یہ خدمت انجام دی ہے۔ ص ۸۴

آخری زمانہ میں حضرت قطبی کا جسم مبارک کمزور ہو گیا تھا اور (نماز میں) کھڑے نہیں ہو سکتے تھے باوجود اسکے جو ریاضتیں پہلے سے کرتے آرہے تھے وہ ترک نہیں فرمائیں۔ ص ۸۴

اشراق کے بعد آپ قرآن پاک کے تین سپارے تلاوت فرماتے آخری ایام میں چونکہ نظر کی قوت چلی گئی تھی اس لیے بیٹھ کر سنا کرتے۔ ص ۸۴

مولانا امام ہمام بہاء الملتہ والدین جو آپ کے پیش امام تھے۔ حضرت قطبی کی تلاوت کے مقدار پر آپ کے سامنے قرآن پاک پڑھتے۔ حضرت قطبی کسی قدر بستر پر تکیہ فرماتے۔

اس وقت قاضی بہاء الدین سے ارشاد ہوتا کہ قاضی یہ نہ سمجھنا کہ میں سونے کے لیے لیٹا ہوں، نہ یہ کہنا کہ میرا پیر سو رہا ہے۔ آؤ میں بھی سو رہوں۔ یاد رکھو کہ میرا سن زیادہ ہوا ہے۔ اس لیے لیٹتا ہوں مگر بیدار رہتا ہوں۔ آنکھیں بند کر لیتا ہوں اس لیے کہ حکمت کی رو سے اس طرح آنکھوں کی برودت دور ہو جاتی ہے۔ ص ۸۵

پھر آپ اٹھ کر اگر کچھ چاشت کی نماز باقی رہتی تو اسے ادا فرماتے۔ ص ۸۵

جب آفتاب بلند ہو کر خطِ استوا پر پہنچتا تو حضرت قیلولہ فرماتے آپ نے کسی دن قیلولہ کرنا ناغہ نہیں فرمایا۔ ص ۸۶

قیلولہ کے بعد آپ وضو فرماتے اور فیٔ زوال کی نماز ادا فرماتے اس کے بعد قاضی سراج الدین پھر اول کی طرح خانقاہ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہتے "یاراں بسم اللہ"۔ یہ سنتے ہی سب لوگ اندر جا کر سجادہ شیخوخت کے سامنے اپنی اپنی نذریں پیش کر کے مجلس میں بیٹھ جاتے۔ حضرت قطبی پند و نصیحت فرماتے۔ اس تقریر کے دوران میں آپ فقہ و تفسیر و حدیث اور نکات تصوّف بیان فرماتے۔ ص ۸۶

جمعہ کے روز حضرت قطبی جمعہ کی نماز کے لیے جمعہ مسجد تشریف لے جاتے مسجد میں دو صفیں بنائی جاتیں۔ پہلی صف میں حضرت قطبی اور مخدوم زادے ہوتے۔ دوسری میں سیّد ابو المعالی اور مخدوم زادہ میاں عبد اللہ۔ حضرت بہاء الدین امام وغیرہ۔ ص ۸۷

جب حضرت قطبی نے قلعہ احشام کی مسجد جامع میں جانا سلطان فیروز شاہ بہمنی سے اختلاف واقع ہونے کی وجہ سے ترک فرما دیا۔ چنانچہ یہی سبب تھا کہ حضرت قطبی حسن آباد گلبرگہ سے کوچ فرما کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

حتیٰ سلطان پور تک آپ پہنچ گئے تھے کہ سلطان فیروز منت و سماعت کرکے لوٹا لایا۔ اس کے بعد حضرت قطبی نے جمعہ کی نماز کے واسطے مسجد محلہ بیرون قلعہ میں جانا اختیار فرمایا۔ ص ۸۷

حضرت قطبی اپنی مجلس کو کبھی تکلف سے نہیں آراستہ فرماتے اور عادت مبارک یہ تھی کہ جو کوئی اہل تصوف سے نہ ہوتا اس کے سامنے کبھی مسائل سلوک بیان نہیں فرماتے۔ ص ۸۸

سرکاری ملازموں میں سے جو کوئی حضرت قطبی کی خدمت میں حاضر ہوتے انہیں آپ یہی نصیحت فرماتے کہ ماتحتوں کی خطاؤں سے درگذر کرتے رہو اور فقیروں اور مسکینوں کے ساتھ سلوک کرتے رہو اور جن لوگوں پر تم حاکم ہو ان کے ساتھ خوب عدل وانصاف برتو اور جہاں تک تم سے ممکن ہو احسان و مروت کو اپنا معمول بناتے رکھو۔ ص ۸۸

جب رجب کا مہینہ آتا تو حضرت قطبی کی طبیعت بہت خوش اور بحال ہو جاتی اور حضرت قاضی بہاء الدین امام اور قاضی سراج الدین دونوں میں سے جو کوئی حضرت قطبی کے سجادہ شریف کے قریب ہوتا اس سے فرماتے "ملا رجب کا مہینہ آرہا ہے۔ اس مہینہ کو عبادت حق کے لیے ایک فضیلت حاصل ہے"۔ ص ۸۹

جب عصر کا وقت آتا آپ وضو تازہ کرکے نماز ادا فرماتے اور جو وظیفے ہمیشہ سے معمول میں ہوتے انہیں ختم فرماتے اور دعاء استفتاح پڑھتے آخری ایام میں چونکہ خود نہیں پڑھ سکتے تھے۔ حضرت میاں یداللہ روزانہ بلاناغہ عصر کے بعد حضرت قطبی کے سامنے دعاء استفتاح پڑھتے اور خود حضرت قطبی سنتے۔ دعا کے بعد میاں یداللہ کو گود میں

لے لیتے۔ ص ۸۹

فی الجملہ عادت مبارک یہ تھی کہ عصر کے بعد کسی آنے والے کو طلب نہ فرماتے اور نہ مجلس منعقد فرماتے۔ ص ۸۹

مغرب کی نماز کے واسطے بھی آپ تازہ وضو کرتے۔ ص ۸۹

عشاء کے بعد دستر خوان پر طعام تقسیم فرماتے۔ ص ۸۹

حضرت قطبی مجلس طعام میں ہر ایک کو دستِ مبارک سے پراٹھا اور طعام کے قعب اور میوہ و غیرہ عطا فرماتے اور آنے والوں کے ساتھ نہایت کشادہ پیشانی اور نوازش و مکرمت سے ملتے اور حال دریافت کرتے اور بہت دلجوئی کے طور پر لطف آمیز باتیں کرتے اور فرماتے کہ جو کوئی میرے دستر خوان پر آتا ہے وہ مجھ پر احسان کرتا ہے۔ ص ۹۰

فرماتے میں نہیں چاہتا کہ میرے فرزند اور یار و احباب ان موضعوں (سلطان فیروز کے عطیہ) زینات، یومیوں، مشاہروں اور انعامات اور اپنے نقد رقوم میں سے کوئی چیز میرے سامنے لائیں۔ اگر کوئی آپ کے لوگوں میں سے یا متعلقین اور فرزندوں اور یاروں میں سے نادانستہ طور پر مذکورہ بالا آمدنی میں سے تیل یا سرکہ یا سوئی ایسی معمولی سی شئے بھی حضرت قطبی کے سامنے لاتا تو آپ ناخوش ہوتے، منع کرتے بلکہ جھڑکتے اور اس قسم کی اشیاء کو واپس فرما دیتے۔ ص ۹۱

۸۰۴ ہجری میں حضرت قطبی شہر دار البرکہ حسن آباد گلبرگہ تشریف لائے اور یہیں وطن اختیار کیا۔ ص ۹۱

سلطان فیروز بہمنی نے حضرت قطبی کے خانقاہ کے خرچ کے لیے دو گاؤں بطور نذر کے پیش کیے۔ ایک موضع منہلی اور دوسرا انبو، دونوں گلبرگہ کے قرب وجوار کے دیہات میں سے تھے۔ بادشاہ نے ان دونوں موضعوں کا فرمان اعلیٰ لکھ کر اور پختہ طور پر مرتب کرکے حضرت کی خدمت میں بھجوایا مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ ہمارے مشائخ قدس اللہ سرہم العزیز نے اس طرح کی کوئی آمدنی قبول نہیں کی ہے۔ میں بھی قبول نہیں کرتا۔ ص ۹۲

حضرت قطبی کبوتر کا گوشت کبھی نہ کھاتے۔ اس لیے کہ کبوتر کی ملک میں شبہ رہتا ہے۔ حضرت قطبی نے کسی ہندو کے گھر کبھی کھانا نہیں کھایا۔ ص ۹۲

کھانے پینے میں اور بات چیت کرنے اور سونے میں بہت زیادہ تھی البتہ میووں میں خربوزوں اور آم کس قدر رغبت سے کھاتے تھے۔ ص ۹۳

رمضان شریف میں پان کے صرف چار بیڑے کھاتے تھے لیکن ان آخری ایام میں دو، تین یا چار سال سے رمضان شریف میں پان بالکل ترک فرما دیا تھا۔ ص ۹۳

رمضان شریف میں آپ بہت خوش خوش نظر آتے۔ ص ۹۳

فی الجملہ عطریات بہت زیادہ استعمال کرنا پسند نہیں فرماتے زیادہ استعمال نہیں کرتے الاگلاب اور مہنگے غلے میں گیہوں اور جو کا زیادہ خرچ فرماتے۔ ص ۹۴

حضرت قطبی کو عورتوں کی مباشرت سے انقطاع رہا۔ چالیس سال کی عمر کے بعد اس سنت کی تعمیل ہوئی۔ ص ۹۴

دستر خوان سے فارغ ہونے کے بعد آپ تشریف فرما ہوتے اور سب کو رخصت کرنے کے بعد پھر مشغول عبادت ہو جاتے اور جو وظیفے وظائف:

سورہ اخلاص اور درود شریف وغیرہ شروع زمانے میں پڑھا کرتے تھے اور جو سورہ یسین اور تینتیس (۳۳) آیات صبح و شام میں پڑھا کرتے تھے۔ اب بھی پڑھتے تھے اسی طرح چہل اسم دونوں وقت پڑھا کرتے۔ اور جب صبح کی نوبت بجتی تو تہجد کی نماز پڑھتے اس کے بعد صلاۃ تحیتہ ادا فرماتے اور دعاء خلافت بھی پڑھا کرتے تھے عمر کے اس آخری زمانہ میں تہجد کے بعد کسی قدر غنودگی فرمالیتے ورنہ تہجد اور تحیتہ کی نماز کسی شب بھی جس میں آپ ذکر و مراقبہ فرماتے ناغہ نہ ہوتی۔ ذکر دو حلقی کو آپ بیشک دوست رکھتے تھے۔ آپ کو ہمیشہ تلاوت قرآن پاک وذکر و مراقبہ اور سماع کی طرف بہت زیادہ رغبت تھی۔ ص ۹۵

جب لوگ حضرت قطبی کے مرید ہونے آتے تو طریقہ یہ تھا کہ پہلے یہ حاضر ہوتے اور جو نذر ہاتھ میں ہوتی پیش کرتے، پھر قدم مبارک کو بوسہ دے کر کھڑے ہو جاتے اور التماس بیعت کرتے۔ چونکہ حضرت ہر ایک کو الگ الگ طلب فرماتے تھے۔ اس لیے خدام چند چہار ترکی ٹوپیاں اور قینچی زانوے مبارک کے سامنے جانماز کے قریب رکھ دیتے حضرت قطبی دست بیعت بڑھاتے اور جو طالب توبہ کرنے والا ہوتا اس کا سیدھا ہاتھ لینا چاہتے۔ تائب ہاتھ بڑھاتا۔ حضرت قطبی اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ کے اوپر رکھتے۔ ہاں تجدید بیعت کے وقت بقر عید کے دن، عرفہ کے دن اور استفتاح کے روز بہت سے پرانے مرید حاضر ہوتے اور چار چار پانچ پانچ آدمی مل کر بلکہ اس کے دو چند اپنے

ہاتھ حضرت کے دستِ مبارک پر رکھتے اور عہد کرتے۔ ص ۹۵

القصہ جب جدید مرید حضرت قطبی کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھتا تو حضرت قطبی فرماتے آیا تم نے اس ضعیف اور اس ضعیف کے پیر اور میرے پیر کے پیر اور مشائخ طبقات رضوان اللہ علیہم اجمعین سے عہد کیا کہ آنکھ کی حفاظت کروگے، زبان کی حفاظت کروگے اور جادۂ شریعت پر قائم رہوگے۔ تم نے اس طرح قبول کیا۔ اس وقت نیا مرید جیسا کہ حضرت کے خدام بیعت کے طریقے سکھا دیتے اقرار کرتا کہ جی ہاں میں نے قبول کیا۔ حضرت قطبی فرماتے الحمدللہ پھر تکبیر کہتے ہوے، اس تائب کے سر کے چند بال دائیں کان کی لو کے پاس سے قینچی سے تراش دیتے اور تکبیر کہتے ہوتے چہار ترکی ٹوپی اس نیک بخت کے سر پر رکھ دیتے اگر اس کے دوران میں کچھ وقت اور لگتا اور ایک تکبیر ختم ہونے کے قریب ہوتی تو پھر اور چند بار تکبیر کی تکرار فرماتے۔ اور طاقیہ اس کے سر پر رکھتے۔ پھر اس وقت تکبیر فرماتے۔ طاقیہ پہنانے کے بعد کی حالت میں خادم اس سعید کے سر سے تھوڑی دیر کے لیے پگڑی اٹھا لیتے اور طاقیہ پہنانے کے بعد اسے سر پر سے اٹھا کر تھوڑی دیر اپنے ہاتھ میں رکھتے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی جگہ سے باہر لے جاتے۔ ص ۹۶

پھر حضرت قطبی فرماتے کہ تمہیں چاہیے کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت سے پڑھتے رہو اور جمعہ کی نماز اور جمعہ کا غسل سوائے شرعی عذر کے کبھی ناغہ نہ کرو۔ ص ۹۶

اس کے بعد اوابین کے تین دوگانوں کے لیے جو مغرب کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں، ارشاد فرماتے یعنی تین دوگانے نفل نماز کے اس طرح ادا کیا کرو کہ ہر رکعت میں

فاتحہ کے بعد تین بار سورہ اخلاص پڑھنا۔ اگر آپ کسی کے سست قدمی محسوس فرماتے تو اسی پر اختصار فرماتے اور اگر اسے عابد محسوس کرتے اور شوقین پاتے تو فرماتے کہ مغرب کے بعد حفظ ایمان کے لیے بھی ایک دوگانہ پڑھ لیا کرو، جس میں ہر رکعت میں سورۃ اخلاص سات بار اور معوذتین ایک ایک بار پڑھنا چاہیے۔ اور اگر کشف فرماتے کہ وہ اس زیادہ عبادت کی طرف مائل ہے تو پہلی ہی مجلس میں وہ دوگانہ پڑھنے کے لیے بھی ارشاد فرماتے جو عشاء کے بعد آیا ہے یعنی آپ فرماتے کہ عشاء کی نمار کے بعد دو رکعت نفل اس طرح پڑھا کرو کہ سورۃ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھو اور سلام پھیر کر ستر بار یا وھاب پڑھو۔ ص۷۹

حضرت کے ارشادات معمولاً یہ ہوتے کہ شروع ارشاد میں حضرت قطبی سونے سے قبل کے چند دوگانہ ادا کرنے کے سلسلہ میں سونے کے پہلے چند سو بار سورہ اخلاص اور درود شریف بھی پڑھنے کے لیے فرماتے اور چند دعائیں سکھاتے۔ جب مرید اس پر استقامت پالیتا تو التماس کرتا کہ حضرت مخدوم اس بندہ کو اب اجازت دیں کہ لکڑیاں لائے اس لیے کہ اس میں تلقین ذکر کی طرف اشارہ ہوتا اور یہ گویا ایک عرضداشت پیش کرنا ہوتا کہ ذکر تلقین فرمایا جائے۔ ص۷۹

اور جب حضرت قطبی اجازت دیتے کہ جاؤ لکڑیاں لاؤ تو مسترشد جاتا اور لکڑیاں مول لے کر سر پر رکھ کر بازار کے راستہ سے تمام راہ چلنے والوں کے مجمع میں سے گذرتا ہوا ایک عاشقانہ رفتار کے ساتھ ننگ و نام کو ایک کنارے رکھ کر صادقانہ آتا، اور خانقاہِ عالی مرتبت کے صحن میں داخل ہو کر صحن کے پائین میں کھڑا ہو جاتا اس کے آنے کی خبر

حضرت قطبی کے خادم حضرت کو اس کے داخل ہونے سے پہلے کر دیتے۔ ص ۹۷

وہ طالب مسترشد لکڑیاں باورچی خانہ میں اتار کر سجادہ ولایت کے سامنے حاضر ہوتا۔ ص ۹۸

اس کے بعد حضرت قطبی اپنے خادم قاضی سراج الدین سے فرماتے کہ اے فلاں شخص تم جاؤ اور زیارتوں کی فہرست تیار کرو اور اپنی نعلین مبارک اس طالبِ صادق اور معتقد واثق کو عطا فرماتے وہ طالب بہزار دل و جان سے مشتاقانہ و عاشقانہ ان نعلین مبارک کو لیتا اور سر پر رکھ کر باہر لے جاتا اور سر سے جدا نہ کرتا اور ہمتِ طلب، استقلال مجاہدہ اور کمال اعتقاد کے تقاضے سے ان جوتیوں کو اپنی دستار یا سر کی پگڑی میں باندھ لیتا۔ ص ۹۸

بعد اذاں نذر ہاتھ میں لیکر حضرت قطبی کے سامنے حاضر ہوتا اور نذر پیش کر کے پیچھے ہٹ آتا اور باہر آکر حضرت قاضی برہان الدین سے زیارتوں کی ایک مرتب فہرست لکھوا کر گھر جاتا اور زیارتیں کرتا: ص ۹۸

زیارات: حضرت شیخ نصیر الدین رحمہ اللہ

حضرت مخدوم شیخ نظام الدین رحمہ اللہ

حضرت شیخ فرید الدین رحمہ اللہ

حضرت شیخ مخدوم قطب الدین رحمہ اللہ

حضرت مخدوم معین الدین رحمہ اللہ

حضرت بی بی فاطمہ سام رحمہااللہ

جو دعائیں حضرت تلقین فرماتے انہیں بھی قاضی سراج الدین ایک کاغذ پر لکھ کر دیتے تھے۔ ایک دعا یہ ہے:

اللهم احینی محباً لک و امتنی محباً لک و احشرنی یوم القیامۃتحت اقدام کلاب احبا بک برحمۃ یا ارحم الراحمین۔ ص۹۹

یعنی الٰہیٰ مجھے اپنا محب بنا کر زندہ رکھ اور محب بنا کر موت دے اور قیامت کے دن اپنے دوستوں کے کتوں کے قدموں کے نیچے سے اٹھا اپنی رحمت سے اے ارحم الراحمین۔ ص۹۹

حضرت فرماتے تھے کہ اس دعاء کو ہر فرض نماز کے بعد بھی پڑھ لیا کرو۔

وہ طالب زیارتوں کے بعد فرمان عالی سے اپنے گھر آتا حضرت کے خادم ان لوگوں کو جو سکھاتے وہ پڑھتے اور ظہر کی نماز پڑھ کر غسل کرتے اور غسل کے بعد کوئی بات نہیں کرتے اور اسی طرح بھیگے ہوئے خانقاہ عالی میں آتے۔ لیکن نہاتے وقت یہ کہتے جاتے: کہ خداوندا میں اپنی ظاہر کو پانی سے دھوتا ہوں تو اس غریب کے باطن کو آب کرم سے دھودے۔ ص۹۹

جب طالبان حق اپنے مکانوں اور مقاموں سے خانقاہ مبارک میں حاضر ہوتے تو حضرت قطبی عصر کے بعد تشریف فرما ہوتے اور خدام کو اشارہ فرماتے کہ قدیم تلقین یافتوں کو بلائیں۔ تمام ملقن مجلس خاص میں حاضر ہوتے۔ حضرت کے خدام ایک ایک کو دائیں اور بائیں سے لا لا کر جو مقام ان کے مرتبہ کے لائق ہوتا وہاں بٹھاتے۔ اس کے بعد خانقاہ کے نئے لوگوں کو طلب فرماتے۔ یہ تین آدمیوں سے کم نہ ہوتے اور اکثر تین سے زیادہ ہوا کرتے تھے، حضرت قطبی کے سامنے لاکر رو برو بٹھا دیتے۔ حکم یہ تھا کہ چھوٹے مخدوم زادوں کو دالان کے بیرونی حصہ سے لا کر چبوترے پر بٹھائیں۔ تاکہ یہ دور دیکھتے رہیں

اور تاکہ انہیں بھی اس کام کی طرف رغبت ہو اور اس کام میں لگ جائیں۔ ص ۱۰۰
حضرت قطبی ذکر دو حلقی کر کے دکھاتے اور جس وقت حضرت قطبی سر مبارک بلند کرتے تو ہر مشتاق کی دونوں آنکھیں چہرہ مبارک پر نظر پڑتے ہی چکا چوند میں آجاتیں اور ضرب کے ساتھ جو حضرت قطبی سینہ اور سر مبارک کو اٹھا کر ضرب کے وقت دل پر مارتے جس سے نفسانیت کی زنجیر جو سختی میں لوہے کی طرح ہوتی اور بشریت کا اس پر قفل چڑھا ہوتا وہ سب کھُل جاتی۔ ص ۱۰۰
دو حلقی ضربوں کے بعد جو خود حضرت نے لگائی تھیں۔ آپ دائیں اور بائیں ان خلفاء اجازت یافتہ اور مسترشدوں میں سے ہر ایک کی طرف نظر فرما کر جو اپنے اپنے اعلیٰ و ادنیٰ رتبہ کے لحاظ سے بیٹھا ہوتا اس مسترشد سے جو ان میں سب سے بڑے مرتبے کا ہوتا فرماتے کہ تم کہو۔ ص ۱۰۱
پھر سب کے ذکر کر چکنے کے بعد آپ خود ذکر "آورد و برد" فرماتے۔ اور تمام پرانے اور نئے تلقین یافتوں کو اپنے ذکر کرنے کے مطابق و مانند ذکر کرنے کا اشارہ فرماتے۔ پھر کچھ دیر کے بعد ہر ایک جدید تلقین یافتہ کو اپنے زانوے مبارک کے سامنے بٹھا کر حلقہ بنا کر سر گھمانا تعلیم فرماتے اور کسی کا سر خود دست مبارک سے پکڑ کر حلقہ کی تعلیم فرماتے لیکن سب اسی ترتیب کے ساتھ یعنی پہلے صاحب حلقہ ذکر کو، پھر طفیلیوں کو اور سابق کے مسترشدوں کو دکھاتے اور ارشاد فرماتے کہ ذکر کی حرکات کو دل پر مارنا چاہیے۔ اس ترتیب مذکورہ بالا کے بعد آپ ہر ایک تلقین یافتہ کو طاقیہ، دستار اور ملبوس مبارک جدید خود اپنے ہاتھ سے پہناتے۔ اس وقت حضرت کے خادم انہیں اس جگہ سے اٹھا کر ایک

کنارے ساتھ لیجاتے۔ اور دو رکعت نماز نفل کا طریقہ بتا کر نماز پڑھواتے یہ لوگ خدام کے ہمراہ پھر حضرت قطبی کے سامنے حاضر ہوتے اور سجادے کے سامنے نذر رکھ کر قدم بوسی حاصل کر کے کھڑے رہتے۔ حضرت قطبی یہ ہدایت فرماتے کہ ان تین راتوں کی متواتر حاضری کو غنیمت سمجھیں اور آج کی شب دونوں بہت ذکر کریں اور بیدار رہیں اور چاہیے کہ کسی شب یہ ذکر پانسو بار سے کم نہ ہو۔ ص ۱۰۱

القصہ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جو کوئی تمہارے مریدوں اور مسترشدوں میں سے ذکر کی یہ شرطیں یعنی زیارت کرنا، کھچڑی اور روغن، دہی نمک اور لکڑیاں (سر پر رکھ کر) لانا بجا لائیگا۔ اگر وہ اپنے مقصود تک نہ پہنچے تو کل قیامت کے دن آمنا صدقنا (یعنی جس پر ہم ایمان لاتے اور جس کی ہم تصدیق کرتے ہیں) اس کا ہاتھ اور میرا دامن ہوگا۔ ص ۱۰۲

حضرت مخدوم یہ حکایت ہمیشہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے تلقین ذکر کی درخواست کی۔ میں نے اس کچھ ہوشیاری، عالی ہمتی اور عشق کی سوزش و جلن محسوس نہیں کی، اس لیے تلقین ذکر نہیں کی۔ وہ میرے پاس سے اٹھ کر ناخوش چلا گیا۔ چونکہ طالب صادق تھا اس لیے اس کی یہ ناخوشی اور محرومی زیادہ دیر تک نہ رہی۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے ملاقات کی اور فرمایا کہ کیوں تم نے اس غریب کو اس کام سے محروم لوٹا دیا۔ زمانہ آخری ہے۔ اتنا عبادت کا شوق، صلاح و تزکیہ نفس و کمال تقویٰ اور دوام توجہ تم شروع حال ہی میں ایک شخص سے کیسے چاہتے ہو۔ جو شخص تمہارا دامنِ ارشاد طلب کے ہاتھوں سے پکڑے اسے کبھی

اس کام سے محروم واپس نہ کیجئے۔ مناسب ہوگا کہ اسے یہ شرطیں پیش کیجئے اور ان کے آداب کی پابندی کرائیے اور ذکر تلقین فرمائیے۔ پھر بھی اگر وہ اپنے مقصد کو نہ پہنچے تو کل قیامت کے دن تمہارا ہاتھ اور میرا دامن۔ ص ۱۰۲

ارشاد کے وسط حال میں، بعض کہتے ہیں کہ اجلاس شینوخت کے ابتدائی زمانہ میں اندازاً بارہ برس اور بعض کہتے ہیں کہ اندازاً دو تین سال حضرت قطبی نے دست بیعت کو کشادہ فرما کر پھر تنگ فرما دیا تھا۔ انہیں دنوں خواجہ خضر علیہ السلام نے یہ بشارت دی کہ زمانہ آخر ہے۔ ہر مرید میں اعتقاد کم ملے گا۔ ہر شخص کو دست بیعت دو۔ تمہارے مریدوں اور تعلق رکھنے والوں کو بخشش کی بشارت ہے۔ ص ۱۰۳

حضرت قطبی جن مسترشدین کو یہ احساس فرماتے کہ اس کام میں وہ کافی پرانے ہو چکے اور ترقی کر چکے ہیں تو خلعت خلافت و اجازت سے مشرف کرتے اور غریب و نادر دعائیں جن میں اسرار ہیں اور نازک مراقبے اور ذکر کہ کسی اجنبی کے سامنے ان کو بیان نہیں کر سکتے انہیں تعلیم فرماتے اور نازک نازک اسرار پر مطلع فرماتے اور دعاے خلافت تلقین فرماتے۔ ص ۱۰۴

حضرت قطبی کے خانوادہ میں جس پیر کے اجازت یافتہ مسترشدین ہوتے انہیں نہالچہ، مصلا تسبیح، دستر خوان، نمکدان اور ایک جوڑا لباس، لبادہ اور عصاے مشائخ بھی عطا ہوتا اور اسے خلافت عطا ہونے کی ایک دلیل سمجھا جاتا۔ ص ۱۰۴

ایک پیر اپنے مرید خاص کو اپنی پیش امامی کا حکم فرماتا ہے اب اگر اس کا مرید اس پیر کی نماز میں ایک وقت بھی امامت کر لیتا ہے تو وہ مرید اپنے پیر کا خلیفہ و مجاز ہو

جاتا ہے۔ ص ۱۰۴

حضرت قطب المشائخ (خواجہ بندہ نوازؒ) ہمیشہ علماء کا لباس پہنتے، جس طرح کہ حضرت مرشد المشائخ نصیر الدین محمود نور اللہ مرقدہ پہنا کرتے تھے۔ اور ویسا ہی کھنیل کا پیراہن اور تا برانی جو بہترین ہوتی، پہنتے اور بارش کے موسم اور جاڑے میں گھر کے اندر بھی بارانی پہن کر بیٹھا کرتے تھے۔ اور پانچ گز کی دستار باندھتے لیکن عیدین اور جمعہ کے دن چندری کے ایک پارچہ کی دستار باندھتے اور اکثر بلکہ کبھی کملی بھی بغیر بارانی پہنے گھر سے باہر نہیں جاتے۔

اور کبھی آبھوت اور سالو کا رنگ نہیں پہنتے تھے۔ اور خواب کے وقت غایت حرارت سے جو جسم مبارک میں تھی صرف تین گز کی دستار رکھتے تھے۔

اور اکثر لبانچہ ملبوس کے اندر پہنتے اور لباس کھلے کھلے اور ڈھیلے ڈھالے کٹواتے اور جامے اور دستار جھمین پہننے کی ایک مستحسن رسم ہے اس قد زیب پر بہت زیب دیتے تھے۔ مصرع

زیبائی نہ زیباز توزیباست زیبائی

یعنی آپ ایسے قبول صورت و زیبا قد تھے کہ زیبائی کو آپ سے زیبائش و حسن ملتا تھا۔ ص ۱۰۴

فی الجملہ آپ کوئی رنگین اور میلا اور چست لباس کبھی نہیں پسند کرتے تھے۔ ص ۱۰۵

اور جب کبھی قطبی ناخوش ہوتے اور روئے مبارک غصہ سے چڑھا لیتے (یعنی جس سے چہرۂ مبارک میں شکنیں پڑجاتیں۔

(۱) ان میں ایک وہ وقت ہوتا کہ جب آپ یہ سنتے کہ کسی نے "خزینہ" یعنی خانقاہ میں کوئی خلاف شرع کام کیا ہے
(۲) دوم جب آپ دیکھتے کہ مجلس خاص میں کسی کو اس کے مرتبہ سے متفاوت و متجاوز جگہ دی گئی ہے۔ نیز جماعت میں سب بیک وقت باتیں کر رہے ہوں۔
(۳) تیسرے اس وقت جبکہ کوئی خان یا بادشاہ یا سوداگر حضرت قطبی کے سامنے ارشاد کے لیے حاضر ہوتا اور ذکر و مراقبہ کی درخواست کرتا اس وقت آپ بہت زیادہ مکدر اور ناخوش ہوتے۔
ایک مرتبہ سلطان فیروز شاہ بہمنی نے ذکر و مراقبہ کے لیے درخواست کی تھی اور عرض کیا تھا کہ ایک ایسی شرط درمیان میں ہو کہ حضرت شیخ کے ارشاد کی برکت سے چند روز ہی کے مہلت میں وہ شرط پوری ہو جاے تاکہ اس کام میں صوفیوں کو جو آثار نمایاں ہوتے ہیں میرے لیے بھی نمایاں ہوں۔ حضرت قطبی نے جواب دیا کہ یہ کام خاص فقرا کا حصہ ہے۔ ص ۱۰۵
لیکن آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میری تعلیم میں کوئی پیشہ عہدہ، اور شغل اور کام مانع راہ نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ باوجود بادشاہت، خانی و حکمرانی، ، عہدہ ملکی، تجارت و کتابت وغیرہ کے جو اوراد کہ میں بتاؤں اور جو ذکر، مراقبہ اور توجہ کہ میں تلقین کروں اور جو شرائط و آداب میں بیان کروں انہیں ہمیشہ کرتے رہیں اور اس کام میں صدق نیت سے داخل ہوں اور میرے احکام وھدایت پر قائم رہیں تو یقین ہے کہ ان اسرار و گفتار سے ضرور کچھ حصہ حاصل کر لیں گے اور اپنے دل کی ہمت کے اندازہ اور تزکیہ نفس اور

توجہ نام سے اس راہ میں ترقی کرلیں گے۔ ص ۱۰۵

(۴) چوتھے اس روز جبکہ اہلِ دنیا جو بادشاہی عہدوں پر فائز ہیں سلطانی خلعت و لباس پہن کر سجادۂ ولایت کے سامنے آتے۔ معمول یہ تھا کوئی سرکاری لباس پہن کر حضرت قطبی کے دروازے پر آتا تو آپ کے خدام وہ لباس اِس سے اترواتے۔ اس کے بعد اسے حضرت قطبی کے سامنے لاتے۔ ص ۱۰۶

(۵) پانچویں ناخوشی کی ایک بات وہ ہوتی جبکہ حاضرین مجلس میں سے کوئی شخص حضرت کے منھ پر حضرت کی تعریف کرتا آپ نہایت ناخوش ہوتے اور چہرہ مبارک پر شکنیں پڑجاتیں۔ ص ۱۰۶

اگر کوئی توحید کا مضمون یا نعت لکھ لاتا تو اسے اپنی پہنی ہوئی دستار عطا فرماتے اور جانماز اور سجادہ شیخوخت کے پاس اگر کچھ نقد رقم ہوتی تو وہ بھی دے دیتے۔ ص ۱۰۶

اگر کسی کی بابت یہ سنتے کہ وہ آپ کے پیٹھ پیچھے آپ کی نیک خصلتیں اور اخلاق ومکارم کی تعریف کرتا تو اس سے خوش ہوتے اور اس کے صدق و اخلاص پر عمدگی کرتے، لیکن منھ پر کہتا تو اسے بے ادبی، چاپلوسی اور تملق پر محمول کرتے۔ ص ۱۰۷

(۶) چھٹی بات یہ کہ اگر کوئی کسی دوسرے شخص کی خواستہ شے یا املاک پر تغلب سے قبضہ کرلیتا یا کسی شخص کو رنج دیتا اور سختی کرتا تو آپ ازراہ کرم و شفقت مظلوم کو اپنی حمایت میں لے لیتے اور اس کی بہت دلداری فرماتے اور اس کے ساتھ انصاف ہونے کی سعی کرتے۔

جو مظلوم آپ کے پاس آتے، آپ اس کی غمخواری فرماتے اور ظالم پر دل و جان سے

ناخوش ہوتے۔ ص ۱۰۷

(۷) ساتویں ناخوشی کی بات یہ ہوتی کہ اگر کوئی کسی عورت یا بچہ یا کسی دوسرے کے مرید کو سجادہ شیخوخت کے سامنے پیش کر کے رشد و ارشاد کی درخواست کرتا یا تلقین ذکر کی استدعا کرتا اور مراقبات کی تعلیم کی طمع رکھتا تو اس وقت طبیعت مبارک مکدر ہو جاتی اور ہمیشہ فرماتے کہ ان تین جماعتوں کو تعلیم کرنے سے مجھے ندامت ہی ندامت حاصل ہوئی ہے اور ان تین لوگوں کا میں نے اچھی طرح تجربہ کیا ہے۔ اور آخر الامر ناخوش ہونا پڑتا ہے۔ اور اچھی طرح جان لیا ہے کہ یہ بات نقصان سے خالی نہیں ہے۔ ص ۱۰۷

(۸) آٹھویں اس وقت جب آپ قلندری کو دیکھتے اور ان کے نام، قصے اور ان کے اعمال کا حال سنتے تو ناخوش ہوتے اور فرماتے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے بچوں کو بدراہ کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالتے ہیں۔ ص ۱۰۸

آپ ہمیشہ اپنے پوتوں، نواسوں اور خرد رشتہ داروں کو متنبہ کرتے رہتے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے گھر کا کوئی بچہ اپنی مجلس میں کسی قلندر کو آنے دے اور اس سے بات چیت کرے یا قلندروں کی باتیں سنے۔ ص ۱۰۸

فرماتے تھے کہ شیخ شہاب الدین نے کہاں سے یہ بات کہی ہے کہ قلندروں کی جماعت میں ایسا بھی کوئی آدمی اٹھ کھڑا ہوتا ہے یعنی ایک ولی، واصل و عارف و کامل پیدا ہوتا ہے۔ خیر یہ ممکن ہے کہ کوئی ولی اپنے آپ کو چھپانے کے لیے اس جماعت میں شامل ہو جائے اور چھپائے رکھے لیکن اس بات کو اس قول سے کیا نسبت کہ ایسے لوگوں کی جماعت میں سے بھی کوئی ایسا شخص یعنی ایک مرد ولی و عارف و کامل و

شیخ و مرشد پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ بد قوم اور بدملت ہیں۔ ان میں دینداری کی کوئی بھلائی نہیں۔ ص ۱۰۸

(۹) نویں ناخوشی کی وہ صورت ہوتی کہ جس وقت خانقاہ کا کوئی خادم اور گھر والوں میں سے کوئی یہ عرض کرتا کہ اس جگہ کوئی عمارت ہونی چاہیے یا اس مکان کی مرمت ہونی چاہیے۔ تو آپ ناخوش ہوتے۔ لیکن ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک لڑکا (غلام) آیا اور اس نے حضرت قطبی سے عرض کیا کہ خانقاہ کی دیوار کا ایک مینار فلاں جگہ سے ٹوٹ گیا ہے، اس کی مرمت ہونی چاہیے۔ ورنہ برسات کا زمانہ ہے۔ پانی اندر آے گا اس وقت بھی آپ نے کسی قدر ناخوشی کے ساتھ فرمایا جاؤ درست کراؤ۔ ص ۱۰۹

(۱۰) دسویں صورت وہ ہوتی کہ کوئی نوکر گھر کا یا خانقاہ کا حساب کتاب حضرت قطبی کے سامنے پیش کرتا۔ آپ فوراً ہی ناخوش ہو جاتے اور کچھ نہ سنتے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے کسی وقت بھی (حساب کتاب کی) سماعت نہیں فرمائی۔ ص ۱۱۰

حضرت قطبی فرماتے تھے کہ درویش کو اس سے کیا نسبت کہ گھر کے حساب کتاب کی طرف توجہ اور التفات کرے، خواہ وہ صدق بے پروائی کو نگاہ رکھنے ہی کیلئے کیوں نہ ہو۔ ص ۱۱۰

حضرت قطبی ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کو اپنی ذات سے اور مسترشدوں اور طالبان حق سے خواہ وہ حضرت کے مرید ہوں خواہ کسی اور کے جو شے مطلوب و مقصود ہے وہ یہ ہے کہ وہ جادۂ شریعت پر رہیں اور اپنے مشغلِ باطن میں مستغرق رہیں۔ چنانچہ اپنی تصنیفات میں آپ نے بہت جگہ یہ لکھوایا ہے کہ نفس کا تزکیہ کرو اور دوام توجہ حاصل کرو۔ ص ۱۱۰

حضرت قطبی کے قلب مطہر کو اس وقت فرحت اور خوشی ہوتی کہ جب آپ کے تمام مریدوں اور مسترشدوں میں سے کوئی خواہ آپ کے فرزندوں سے ہو خواہ حضرت مخدوم کے مریدوں سے اپنے پیش آئے ہوئے کشف و تجلیات کو حضرت قطبی کے سامنے عرض کرتا۔ اسے آپ توجہ سے سنتے اور اس کے حوصلہ کے مطابق رشد و ھدایت فرماتے لیکن جب کوئی کشف حقیقت تجلی صفات و ذات باری تعالی کا واقعہ عرض کرتا تو بہت مسرور ہوتے اور ان صادق مسترشدوں پر بہت کچھ توجہ اور نوازشیں مبذول فرماتے ان پر اور ان کے آباواجداد پر اور اللہ جل شانہ کی رحمت ہو۔ ص ۱۱۱

وفات: حضرت قطبی کی وفات سولھویں ذی قعدہ ۸۲۵ھ کو ہوئی۔ ص ۱۱۱

حضرت قطبی کا شجرہ نسلی یہ ہے:

خواجہ صدر الدین ابو الفتح ولی اکبر سیّد الصادق سیّد مُحمّد حسینی ملقب بہ گیسودراز نور اللہ مرقدہ آپ کے فرزند سیّد مُحمّد اکبر حسینی المسمیٰ بہ شیخ حسین المعروف بہ میاں بڑہ دوسرے فرزند سیّد مُحمّد اصغر المسمیٰ بہ شیخ یوسف المعروف بہ میاں ٹھرہ۔ ان کے فرزند سیّد یداللہ المسمیٰ بہ شیخ حبیب اللہ ابو المرشد۔ ص ۱۱۱

حضرت قطبی کی عمر ایک روایت سے ایک سو پانچ برس اور ایک دوسری روایت سے ایک سو دو سال بارہ دن اس حساب سے ہوتی ہے کہ اگر آپ کی ولادت کو ۷۲۳ھ میں قرار دیا جاتے۔ ص ۱۱۲

جب حضرت مخدوم زادۂ خرد نے حضرت قطبی کی وفات کے دوسرے روز حضرت قطبی کے سجادہ پر بطور شیخ وقت اجلاس فرمایا اور ابھی کسی شخص نے حضرت خواجہ سے

بیعت نہیں کی تھی کہ آپ نے میاں ید اللہ سے فرمایا کہ بابو حضرت مخدوم کے سجادہ پر تم بیٹھو۔
ص ۱۱۲

لیکن اسی روز یعنی منگل کا روز سترھویں ذی قعدہ ۸۲۵ھ کو حضرت قطبی کے تمام فرزند، رشتہ دار و خلفاء اور یاران طریقت نے اور ان کے ساتھ مجلس میں جو لوگ حاضر تھے انہوں نے حضرت خواجہ مخدوم زادہ خرد کے حضور مین نذریں پیش کیں۔ ص ۱۱۲

حضرت قطبی کے مقربان بارگاہ جو آپ کے فرزندوں، خلفاء اور یاروں میں سے تھے کہا کرتے تھے کہ حضرت قدوۃ المشائخ حضرت مخدوم زادہ بزرگ حضرت قطبی مخدوم کے عاشق تھے اور حضرت قطبی خود حضرت مخدوم زادہ خرد کے عاشق تھے۔ نور اللہ تعالیٰ مضجعھم۔
ص ۱۱۳

حضرت مخدوم زادہ خرد ان افعال و اعمال اور طریقہ سنت و جماعت پر دعوت دیتے تھے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالص پیروی و متابعت تھی۔
ص ۱۱۳

حضرت مخدوم زادۂ خرد کا کلام اور ارشاد اہل سُنّت و جماعت کے قاعدے پر اور ھدائتیں مشائخ طبقات کے قانون پر ہوتیں۔
ص ۱۱۴

اپنی شیخوخت کے زمانہ میں اگرچہ کہ آپ ہر روز اجلاس فرماتے اور ہر جمعہ کو جامع مسجد سے لوٹتے وقت حضرت قطبی کے سجادہ پر ان کی جگہ تشریف فرما ہوتے۔ استفتاح کے دن اور بقر عید کے عرفہ کے دن تجدید بیعت کے وقت لوگ آتے اور خرقہ توبہ اور دست بیعت کے لیے عرض معروض کرتے مگر آپ اکثر کو حُسنِ خلق اور تواضع وانکسار کے ساتھ جواب دے کر لوٹا دیتے۔ لیکن کبھی کبھی بعضوں کو قبول توبہ اور دست بیعت دیتے اور

خرقہ ارادت عطا کرکے سرفراز بھی فرمایا کرتے تھے۔ ص ۱۱۵

حضرت مخدوم زادۂ خرد کے زمانۂ شیخوخت میں ایک بار حلقۂ تلقین ذکر ہوا۔ جس میں:

(۱) قاضی برہان الدین جو خطہ پر نیدڑہ کے نائب حاکم شرع تھے۔

(۲) مولانا اسمعیل جو حضرت میاں عبداللہ کے خلیفہ ہو چکے تھے۔

(۳) تیسرے شخص حاکم شرع قصبہ نیوسہ (غالباً یہ لفظ ادسہ ہے)

(۴) چوتھے جن کا مولانا علاء الدین نام تھا جو ہندوستانی تھے اور بعد میں حج بھی کر آئے تھے۔ موجود تھے۔ ص ۱۱۵

حضرت مخدوم زادۂ خرد کو خلق سے انقطاع، راتوں کو جاگنا اور جنگلوں اور باغوں میں تنہا رہنا پسند خاطر تھا اور ہمیشہ نعرہ و گریہ، آہیں اور سوزش درون رہتی۔ مقربان صادق اور مخبران واثق یہ کہتے ہیں کہ شیخوخت کے ان ایام میں حضرت مقام تسکین و تمکین پر قرار فرما تھے۔ ص ۱۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مخدوم زادۂ خرد نور اللہ مرقدہٗ ہمیشہ کمال استغراق و شغل باطن کی وجہ سے امور شیخوخت کے جاری رکھنے کی طرف ملتفت نہ ہوتے اور دنیا کی بات چیت آپ کے سامنے کوئی وقعت نہ رکھتی اور آپ اس سے قطعی طور پر نفرت ظاہر کرتے اور ایسے سرکاری مولوی جو سرکاری دفتروں میں نوکر ہوں اور بادشاہی ملازمین کی نیز ان کی گفتار، رفتار و لباس و معاملات کی حضرت خواجہ کے پاس ایک دانہ اور ایک جو کے برابر

بھی وقعت نہیں ہوتی اس لیے کہ ان لوگوں کو کسبِ وطن اور شغل دل کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ اسی طرح شیخی اور جاہ طلبی اور خانقاہوں کی رسمیں اور عادتیں نیز لنگر اسی قدر وقعت رکھتے لیکن طلب علم اور تصوف کی طرف رغبت حضرت کے نزدیک بڑی چیز سمجھی جاتی۔ طالب علموں اور اہل سنت وجماعت کے صالحان امت اور فقیروں اور صوفیوں کو دوسرے لوگوں سے زیادہ محبوب رکھتے۔ ص ۱۱۶

حضرت توجہ دل سے یہ سعی فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص طلب کے شروع میں عبادت زیادہ کرے اور نہایت کار میں صوفی مشرب ہو جاتے۔ ص ۱۱۶

حضرت مخدوم زادہ خُرد کے زمانہ شیخوخت میں سلطان احمد شاہ بہمنی کو تین بار حضرت کی ملاقات نصیب ہوئی۔ سلطان آپ کی بہت حرمت و عزت کرتا اور اعتقاد والوں کی طرح تعظیم و تکریم کرتا اور جب حضرت سے بات کرتا تو بہت ادب سے کلام کرتا۔ حضرت بھی ایک شان مجذوبی و بے پراوئی سے اس طرح ملتے کہ ماسوی اللہ سے بالکل خالی ہے۔ ص ۱۱۶

حضرت مخدوم زادہَ خرد ہمیشہ یہ فرماتے کہ بابو "یدو" یہ تمہاری جگہ ہے آؤ اور بیٹھو اور حضرت مخدوم کا کام جاری کرو اور مجھے خلاصی دو تاکہ فراغ خاطر سے اللہ کی طرف دل سے متوجہ ہو کر خوش رہوں"۔ ص ۱۱۷

حضرت قطبی نے اس بارے میں خاص اپنے ہی زمانہ میں خلافت نامہ میں زیادہ لوگوں کو دست بیعت دینے کی اجازت دی تھی مگر اس کام کی اجرائی کے لیے جو دربار و گوہر نثار تقریر لکھا دی تھی وہ یہ ہے:

"کہ میری جگہ محمّد اصغر ہو گا۔ اور میرا حق پدری اس وقت ملحوظ رکھے گا جبکہ میرے بعد وہ میرے سجادے پر بیٹھے اور دست بیعت دے"۔ ص ۱۱۷

اس لیے آپ بدرجہ مجبوری حضرت قطبی کے سجادہ ولایت اور مقام ھدایت پر تشریف فرما ہوئے لیکن علی العموم دست بیعت دراز نہیں فرمایا اور شیخوخت کا وہ خیال جو اہل خانوادوں اور شیخ زادوں میں جاری ہے دل میں نہ رکھا اور سرور و سرفراز بننے کی طرف کبھی قدم نہ اٹھایا۔ ص ۱۱۸

حضرت قطبی کی شیخوخت کے زمانے کے رسوم میں سے چند جزئیات مثلاً مریدوں اور معتقدوں کا سر جھکانا اور اسی طرح کے دیگر امور تھے آپ نے لوگوں کو ان پر عامل رہنے کی اجازت نہیں دی اور بہت تاکید سے منع کیا اور جھڑکا۔" ص ۱۱۸

حضرت مخدوم زادہ خرد دو برس دو مہینہ اور چار دن حضرت قطبی کے سجادہ ولایت پر جلوہ فرما رہے۔

بدھ کے روز اکیسویں محرم ۸۲۸ھ کو اس منزل ناپائیدار سے اس مقام پائیدار کی طرف سفر اختیار کیا۔ ص ۱۲۱

حضرت سید یداللہ حسینی رحمہ اللہ ص ۱۲۱

آپ تیسویں محرم ۸۰۳ھ کو کھمبایت (موجودہ کیمبے) ولایت گجرات میں تولد ہوئے۔ ص ۱۲۲

اس زمانہ میں حضرت قطبی قصبہ پٹن میں تھے. ولادت کی خوش خبری سنتے ہی کھمبایت تشریف لاتے۔ ص ۱۲۲

حضرت مخدوم نے فرمایا: "اے محمّد اصغر تیرے گھر ایسا لڑکا آیا ہے جو جہانگیر ہو گا۔" ص ۱۲۲

فی الجملہ جب حضرت قطبی کھمبایت سے سفر کر کے تھانیسر تشریف لائے۔ وہاں نصیر خاں، ملک حسام الدین مہابلی احمد شاہی فرزندان خان اعظم عادل خاں محمد عین فاروقی اور دوسرے بہت سے اس جگہ کے رہنے والے حضرت قطبی کے مرید ہوئے۔ ص ۱۲۳

پھر وہاں سے جمادی الثانی کے مہینہ ۸۰۴ ھجری میں بزمانہ سلطنت شاہنشاہ مرحوم سلطان فیروز شاہ بہمنی رحمہ اللہ شہر احسن آباد (عرف گلبرگہ شریف) میں تشریف فرما ہوئے۔ ص ۱۲۳

ان دنوں حضرت سید یداللہ حسینی ایک سال چار مہینہ کے تھے۔ ص ۱۲۳

جب آپ چار سال چار ماہ اور چار دن کے ہوئے تو قاضی بہاء الدین امام کے پاس تعلیم کے لیے حضرت قطبی نے مکتب میں بٹھایا۔ ص ۱۲۳

بعد ازاں حضرت قطبی نے بہت کوشش فرمائی کہ حضرت سید یداللہ کلام اللہ حفظ کر لیں۔ ص ۱۲۳

چنانچہ حق جل وعلا کی مدد سے تھوڑی ہی دنوں میں حضرت میاں یداللہ کو کلام اللہ کا حفظ ختم کرنا نصیب ہوا جب کلام اللہ ختم کر کے آپ نے پہلی محراب سنائی تو حضرت میاں یداللہ قاضی بہاء الدین امام کے ہمراہ کچھ مٹھائی لے کر حضرت قطبی کی قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت قطبی بہت خوش ہوئے۔ ص ۱۲۳

اسی زمانہ میں حضرت قاضی بہاء الدین نے حضرت قطبی کے سجادۂ ولایت کے سامنے عرض کی کہ مخدوم زادہ حضرت میاں یداللہ کو سوائے مخدوم کے اور کون پہچانتا ہے یا متقدمین میں سے حضرت قطب الدین اور حضرت شیخ فرید الدین تشریف لائیں تو میاں کو پہچانیں۔ حضرت قطبی کو بہاء الدین کی یہ تعریف پسند آئی۔ جواب دیا ''خوش

می گوئی ملاں، نیکوئی میگوئی ملاں۔" ص ۱۲۳

حضرت شاہ یداللہ نے اور بھی چند ختم سنائے۔ اس کے بعد حضرت قطبی نے فرمایا کہ مولانا تاج الدین خوش نویس کے پاس جا کر خط درست کریں۔ چنانچہ کچھ عرصہ تک حضرت میاں یداللہ مولانا تاج کے سامنے خط کی مشق کرتے رہے اس کے بعد حضرت قطبی نے فرمایا کہ قاضی سراج الدین خادم خانقاہ کے پاس بھی جا کر خط کی مشق کریں اور علم بھی حاصل کریں۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ ص ۱۲۳

اس کے بعد حضرت قطبی نے فرمایا کہ میرے سبق کی مجلس میں بھی یداللہ آیا کریں۔ کچھ علوم ظاہری بھی مثلاً نحو، صرف، فقہ اور علم تصوّف حضرت قطبی سے پڑھ کر سند حاصل کی جس زمانہ میں حضرت میاں یداللہ حضرت قطبی سے آداب المریدین پڑھتے تھے حضرت قطبی اس کا ترجمہ بھی لکھایا کرتے تھے۔ ص ۱۲۴

حضرت میاں یداللہ نے حضرت مخدوم کے ہاتھ پر بیعت کی چنانچہ بیعت کے ہی دن حضرت مخدوم نے اپنا نہالچہ سجادۂ خلافت میاں یداللہ کو عطا فرمایا اور ازراہ کرم و نوازش مجمع عام میں اپنی زبان و دربار و گہر نثار سے فرمایا کہ چونکہ باپ نے اپنے آپ کو دوسرے جہان میں ڈال دیا ہے، اس لیے باپ کی جگہ یہ سب اسے میں نے عطا کیا کہ میرے بعد میرے کام کو بھی جاری رکھے گا۔ اس کے چند روز بعد ورد اوراد بھی بتائے اور فرمایا کہ یداللہ تمہیں چاہیے کہ میری صحبت میں رہا کرو۔ ص ۱۲۴

حضرت قطبی نے حضرت میاں یداللہ کو بلا کر کہا کہ بابو یدّو! اب میں کبیر السن ہو گیا ہوں اور دعائے استفتاح پڑھ نہیں سکتا۔ تم پڑھ دیا کرو۔ چنانچہ حضرت قطبی کے

فرمانے کے بموجب حضرت میاں یداللہ عصر کی نماز کے بعد دعاء استفتاح پڑھتے اور حضرت قطبی سن کر خود بھی پڑھنے لگتے۔ اس کے بعد اپنے سینہ مطہر سے لپٹا لیتے اور سینہ سے سینہ ملتے۔ ص ۱۲۵

حضرت قطبی نے میاں یداللہ کا پیارا نام ازراہ مرحمت قبول رکھا۔ ص ۱۲۸

حضرت قطبی کے ولایت کے آخری زمانہ میں جبکہ حضرت مخدوم کا جسم بہت کمزور ہو گیا تھا ایک روز حضرت میاں یداللہ نے حضرت مخدوم کے سامنے بیٹھ کر یہ عرض کیا کہ امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جناب رسالت مآب ﷺ سے یہ گذارش کی کہ میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک میں دیکھتا رہوں۔ میرا بھی حال حضرت مخدوم کے ساتھ ایسا ہی ہے۔ ص ۱۲۸

فی الجملہ حضرت مخدوم جس وقت چاہتے کہ مردانِ غیب کے پاس کسی کو بھیجیں تو حضرت میاں یداللہ ہی کو بھیجا کرتے تھے۔ ص ۱۲۹

حضرت قطبی نے جب اپنے مقربوں، مسترشدوں اور مقبولوں کو اجازت خلافت کی خلعت سے سرفراز فرمایا تو ہر بار حضرت میاں یداللہ کا نام بھی لکھوایا ہے۔ ایک بار حضرت قطبی اجازت نامہ لکھوا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ قاضی راجا دست بیعت دیا کریں، عبداللہ دست بیعت دیا کریں اور ہر دو ملک زادے ملک عزالدین، ملک شہاب الدین دست بیعت دیا کریں۔ اور میرا جانشین و خلیفہ یداللہ ہے۔ ص ۱۲۹

حضرت مخدوم زادہ خُرد کو حضرت قطبی نے جانشین بنایا۔

خلافت نامہ میں چند سطور لکھیں:

"والخرقة والسجادة و الخاتم الذی بیدی کل ذلک مبذولة ومملوکة لمحمد اصغر."

یہ انگوٹھی مخدوم زادۂ خرد سے حضرت میاں یداللہ کو پہنچی۔ ص ۱۳۰

حضرت مخدوم زادۂ خرد کی وفات کے بعد پنجشنبہ کے دن بائیسویں محرم ۸۲۸ھ کو جانشینی کا جلسہ ہوا۔ میاں سفیر اللہ نے حضرت میاں یداللہ کا دایاں ہاتھ پکڑا اور قاضی بہاء الدین نے بایاں ہاتھ اور حضرت میاں یداللہ حقیقتاً حضرت قطبی کی خلافت پر لیکن بظاہر مخدوم زادۂ خرد کی بجائے حضرت قطب المشائخ کے سجادۂ شیخوخت اور مقام ھدایت پر متمکن ہوئے۔ ص ۱۳۰

حضرت مخدوم زادۂ خرد اپنی شیخوخت کے زمانہ میں لوگوں کو علی العموم مرید نہیں کیا کرتے تھے۔ اب اس عہد دولت خلافت حضرت میاں یداللہ میں اس راستہ کے کھلتے ہی اور ارشاد کے دروازے کے وا ہوتے ہی خلق کا ہجوم بہت ہوا۔ ص ۱۳۱

قاضی سراج الدین فرماتے تھے کہ میں نے بارہا تجربہ کیا اور اچھی طرح یہ امر محسوس کیا ہے کہ مخدوم زادہ میاں یداللہ کے عہد دولت خلافت میں جس کسی کو حضرت میاں صاحب کی طرف سے تلقین ذکر اور تعلیم مراقبہ ہوئی اور اس نے اس کام میں صبرو تحمّل سے کام لیا تو البتہ آپ کے ارشاد اور دل کی نظر کی تاثیر اور حضرت مخدوم زادہ کی نوازش و مہربانی سے اس کام کا کچھ نہ کچھ حصہ اسے ضرور ملا ہے اور خالی نہیں رہا۔

مؤلف تاریخ حبیبی کا بیان ہے کہ حضرت میاں یداللہ کے سجادہ شیخوخت پر اجلاس فرما ہونے کے وقت سے اس وقت تک حضرت کے تربیت یافتہ چند خلیفہ و مجاز ہوئے ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) مخدوم زادہ حضرت میاں من اللہ رحمہ اللہ

(۲) مخدوم زادہ حضرت میاں صبغۃ اللہ رحمہ اللہ

(۳) مخدوم زادہ حضرت میاں حفظ اللہ رحمہ اللہ

(۴) مخدوم زادہ حضرت میاں محمود رحمہ اللہ

(۵) سید کمال الدین بن صفی بھروچی رحمہ اللہ

(۶) سیّد اسمعیل بن حسام رحمہ اللہ

(۷) سید ابن ماہ منیر بن حسام رحمہ اللہ

(۸) مولانا تاج الدین رحمہ اللہ

(۹) مولانا ابوالفضل علاء گوالیری رحمہ اللہ (یہ گوالیری نہیں ہے)

(۱۰) ملک زادہ حضرت فرید فرشوری رحمہ اللہ

(۱۱) حضرت شیخ اویس رحمہ اللہ

(۱۲) اصیل الدین مُحمّدآبادی رحمہ اللہ

(۱۳) مولانا مخدوم زادہ یعنی صاحب سجادہ حضرت میاں احمد فرزند حضرت میاں یداللہ

(ختم شد)

حضرت سید یوسف المعروف بہ محمد اصغر حسینی رحمۃ اللہ علیہ

۸۲۸ھ

قطب الاقطاب خواجۂ دکن حضرت سید محمد اصغر حسینی الملقب بہ گیسودراز قدس سرہ کے فرزند اصغر۔ ولادت باسعادت دہلی میں ہوئی۔ سات سال کی عمر میں ہی حضرت خواجۂ گیسودرازؒ کی خدمت میں ایک روز عرض کیا کہ بعض صوفی کہتے ہیں ہم خدا کو دیکھتے ہیں، آپ مجھے بھی خدائے تبارک وتعالیٰ دکھا دیجئے۔ اُسی زمانہ سے آپ سلوک میں مشغول ہوگئے۔ کشوف و تجلیات جلالی و جمال آپ کو حاصل ہوگئیں۔

سیر محمدی میں ہے کہ دونوں مخدوم زادے سید محمد اکبر حسینی اور سید محمد اصغر حسینیؒ بڑے عالم اور صاحب استعداد تھے تمام علوم معقول و منقول اساتذۂ دہلی حضرت قاضی عبد المقتدرؒ، مخدوم خواجگی نحویؒ، مولانا محمد بغرا اور مولانا نصیر الدین قاسم رحمہم اللہ سے پڑھے تھے۔ سلوک اور ارشاد و تلقین حضرت مخدوم گیسودرازؒ سے حاصل کی مؤلف تاریخِ حبیبی کا بیان ہے۔

"دونوں مخدوم زادوں کا طریقہ مانند، بود اہل سنت وجماعت کے اصولوں پر تھا۔ اور ہر جگہ جلوت ہو یا خلوت جس قدر آپ کی نشست و برخاست تھی سب اہل سنت وجماعت اور دیندار و دین پرور عُلماء و صُلحاء اور صوفیہ و فقہا اور صاحبانِ عقل و دانش کے ساتھ تھی اور دونوں مخدوم زادوں کو علوم تفسیر وحدیث و اصول فقہ اچھی طرح ضبط و مستحضر تھے اور کشاف و مازدوی اور ھدایہ کا سبق ان لوگوں کو جنہیں آپ سے تعلق تھا، پرانے زمانے کے مستند استادوں کی طرح پڑھایا کرتے تھے۔"

(تاریخ حبیبی ص ۶۲)

مخدوم زادہ خرد کی شادی دہلی کے سید اجل حضرت مولانا سید علاء الدین رحمہ اللہ کی دختر سے ہوئی۔ ۷ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو حضرت خواجہ گیسودراز قدس سرہ نے حملۂ تیموری کی وجہ سے پورے کنبہ سمیت دہلی سے ہجرت کی تو مخدوم زادۂ خرد بھی ہمراہ تھے۔ اثناء سفر میں کھنبایت (گجرات) کے مقام پر ۳۰ محرم الحرام ۸۰۳ھ کو آپ کے فرزندِ اکبر شاہ یداللہ حسینی پیدا ہوئے باقی اولاد گلبرگہ میں پیدا ہوئی۔ آپ کے چھ فرزند تھے۔ شاہ یداللہ حسینی، شاہ یمین الرحمٰن، شاہ لِلہ، شاہ باللہ، شاہ من اللہ اور شاہ صبغۃ اللہ۔ آپ کی ایک دختر بھی تھی۔ جو سغیراللہ بن مخدوم زادہ بزرگ سید محمد اکبر حسینی سے بیاہی گئیں۔

خانقاۂ گلبرگہ شریف میں آپ کے حالاتِ باطنی اوجِ کمال کو پہنچے حضرت مخدوم گیسودرازؒ کے وصال مبارک کے بعد ان کی وصیت کے مطابق آپ سجادۂ ولایت پر رونق افروز ہوئے ایک موقع پر حضرت خواجہ صاحب نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ محمد اصغر جس کسی کو اجازت دیں اسے میری طرف سے مجاز سمجھا جائے۔

آپ زیادہ تر خلوت میں رہتے اور صحبتِ خلق سے آپ کو بالکل نفرت تھی آپ کے زمانۂ شیخوخت میں سلطان احمد شاہ بہمنی کو تین بار حضرت مخدوم زادہ خرد کی ملاقات نصیب ہوئی سلطان بہت عزت و عظمت سے پیش آتا اور معتقدین کی طرح تعظیم و تکریم کرتا اور جب حضرت سے بات کرتا تو بہت ادب سے کلام کرتا حضرت بھی ایک شان مجذوبی و بے پروائی سے اس طرح ملتے کہ ماسوی اللہ سے دل بالکل خالی ہے۔ (تاریخ حبیبی ص ۱۱۶)

مخدوم زادہ خرد کی رفعت شان ملاحظہ ہو۔

مولانا محمد علی سامانی مؤلف "سیر محمدی" (۸۳۱ھ) فرماتے ہیں۔

"مخدوم زادہ شیخ اعظم مقتدائے مکرم محبوب اہلِ کتب و صحف جمال الملتہ والدین سید یوسف المعروف بہ سید محمد اصغر طاب ثراہ و حسن مثواہ کے فضائل تحریر و تقریر سے متجاوز ہیں۔" (ص ۱۲۳)

مولانا عبدالعزیز واعظی صاحب "تاریخ حبیبی" نے یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے

حضرت مرشدِ مربّی و راہبر۔

نفس پاک و مجاہد چالاک، متعبد یگانہ، متزہد زمانہ صاحب اوراد و مناجات بہائی وظائف و دعوات، مقیم مقام توکل و تبتل، خداوند تسنیم و رضا، اہل قرب و رجا، تلقین القائی ربانی، لمقن اسماء سبحانی، مراقبِ دل، مطلع بر حاصل، خلیفہ ولیِ اکبر، قطبِ امجد و اطہر، سالک واصل، شیخِ کامل، رہنمائے مقاماتِ دینی، اعظم المشائخ خواجہ عزیز اللہ حضرتِ اعظم المشائخ مرشد الاتقیاء صاحبِ مقامات اہل یقین خواجہ عزیز اللہ محمد اصغر یوسف حسینی نور اللہ مرقدہٗ (ص ۲۲۴)

صاحبِ "نزہتہ الخواطر" نے آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں لکھا ہے۔

" الشیخ العالم الکبیر یوسف بن مُحمّد بن یوسف الحسینی الدھلوی ثم الگلبرگوی، المشھور بمحمد الاصغر. ولد بدار الملک دھلی و نشأبھا و قرأ العلم علی اشیاخ صنوہ الکبیر حسین بن محمد الحسینی واخذ الطریقۃ عن والدہ ولازمہ ھلازمۃ طویلۃ حتی نال رتبۃ الکمال.

وکان صاحب المقامات العلیۃ والکرامات الجلیۃ لم یزل یعتزل عن النّاس فی بلیتہ و یشتغل بالعبادۃ والا فادۃ ویحترز عن مجالسۃ الاغنیاء والامراء وکان لا یبرک فرساً ولا المحفۃ المدوّجۃ فی الھند التی تحملھا الرجال علی بواقعھم، وکان یذھب الی الجامع الکبیر

للصلوات راجلاً کما فی " مہرِ جہا نتاب ".

توفی لتسع یقین من محرم سنة ثمان وعشرین وثما نمائة وبگلبرگه،
قد فن بها" . جلد ۳ص۱۸۲)

حضرت مخدوم زادہ خرد دو برس، دو مہینہ اور چار دن حضرت خواجہؒ گیسودرازؒ کے سجادہ ولایت پر جلوہ فرما رہے۔ ۲۱ محرم الحرام ۸۲۸ ھجری کو آپ نے اس جہانِ فانی سے عالمِ باقی کو رحلت فرمائی۔ حضرت خواجہ صاحب کی پائنتی سپرد خاک کیے گئے۔

آپ کے فرزندانِ ارجمند میں سے حضرت شاہ یداللہ حسینیؒ (۸۵۲ھ) (خلیفۂ ارشد حضرت خواجہؒ گیسودرازؒ) اور حضرت شاہ من اللہ حسینیؒ" (۸۷۹ھ) (خلیفۂ راشد حضرت شاہ یداللہ حسینیؒ)" کے ذریعے آپ کا فیض جاری وساری ہے

آپ کی اولاد میں بڑے بڑے مشائخ گزرے ہیں۔

آپ کے بعد آپ کے فرزند اکبر حضرت سید شاہ یداللہ حسینیؒ نے سجادۂ ولایت پر اجلاس فرمایا۔سیر محمدی ص ۱۲۳

تاریخِ حبیبی ص ۶۲ ص ۱۱۶

تبصرة الخوارقات قاسمی ص ۱۴۷ قلمی

نزہتہ الخواطر ص ۱۸۲ ج ۳ تاریخ محمدیہ ص ۱۴۱، گلدستۂ کریم ص ۵۷ بحوالہ بیاض صدری

کنز الانساب ص ۲۷۵

سادات گیسودراز پنجاب ص ۲

حضرت خواجہ ابوالفیض شاہ من اللہ حسینی رحمۃ اللہ علیہ

من اللہ نام، ابوالفیض کنیت، امین الدین لقب احسن آباد گلبرگہ شریف میں ۸۱۱ھ میں ولادت باسعادت ہوئی۔ دادا بزرگوار حضرت سید محمد حسینی گیسودراز قدس سرہ نے من اللہ نام رکھا۔ مخدوم زادہ سید محمد اصغر حسینیؒ کے فرزندِ ارجمند اور شاہ ید اللہ حسینیؒ کے چھوٹے بھائی ہیں حضرت مخدوم گیسودرازؒ کی تربیت سے سرفراز ہوئے۔

گیارہ بارہ سال کے تھے کہ حضرت خواجہ صاحب سے لاڈلا نام "غلام" عطا ہوا۔

شوامل الجمل میں ہے۔

حضرت شاہ من اللہ (رحمۃ اللہ علیہ)

فرمودند؛ من در عہدِ بندگی مخدوم یازادہ سالہ
بودم گمان دوازدہم نیز میبودو عادت بندگی
مخدوم بود کہ ہریک نبیرگان رادوم نام می
گفت وہم بداں دوم نام میخواندند۔
چنانچہ حضرت میاں ید اللہ را "قبولا" ومیاں
سفیر اللہ را "انگورکھا" وہمچناں نبیرگانِ دیگر
را و نامِ من غلام بود۔ وقتی کہ پیش بندگی مخدوم می آمدم ہمیں نام دوم من می طلبیدند وگاہ گاہ می فرمودند۔ روزی کہ من تولد شدم عرقچین ملبوس خود داند (شوامل الجمل ص ۱۴)

خانقاہ گلبرگہ خواجہ گیسودرازؒ میں آپ نے علومِ ظاہری و باطنی حاصل کیے۔

حضرت خواجہ گیسودراز قدس سرہٗ کی وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک چودہ سال تھی۔

پھر اپنے والد ماجد مخدوم زادہ خرد سید محمد اصغر حسینی (۸۲۸ھ) سے بھی فیضیاب

ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد اپنے برادرِ بزرگ حضرت شاہ یداللہ حسینی سے فیوض و برکات حاصل کیے اور خلافت و اجازت سے سر فراز ہوئے۔ پھر انہی کے ارشاد پر بیدر تشریف لے گئے۔

سلطان علاء الدین بہمنی نے بَیدر میں پر جوش استقبال کیا چنانچہ بَیدر میں مسند رشد و ہدایت آراستہ کی۔ خلقِ کثیر ان سے فیضیاب ہُوئی۔ حضرت شاہ یداللہ حسینیؒ کے ملفوظات میں ہے؛ فرماتے ہیں؛ "شاہ من اللہ دامِ طلبہ شیوخت رواں می کند۔ زمانہ آخر شدہ است۔ پس ہیچ کس آں چناں بر نیاید"۔ (محبت نامہ)

حضرت خواجہ ابو الفیضؒ طالبانِ علمِ دین کے لیے خانقاہ شریف کے اوقات کو معمور رکھتے تھے۔

آپ اپنے وقت میں درجہ قطبیّت پر فائز تھے علماء فضلاء و مشائخ سے علم و عمل کی صحبتیں گرم رہتیں۔ سلطانِ وقت علاء الدین بہمنی کو آپ سے خاص عقیدت تھی شاہان بہمنی کی جانب سے جو بھی عرضداشت پیش ہوتی اس میں حضرت سے اس طرح خطاب ہوتا۔

"سیادت و نقابت دستگاہ، ہدایت و نجابت انتباہ، مرتضیٰ ممالکِ اسلام، مقتدائے طوائفِ انام، افتخارِ آلِ طٰہٰ و یٰسں، قدوۂ اولاد سیّد المرسلین، شمس الفلک اسیادۃ والعدادیۃ، اشرف العباد حضرت خواجہ امین الدین بندگی ابو الفیض سیّد شاہ من اللہ محمّد محمّد حسینی گیسودراز"۔ (تذکرۂ خواجہ الفیضؒ)

صاحب "نزہتہ الخواطر" نے آپ کا تذکرہ بلند الفاظ میں لکھا ہے؛

الشيخ الصالح ابو الفيض بن يوسف بن محمد بن يوسف الحسينى الدهلوى الشيخ من الله الگلبرگوى، احد الرجال المعروفين بالفضل و الصلاح. ولد ونشأ بگلبرگه و قرأ العلم على من بها من العلماء ثم لازم صنوه الشيخ يدالله الحسينى واخذ عنه وسافر بامره الى احمد

آباد بیدر، فاستقبله
علاء الدین شاہ البھمنی واعطاه اقطاها من الارض لخراجیة فسکن بها. اخذ عنه محمد بن یداللہ الحسینی وخلق آخرون.
مات فی سادس ربیع الاول سنة تسع وسبعین وثما نمائة احمدآباد بیدرِفی ایّام محمود شاہ البھمنی. کمافی" مهرجہا نتاب " جلد۳.ص۴
حضرت خواجہ ابو الفیض قدس سرّہ نے ٦ ربیع الاوّل ۸۷۹ھ کو بَیدر میں وفات پائی۔ مزار مبارک مرجعِ خلائق ہے۔
گنبد کی پیشانی پر یہ رُباعی مرقوم ہے

اولادِ شہنشاہِ حجاز آپ بھی ہیں
دیندار وں کے سرمایۂ ناز آپ بھی ہیں
ہے فیضِ ابو الفیض دکن میں جاری
دادا کی طرح بندہ نواز آپ بھی ہیں

آپ کی اولاد آپ کے سلسلۂ عالیہ کی حامل و وارث ہوئی جس کے ذریعے آپ کے فیوض و برکات عام ہوئے خلفائے کرام نے بھی سرزمینِ دکن کو مستنیر و مستفیض کیا۔
آپ کے چھ فرزند تھے۔
(۱) سیّد احمد حسینی
(۲) شاہ کلیم اللہ حسینی
(۳) شاہ محمد عرف شاہ کالے
(۴) شاہ سمیر اللہ
(۵) شاہ گدائی
(٦) شاہ کرامت اللہ

حضرت سیّد احمد حسینی غالبِ کرامات اور حضرت ابو الحسن کلیم اللہ حسینی سے آپ کا فیض جاری ہُوا۔

آپ نے ملفوظات کا ایک مجمُوعہ بھی یادگار چھوڑا "شوامل الجمل در شمائل الکمل" جو آپ کے علمِ باطنی کے علاوہ علمِ ظاہری کی بھی روشن دستاویز ہے۔ یہ مجموعہ آپ کے ایک فرزند سیّد ابو الحسن کلیم اللہ حسینی نے مُرتب کیا۔ ابتدا میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو نہایت بلند الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ (شمائمِ گیسودراز ص ۸۱)

شمائل الکمل کا ایک ہی نسخہ روضۂ شیخؒ گلبرگہ شریف میں ہے۔ اس کی ایک فوٹو کاپی مکرم و محترم جناب سجادہ نشین صاحب روضۂ بزرگ گلبرگہ شریف نے اس ناچیز کو ۱۹۷۵ء میں حیدر آباد دکن میں عنایت فرمائی۔ آج کل محبِ مخلص جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب زید محاسنہٗ اس کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو اسے لاہور سے شائع کرنے کا ارادہ ہے۔

سیر محمدی ص ۱۲۳

تاریخِ حبیبی، ص ۱۳۱

محبت نامہ ص ۳۸

شوامل الجمل در شمائل الکمل

تبصرہ الخوارقات ص ۱۷۱

تاریخِ محمدیؒ ص ۱۴۱

تذکرہ خواجہ ابو الفیضؒ ص ۱۷

سادات گیسودراز پنجاب ص ۲

حضرت سید احمد حسُینی رحمۃ اللہ علیہ

م ۸۷۹ھ

حضرت خواجہ ابو الفیض شاہ من اللہ حسُینی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر اور خواجہ گیسودراز قدس سرّہ کے پوتے تھے۔ والدِ بزرگوار اور اُن کی خانقاہ کے عُلماء کرام سے علومِ ظاہری حاصل کیے۔ تربیّتِ باطنی اپنے والدِ ماجد حضرت خواجہ ابو الفیضؒ سے پائی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہُوئے۔

حضرت شاہ یداللہ حسینیؒ کے وصالِ مبارک (۸۵۲ھ) کے بعد خواجہ ابو الفیضؒ نے سید احمد حسُینیؒ کو گلبرگہ شریف کی مسندِ ارشاد پر فائز فرمایا۔

مؤلف تذکرۂ خواجہ ابو الفیضؒ کا بیان ہے۔

حضرت شاہ یداللہ حسینی کے بعد خواجہ ابو الفیضؒ ایک مرتبہ اپنی بہن رضا خاتون کے ارشاد پر۔ (بیدر سے) گلبرگہ گئے اور چند روز بحیثیت سجّادہ نشین روضۂ خواجۂ بندہ نوازؒ کی خدمت کرتے رہے، مگر اہلِ بیدر اور سلطانِ وقت کے اصرار پر اپنے بیٹے سید احمد حسینی کو روضۂ بزرگ کی سجادگی تفویض کر کے بِیدر واپس تشریف لائے۔ (۲۰)

"شوامل الجمل در شمائل الکمل" (ملفوظات حضرت خواجۂ ابو الفیضؒ) میں چند ایک جگہ آپ کا ذکرِ خیر بڑی تکریم کے ساتھ آیا ہے جو آپ کے علوِ مرتبہ کی دلیل ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) بخدمتِ برادرم بزرگ میاں احمد سلمہ اللہ تعالیٰ را فرمودند کہ او را کنیت "ابو الفضل" کردم ولقب "رکن الدین" (ص ۱۲۵)

(۲) بروز سہ شنبہ ششم ماہ این ضعیف و بعضے عزیزان را برائے استقبال بخدمت برادرم میاں احمد فرستادہ بودند۔ از روضۂ حضرتِ بندگی مخدوم آمدہ ۔۔

نزدیک شہر (بیدر) فرود آمدہ بودند۔ بعد ادائے ظہر بخدمتِ شریف بر یکے پیوستند، ملاقات کردند۔ فرمودند روزے کہ تو یعنی برادرم میاں احمد از روضۂ بندگی بیرون آمدی، خواب می بینم گویا کہ بزیارتِ بندگی مخدوم رفتہ ام و روضہ خالی یافتہ ام، ہیچ کس نبود۔ دانستم کہ تو بیرون آمدی (ص ۳۴۳)

تذکرہ حضرت خواجہ ابوالفیضؒ کا بیان ہے۔

آپ روضۂ بزرگ گلبرگہ شریف کے تیسرے سجّادے ہیں۔ والد بزرگوار خواجہ ابو الفیض) کے انتقال کی خبر سُن کر آپ بیدر آئے اور اسی سال انتقال فرمائے۔ آپ کا مزار (خواجہ ابو الفیضؒ) گنبد شریف کے مشرق جانب (اندرون دروازۂ حصار) کے قریب ہے۔

اولاد؛

"تاریخ محمّدیہ" میں ہے

آپ کے تین فرزند تھے

اوّل سیّد محمد عُرف سُلطان صُوفی حسینیؒ

دوم سیّد شاہ حسین

سوم سیّد اللہ

تاریخ وفات سیّد احمد حسینی صاحبؒ ۸۷۹ھ ہے (ص ۱۴۵)

شوامل الجمل ص ۱۲۵ تبصرہ النوراقات (۱۷۱)

تاریخ محمدیہ ص ۱۴۵

سادات گیسودرازؒ ص ۲

شمائم سیّد محمد گیسودراز (ص ۲۲۶)

حضرت سید محمد صُوفی حسُینی رحمۃ اللہ علیہ

(م ۹۱۱ھ)

آپ سُلطان صُوفی کے نام سے بھی معروف ہیں حضرت سید احمد حسینی غالب کرامات کے خلف اکبر تھے اپنے دادا بزرگوار حضرت خواجہ ابوالفیض شاہ من اللہ حسینیؒ اور اپنے والد ماجد سیّد احمد حسینیؒ سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا۔ اور خلیفہ مجاز ہُوئے والد ماجد کے وصال کے بعد گلبرگہ شریف کی مسند ارشاد کو رونق بخشی۔ صاحب ارشاد بزرگ تھے۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ گیسودرازیہ صوفیہ

حضرت سید محمد حسُینی صُوفی کا شجرہَ طریقت حسب ذیل ہے قطب الاقطاب حضرت خواجہ صدرالدین ابوالفتح الولی الاکبر الصادق سید محمد حسُینی گیسودراز قدس سرہ

مقبول الحضرت سید شاہ یداللہ حسینیؒ گلبرگوی (۸۵۲ھ)

حضرت خواجہ ابوالفیض سید شاہ من اللہ حسُینیؒ بیدری (م ۸۷۹ھ)

حضرت خواجہ ابوالفضل رکن الدین سید احمد حسُینی غالب کرامات (۸۷۹ھ)

حضرت سلطان سید محمد صوفی گلبرگوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ)

تاریخِ محمدیہ ص ۱۴۶

گلدستہَ کریم ص ۵۷ بحوالہ بیاض صدری

شمائم سید محمد گیسودرازؒ (ص ۲۲۶)

کنزالانساب (ص ۲۷۵)

سادات گیسودرازپنجاب (ص ۲)

۹۱۱ھ میں وفات پائی احاطہ روضہَ بزرگ میں مدفون ہیں۔ آپ کا گنبد مبارک روضہَ بزرگ گلبرگہ شریف میں نزدیک دروازہ نوسیڑھی متصل آبدارخانہ موجود ہے۔

"تاریخِ محمدیہ" میں حضرت سید محمد صُوفی حسینی کی اولاد پانچ پُشتوں تک ایک کے بعد ایک ہی درج ہوتی گئی ہے ملاحظہ ہو؛

سید محمد صُوفی حُسینی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ)

سید محمد حُسینیؒ سیر سمندر (م ۹۴۱ھ)

سید شاہ من اللہ حسینیؒ

سید شاہ محمد حُسینیؒ بزرگ چوکی نشین (م ۹۸۱ھ)

سید علی حبیب اللہ حسینی (م ۱۰۲۱ھ)

سید محمد حبیبؒ ثانی کرسی نشین (م ۱۰۴۵ھ)

سید شاہ علی اَسَد اللہ حُسینیؒ (م ۱۰۸۱ھ)

سید قطب الدین قطبی حسینیؒ معاصر عالمگیر　　　سید شاہ محمود حسینیؒ

"تاریخِ محمدیہ" میں شاہ قطبی حسینیؒ کی اولاد تو آگے مسلسل لکھی ہے لیکن سید شاہ محمود حسینیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ فرزند ثانی کی اولاد کا کچھ پتہ نہیں ملا۔ (ص ۱۴۸)

"تاریخِ محمدیہ" میں اور بھی کئی بزرگوں کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی اَولاد معلوم نہیں ہو سکی۔

حضرت سید محمد صُوفی حُسینیؒ کے فرزند سید محمد سیر سمندر کے علاوہ دوسرے فرزند سید عبداللہ حسینیؒ بھی تھے جن کی اولاد میں "سادات گیسودراز پنجاب" ہیں۔ ملاحظہ ہو" بیاضِ مُحمد شاہی الموسوم بہ بیاضِ صدری" (تکمیل کتابت در ۱۲۲۵ھ)
دیکھئے "گلدستۂ کریم" ص ۵۷ (تالیف حضرت شاہ عبدالکریم)
نیز کنزالانساب (ص ۲۷۵)

سید عبداللہ حسینیؒ

حضرت سید محمد صوفی کے فرزندِ ارجمند آپ کے حالات معلوم نہیں ہو سکے آپ کے ایک فرزند شاہ اسداللہ حسینی تھے۔

۱۔ گلدستۂ کریم ص ۵۷ بحوالہ بیاض صدری
۲۔ کنزالانساب ص ۲۷۵
۳۔ سادات گیسودراز پنجاب ص ۲
۴۔ شمائم سید محمد گیسودراز (ص ۲۲۶)

حضرت سید شاہ اسداللہ حسینیؒ

حضرت سید عبداللہ حسینی کے فرزند ارجمند آپ کے ایک فرزند سید شاہ حفیظ اللہ حسینی تھے۔ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

۱۔ گلدستۂ کریم ص ۵۷ بحوالہ بیاض صدری
۲۔ کنزالانساب ص ۲۷۵
۳۔ سادات گیسودراز پنجاب ص ۲
۴۔ شمائم سید محمد گیسودراز (ص ۲۲۶)

حضرت شاہ حفیظ اللہ حسینیؒ

واردِ پنجاب در ۱۱۳۴ ھ

راقمِ سطور کے پردادا بزرگوار حضرت سید محمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی "بیاضِ صدری" (تالیف ۱۲۲۵ ھ) کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ پنجاب میں سادات گیسودراز کے مُورثِ اعلیٰ سید السادات حضرت شاہ حفیظ اللہ حُسینی گلبرگوی قدس سرہ،ہیں آپ محمد شاہ رنگیلے کے عہد (۱۱۳۱ تا ۱۱۶۱ ھ، ۱۷۱۹ تا ۱۷۴۸ء) میں دکن سے تشریف لائے۔ اور واردِ پنجاب ہُوئے سیالکوٹ شہر کے نواح کو اپنا مُستقر بنایا۔

آپ کا سلسلۂ نسب اور سلسلۂ طریقت حسبِ ذیل ہے۔

قطب الاقطاب خواجہ صدر الدین ابو الفتح الولی الاکبر الصادق سید محمد حسینی گیسُودراز قدس سرہ۔

حضرت مخدوم زادۂ خرد سید یوسُف المعروف بہ محمد اصغر حسینی قدس سرہ

حضرت خواجہ ابو الفیض امین الدین سید شاہ من اللہ حسینی قدس سرہ

حضرت خواجہ ابو الفیض رُکن الدین سید احمد حسینی قدس سرہ

حضرت سُلطان سید محمد صُوفی حسینی قدس سرہ

حضرت شاہ عبداللہ حُسینی قدس سرہ

حضرت سید شاہ اَسد اللہ حسینی قدس سرہ

حضرت سید شاہ حفیظ اللہ حُسینی قدس سرہ

چند ایک شواھد سے معلوم ہوتا ہے کہ سادات گیسُودرازؒ کی بعض شاخیں اس سے پہلے بھی شمالی ہند میں آباد ہو چکی تھیں۔ بعض رجالِ مغلیہ فوج کے ساتھ بصیغۂ ملازمت دہلی

اور پشاور تک بھی پہنچے۔
مؤلف تاریخِ محمدیہ نے بحوالہ شجرۂ انساب تحریر کیا ہے کہ "سید شاہ فتح محمد حسینی بن شاہ ید اللہ (از اولاد خواجہ گیسودرازؒ) شہرِ دہلی کو جا کر شاہجہان بادشاہ کی ملازمت اختیار کر کے دہلی ہی میں قیام پذیر تھے۔"
شاہ فتح محمد حسینی کا ذکر مآثر عالمگیری" میں بھی آیا ہے اورنگ زیب عالمگیر مرحوم سے ملاقات بھی ہوئی ہے۔ دوسری مثال بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ بن شاہ حسن پشاوری ثم لاہوریؒ اپنے رسالہ "غوثیہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

" ودیگر عزیزی میر سیّد یداللّٰه از اولاد حضرت سیّد محمّد گیسودرازؒ، متوطن شاہجہان آباد که بطریق نوکری و منصب داری با بهادر شاه اورنگ زیب عالمگیر (ا بن شاه) در پشاور رسیده بودند، در علم تصوّف و حقائق و معارف خیلے مهارتِ تام داشتند. چنانچه فصوص الحکم و فتوحات کلّی و دیگر کتب تصوّف حِفظ و نصب العین داشتند.

فقیر راہم اتفاق ملاقات ایں عزیزاں اکثر شد........فصوص الحکم که دراں ایام مطالعۂ آں می کردِم. اگر اشکالے بخاطر می رسید نزد ایں عزیزاں گفته می شد. ایشاں بیان شافی می کرنند".

ایک تیسری مثال میر ابو الحسن بن میر عبد اللہؒ کی ہے۔ تذکرہ شعرائے اردو" میں میر حسن دہلوی نے ان کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

" میر ابو الحسن ولد میر عبداللّٰه از اولاد بنده نواز گیسودرازؒ . چوں قبله گاه ایں فقیر از نبیسه ہائے بنده نواز اند. بنا بریں یک رشته داریٔ ماہم باوے است. مولد شهرِ کهنه که در شاہجہان آباد مشهور

است، درمحله لا پلنگ از فیض صحبتِ خانِ عالیشان جانِ عالم خان صاحب گاه گاہے شعرے و بَیتے موزوں می نماید. حق تعالی سلامت دارد.

ساداتِ گیُسودراز صُوفیہ کی ایک شاخ اورنگ آباد میں بھی آباد ہے مذکورہ بالا شخصیات کا تاریخ محمدیہ میں کہیں ذکر نہیں یہاں تک کہ اورنگ آبادی شاخ کا بھی اندراج نہیں۔

ان مثالوں سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سادات گیُسودرازؒ اپنے اپنے حالات کے تحت گلبرگہ شریف سے نکل کر دوسرے علاقوں میں آباد ہوتے رہے۔ حضرت شاہ حفیظ اللہ حسینیؒ نے بھی اپنے حالات کے تحت ہی وطن چھوڑا اور پھر واردِ پنجاب ہُوئے اور یہاں کی اقامت اختیار کرلی۔ آپ کی اولاد چند پشتوں تک نسل کملا (نزد پسرور ضلع سیالکوٹ) میں آباد رہی۔ آپ کے ایک فرزند سید شاہ گُل محمد حسینی کا پتہ چلتا ہے۔

مآثر عالمگیری

بیاضِ نفیس بحوالہ رسالہ غوثیہ ص ۲۳۷

تذکرہ شعرائے اردو ص ۵۸

تاریخِ محمدیہ ص ۱۲۳ گلدستۂ کریم ۵۷ بحوالہ بیاضِ صدری

شمائم سید محمد گیُسودراز ص ۲۲۶ ساداتِ گیُسودراز پنجاب ص ۲

حضرت سید گل محمدؒ حسُینی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید شاہ حفیظ اللہ حسُینی گلبر گوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند۔ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ آپ کے ایک فرزند سید عبد الکریم حسینیؒ تھے۔

۱۔ گلدستۂ کریم ص ۵۷ بحوالہ بیاض صدری
۲۔ کنز الانساب ص ۵۷۲
۳۔ سادات گیسودراز پنجاب ص ۲
۴۔ شمائم سید محمد گیسودراز (ص ۲۲۶)

حاجیٔ حرمین شریفین
حضرۃ سید شاہ عبدالکریم حسینی رحمۃ اللہ علیہ

موجود در ۱۱۶۴ھ

زبدۂ سادات گیسودراز پنجاب حضرت شاہ حفیظ اللہ حسینی گلبرگویؒ کے پوتے اور حضرت سید گل محمد حسینیؒ کے فرزند ارجمند۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ گیسودرازیہ صوفیہ کے شیخ کامل۔ آپ کا سلسلۂ نسب اور سلسلۂ طریقت حسب ذیل ہے۔

قطب الاقطاب خواجہ صدر الدین ابو الفتح الولی الاکبر الصادق سید محمد حسینی گیسودراز قدس سرہ،

حضرت مخدوم زادۂ خرد سید یوسف المعروف بہ محمد اصغر حسینی قدس سرہ،

حضرت خواجہ ابوالفیض امین الدین سید شاہ من اللہ حسینی قدس سرہ،

حضرت خواجہ ابوالفضل رکن الدین سید احمد حسینی قدس سرہ،

حضرت سلطان سید محمد صوفی حسینی قدس سرہ،

حضرت شاہ عبداللہ حسینی قدس سرہ،

حضرت سید شاہ اسد اللہ حسینی قدس سرہ،

حضرت سید شاہ حفیظ اللہ حسینی قدس سرہ،

حضرت شاہ گل محمد حسینی قدس سرہ،

حضرت حاجی سید شاہ عبدالکریم حسینی مہاجر مکی قدس سرہ،

آپ عالمِ باعمل، عارف ربّانی اور مقبول بارگاہِ خداوندی تھے۔ موضع ننگل کھملا (متصل بن باجوہ، تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ) میں آپ کی بود وباش تھی۔ صاحبِ "بیاضِ صدری" نے آپ کو "حاجی حرمین شریفین لکھا ہے خاندانی روایت ہے کہ آپ حرمین شریفین میں سات آٹھ برس درس وتدریس میں مشغول رہے۔ جب آپ نے وہاں سے واپسی کے لئے رختِ سفر باندھا، تو ایک سوداگر نے جو آپ کا شاگردِ رشید تھا، ایک غلام اور بہت سا مال آپ کی نذر کیا۔

ابھی ایک ہی منزل سفر کیا تھا کہ غلام کی نیت میں فتور آگیا۔ اس نے مال لوٹنا چاہا۔ اس غرض سے اس نے حضرت کو پتھر مار کر زخمی کر دیا۔ اور مال لوٹ کر فرار ہو گیا۔ پتھر آپ کے گھٹنے پر لگا جس کا اثر رفتار میں عمر بھر رہا۔

آپ وہیں سے واپس ہُوئے اور سوداگر کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ اس نے بہت افسوس کیا اور غلام کو تلاش کرا کے سخت سزا دی۔

تندرست ہونے کے بعد آپ وطن تشریف لے آئے۔ یہاں ننگل کھملا میں ایک سال ٹھہرنے کے بعد دوبارہ آپ نے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس مرتبہ آپ اہل وعیال سمیت تشریف لے گئے۔ اور مستقل وہیں سکونت اختیار کرلی۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ ساداتِ گیسودراز کی یہ شاخ حرمین شریفین میں بھی پھولی پھلی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت شاہ عبدالکریمؒ کے آثارِ مبارک میں سے ایک خاتم اب تک خاندان میں چلی آرہی ہے جس کا سجع یہ ہے۔

"عبدالکریم بنگر بہ نسیم گلِ محمد"

اس پر ۱۱۶۴ ہجری مرقوم ہے۔

ہمارے بعض خاندانی شجروں پر یہ مہر ثبت ہے۔ ایک شجرہ میرے پاس بھی ہے جس پر یہ نقش خاتم موجود ہے۔ یہ خاتم راقمِ سطور کے نانا بزرگوار مولانا سید عبدالغنی شاہ صاحب قادری نقشبندیؒ (م ۱۳۵۹ھ، ۱۹۴۰ء) کے پاس موجود تھی۔

نقشِ خاتم کے مطابق حضرت شاہ عبدالکریم حسینیؒ (۱۱۶۴ھ، ۱۷۵۱ء) میں زندہ تھے۔

آپ کے ایک فرزند شاہ محمد صلح تھے جو ننگل کملاہی میں مقیم رہے۔

گلدستۂ کریم ص ۵۷ بحوالہ بیاضِ صدری

کنز الانساب ص ۲۷۵

ساداتِ گیسودراز پنجاب ص ۳ شمائم سید محمد گیسودراز ص ۲۱۱

حضرت سید محمدؐ صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بارھویں صدی ہجری

حاجی حرمین شریفین حضرت سید عبدالکریم مہاجر مکی کے فرزند ارجمند، سادات گیسودراز کے فردِ فرید۔

عوام میں آپ "صالحوں شاہ" مشہور ہیں۔ عارف ربانی اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ننگل کھملا کی مغربی مسجد غالباً آپ ہی نے تعمیر کی تھی۔ اسی میں مشغول بحق رہتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں ایک وسیع و عریض رقبۂ زمین آپ کی ملکیت میں تھا۔ جو آج بھی "صالحوں شاہ دی واسی" کے نام سے مشہور ہے۔ فقر و درویشی کا رنگ آپ پر ایسا غالب آیا کہ سب رقبہ خیرات کر دیا۔ شاہ صاحب کی بزرگی کے قصے لوگ بیان کرتے ہیں۔ آپ سے کرامات کا صدور بہت ہُوا۔

تخمیناً آپ نے بارھویں صدی ہجری کے آخر یا تیرھویں صدی ہجری کے آغاز میں وفات پائی۔

آپ کی وفات مبارک کا واقعہ خرق عادت کے طور پر پیش آیا۔

قبرِ مبارک موضع کرنگالی کے قبرستان میں ہے، جو ننگل کھملا سے شمال مغرب میں چند فرلانگ کے فاصلے پر ہے آپ کے ایک فرزند سید محمد سلیم شاہ صاحبؒ تھے۔

گلدستۂ کریم بحوالہ ص ۵۷ بیاضِ صدری

ساداتِ گیسودراز پنجاب ص ۴

شمائم سید محمد گیسودراز ص ۲۱۷

کنز الانساب ص ۲۷۵

حضرت سید مُحمّدؐ سلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید محمد صالح شاہ صاحبؒ کے فرزند ارجمند

خاندانی روایات کے حامل واہین موضع ننگل کھُلامیں آپ کی بُودوباش تھی وہیں آپ اپنی خاندانی مسجد کے باہر آسودہ خاک ہیں۔

آپ کے دو فرزند تھے جن سے ساداتِ گیُسودراز کا سلسلہ زیادہ تر پنجاب میں پھیلا ہُوا ہے۔

(۱) سید محمد بخش المعروف بہ محمد شاہ (۲) سید غلام محمد شاہ

سید شاہدین

گلدستہ کریم بحوالہ ص ۵۷ (بیاضِ صدری)

شمائم سید محمد گیُسودراز ص ۲۱۷

ساداتِ گیُسودراز پنجاب ص ۵

کنز الانساب ص ۲۷۵

حضرت سید محمدؒ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

موجود: ۲۴ رمضان المبارک ۱۲۶۹ھ

۲ جولائی ۱۸۵۳ء

ساداتِ گیسودرازؒ کے گُلِ سر سبد، سید محمد سلیم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند۔

آپ ایک کامل ولی، متوکّل درویش اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ موضع ننگل کھلا میں پیدا ہُوئے، لیکن عُمرِ شریف کا خاصہ حِصّہ موضع آلمڑا (ضلع سیالکوٹ) میں بسر ہُوا۔ آپ کا سلسلۂ نسب اور سِلسلۂ طریقت حسب ذیل ہے۔

قطب الاقطاب خواجہ صدر الدین ابوالفتح الولی الاکبر الصادق سید محمد حسینی گیسُودراز قدس سرہ،

حضرت مخدوم زادہ خرد سید یوسُف المعروف بہ محمد اصغر حسُینی قدس سرہ،

حضرت خواجہ ابوالفیض امین الدین سید شاہ منُ اللہ حسُینی قدس سرہ،

حضرت خواجہ ابوالفضل رکن الدین سید احمد حسُینی قدس سرہ،

حضرت سُلطان سید محمد صوفی حسُینی قدس سرہ،

حضرت شاہ عبداللہ حسُینی قدس سرہ،

حضرت سید شاہ اسد اللہ حسُینی قدس سرہ،

حضرت سید شاہ حفیظ اللہ حسُینی قدس سرہ،

حضرت سید شاہ گل محمد حسُینی قدس سرہ،

حضرت حاجی سید شاہ عبدالکریم حسُینی مہاجر مکی قدس سرہ،
حضرت سید شاہ محمد صالح حسُینی قدس سرہ،
حضرت سید شاہ محمد سلیم حسُینی قدس سرہ،
حضرت سید محمد شاہ حسُینی قدس سرہ،

آپ کا اکثر زمانہ سکھ گردی سے پُر آشوب رہا۔ رنجیت سنگھ (۱۸۳۹ء تا ۱۸۹۹ء) اور اس کے جانشین سکھ حکمرانوں کا دَور آپ نے دیکھا۔ سیالکوٹ اور اس کے اطراف میں سکھوں نے لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ ہر طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ پورے پنجاب میں بدامنی کا دور دورہ تھا۔ سکھ لیٹرے مسلمانوں پر بے پناہ وحشیانہ مظالم ڈھاتے تھے۔ گھروں کو لوٹ کر آگ لگا دیتے تھے۔ اکثر دیہات اور قصبے انہوں نے ویران و برباد کر دیے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا زمانہ برصغیر کی تاریخ میں نہایت درجہ اہمیت کا حامل ہے۔ آپ ہی کے زمانے میں امام دوران مجدد وقت حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جماعتِ مجاہدین کے سکھوں کے ساتھ معرکے ہُوئے جن میں غازیانِ اسلام نے سکھوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ لیکن ۲۶ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ / ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو جنگِ بالاکوٹ میں سکھوں کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ حضرت سید صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیلؒ اور ان کی مقدس جماعت کی کثیر تعداد میدانِ جنگ میں شہادت سے سرخرو ہوئی۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ راہی ملکِ عدم ہوا اس کے بعد اس کے جانشین صرف دس برس حکومت کر سکے۔ ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔

۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے خلاف علم حریت بلند ہوا۔ ہندوستان کے متعدد بڑے شہروں میں شورش برپا ہوئی۔

حضرت شاہ صاحب نہایت کامل وحاذق طبیب بھی تھے۔ دوا اور دعا دونوں سے مخلوق خدا کو مستفیض فرماتے تھے۔ راقم سطور کے نانا بزرگوار حضرت مولانا سید محمد عبدالغنی شاہ صاحب کے پاس آپ کے دست مبارک کی لکھی ہوئی کتابیں موجود تھیں، جن میں اکثر طب کے موضوع پر تھیں۔ افسوس کہ یہ نادر قلمی کتابیں اب ناقدری اخلاف کے باعث ضائع ہوچکی ہیں۔ اب کچھ پریشان اوراق ہی باقی رہ گئے ہیں جن میں سے چند ایک راقم سطور کے پاس بھی موجود ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی "بیاضِ محمد شاہی" جو "بیاضِ صدری" کے نام سے موسوم ہے، خاص طور پر قابلِ ذکر ہے اس میں زیادہ تر تعویذات، طبی نسخہ جات وغیرہ ہیں۔ اس بیاض میں آپ نے اپنا شجرہ نسب بھی تحریر فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو راقم سطور کی تالیف "شمائم سید محمد گیسودراز" (ص ۳۰۱) اس بیاض کی تاریخ اختتام ۲ جمادی الثانی ۱۲۲۵ ہجری بروز منگل لکھی ہے۔ ایک دستاویز کے مطابق آپ مورخہ ۲ جولائی ۱۸۵۳ء (۲۴ رمضان المبارک ۱۲۶۹ھ) کو زندہ تھے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد وفات پائی۔ اپنی تعمیر کردہ مسجد کی مشرقی جانب درختوں کے نیچے آسودہ خاک ہوئے۔ آج کل قبر مبارک صحنِ مسجد میں ہے اور ابتدا سے کچی ہی چلی آرہی ہے۔

آپ کے چھ صاحبزادے تھے۔ سید رحم شاہ، سید احمد شاہ اور سید کرم شاہ صاحبان (زوجہ اول سے تھے) اس زوجہ اول کی وفات کے بعد آپ نے دوسری شادی کی۔ زوجہ ثانی سے سید نواب شاہ، سید ملک شاہ اور سید بڈھن شاہ پیدا ہوئے۔ سید بڈھن شاہ ابھی گودوں پرورش پارہے تھے کہ حضرت شاہ صاحب نے اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی آخر الذکر تینوں بچے اپنی والدہ محترمہ کے ہمراہ گھوڑیالہ چلے گئے اور وہیں پروان چڑھے۔

جوان ہوئے

سید نواب شاہ، سید ملک شاہ اور سید بڈھن شاہ صاحبان گھوڑیالہ ہی میں مقیم رہے اور زھد و توکل کی زندگی گزار کر عالمِ پیری میں فوت ہوئے۔ ان کے مزارات گھوڑیالہ غربی میں چاہ وڑائچاں والا کے قریب چھوٹے سے ایک خاص قبرستان میں ہیں۔ چاہ وڑائچاں والا، گاؤں کے جنوب مشرق میں تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے۔

سید رحم شاہ، سید احمد شاہ اور سید کرم شاہ صاحبان کے مزارات قبرستان شاہ تاجا ولیؒ موضع الکڑہ میں واقع ہیں

وفیات

(۱) سید رحم شاہ صاحبؒ : المتوفی تخمیناً ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء بمقام الکڑہ، عمر ساٹھ برس سے متجاوز تھی

(۲) سید احمد شاہ صاحبؒ : المتوفی ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ ۲۰ دسمبر (۱۹۱۰ء) بمقام الکڑہ بروز منگل، بکبرسنی میں وفات پائی۔

(۳) سید کرم شاہ صاحبؒ : المتوفی یکم محرم الحرام ۱۳۱۹ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۰۱ء بروز یک شنبہ بوقت اشراق بمقام الکڑہ، عمر ساٹھ برس سے اُوپر تھی۔

(۴) سید نواب شاہ صاحبؒ : المتوفی ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ مطابق ۲۹ فروری ۱۹۰۴ء بوقت عصر بمقام گھوڑیالہ، بچاس برس کی عمر میں رحلت کی۔

(۵) سید ملک شاہ صاحبؒ : شعبان ۱۳۴۸ھ مطابق جنوری ۱۹۳۰ء بمقام گھوڑیالہ شرقی۔ عمر کم و بیش پچھتر برس تھی۔

(۶) سید بڈھن شاہ صاحبؒ : ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء بروز اتوار بوقت طلوعِ فجر، بمقام گھوڑیالہ غربی، عمر پچپن برس سے کچھ اوپر تھی۔

سیرۃ سید احمد شہید: تالیف ابوالحسن علی ندوی

تاریخ سیالکوٹ: عبدالصمد ۱۱۳۴ھ   کنز الانساب ص ۲۷۵

سوانح مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ (مشاہیر سیالکوٹ): محمد دین فوق ص ۱۲۶

شمائم سید محمد گیسودرازؒ: ص ۲۱۵ سادات گیسودرازؒ پنجاب ص ۵

حضرت سید بڈھن شاہ بن سید محمدؒ شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(م ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء)

حضرت سید محمد شاہ صاحب کے فرزند ششم، زوجہ ثانی کے بطن سے اکھڑ میں پیدا ہوئے، سب سے چھوٹے تھے۔ ابھی ماں کی گود ہی میں تھے کہ والدِ بزرگوار کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ والد ماجدہ اپنے ساتھ گھوڑیالہ لے گئیں۔ مولانا سلطان احمد گھوڑیالوی مرحوم کے زیر سایہ آپ نے نشوونما پائی۔ تعلیم و تربیت بھی حاصل کی۔ کھیتی باڑی کا کام بھی کرتے تھے۔ آپ نہایت نیک سیرت اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے۔ بڑے ذوق و شوق سے نماز ادا کرتے۔ جہیر الصوت تھے، اکثر اوقات مسجد غربی میں اذان آپ خود ہی دیا کرتے تھے امامت بھی آپ ہی انجام دیتے۔ صوم و صلوٰۃ کے نہایت درجہ پابند تھے۔ ابتدا میں ایک عرصہ تک گاؤں سے باہر اپنے قطعہ اراضی میں ایک جھونپڑا ڈال رکھا تھا، اسی میں بود و باش تھی۔ بعد میں گاؤں کے اندر ایک کچا مکان بنالیا۔ یہ مکان اس راستے پر واقع تھا جو سڑک سے اُتر کر گاؤں کی شمالی سمت سے گزرتا ہے۔ دادا بزرگوار کے بعد والد صاحب بھی اسی مکان میں رہتے تھے۔ راقم سطور کی ولادت بھی یہیں ہوئی۔ یہ مکان بالکل ہی کچا تھا۔ پکی اینٹ نام کو نہ تھی۔ گارے سے بنا ہوا تھا۔ آپ کی طبیعت میں تکلف ہرگز نہ تھا، جو روکھا پھیکا میسر آتا اُسی پر قناعت فرماتے۔ صابر و شاکر تھے۔

شمائل و خصائل: بروایت حکیم سید نیک عالم شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ

وجیہ و شکیل، چہرہ مبارک سے سادات گیسو دراز کا روایتی حُسنِ ملیح جھلکتا تھا۔ بلند قامت، متناسب الاعضاء قوی البدن، جوانی میں آپ کی شہزوری مسلّم تھی۔ سفید کھدر کا دیسی وضع کا کرتا اور تہ بند زیب تن فرماتے۔ جنھیں خود ہی دھو لیا کرتے، دیسی ساخت کا جوتا پہنتے۔ سر کے بال پٹے دار۔ آخر زمانہ میں داڑھی کو مہندی لگاتے۔ سر پر

سفید دستار، اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز، خلیق و حلیم، شریف النفس، خوش طبع، باوقار، گاؤں میں ہر دلعزیز۔ ہر ایک سے محبت اور مروّت سے پیش آتے۔ اپنے مرحوم بھائی سید نواب شاہ صاحبؒ کی اولاد کو اپنی اولاد تصوّر فرماتے، سید نیک عالم شاہ صاحبؒ ہمارے سامنے جب بھی اپنے شفیق چچا کی شفقتوں کا ذکر خیر کرتے تو اشکبار ہو جاتے۔

آلمڑ والے بھائیوں میں صرف سید احمد صاحبؒ سے آپ کی ملاقات ہو سکی۔ حکیم سید مظفر علی زیدی کی شادی کے موقع پر آپ پہلی مرتبہ آلمڑ تشریف لے گئے، حکیم سید مُحمّد عالم شاہ صاحبؒ بھی ہمراہ تھے۔ اُس وقت وہاں والے تینوں بھائیوں میں صرف سید احمد شاہ صاحبؒ ہی زندہ تھے۔ عمر بھر کے بچھڑے ہوئے بھائی خوب بغلگیر ہو کر ملے بے اختیار اشکبار ہو گئے۔ آپ اور آپ کے برادران بزرگ سید نواب شاہ اور سید ملک شاہؒ صاحبان عمر بھر گھوڑیالہ ہی میں مقیم رہے اور زہد و توکل کی زندگی گزار کر عالم پیری میں فوت ہوئے۔ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ/۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو بوقت طلوع سحر بروز ہفتہ بعارضہٗ طاعون اس جہان فانی سے رحلت فرمائی اس وباء میں گاؤں کے وفات پانے والوں میں آپ آخری فرد تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے طاعون کی بیماری سے مرنے والوں کو شہادت کی بشارت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔

راقم سطور نے چند تاریخیں لکھی ہیں

مخدوم، شاہ بُدّھن ہاتف پس از وصالش
بہ نفیس گفت حالش ہم سال انتقالش

"چہ شہادتِ خدا داد"
۱۳۳۲ھ

بندہ خدا ترس ۱۳۳۲ھ

فبشرہ بمغفرہ ۱۹۱۴ء

اولاد میں میرے والد ماجد خطاط القرآن سید مُحمّد اشرف علی اور سید مُحمّد صادق قابلِ ذکر ہیں۔

خطاط القرآن سید محمد اشرف علیؒ

م ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء

سید محمد اشرف علیؒ بن سید بڈھن شاہ رحمہما اللہ تعالیٰ بن سید محمد شاہؒ ساداتِ گیسودراز کے چشم و چراغ۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں بمقام گھوڑیالہ پیدا ہوئے۔ ابھی سات سال ہی کے تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ صابرہ و شاکرہ والدہ نے بفضلِ تعالیٰ آپ کی پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم "مدرسۃ القرآن" محلہ خراسیاں سیالکوٹ میں پائی۔ سنِ شعور کو پہنچے تو اپنے برادرِ عم زاد استاذ الخطاطین رئیس الحکماء حکیم سید محمد عالم شاہ صاحبؒ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ خداداد استعداد سے بہت جلد ترقی کی۔ حکیم صاحب کے برادرِ صغیر جناب سید نیک عالم شاہ صاحبؒ سے بھی خاطر خواہ استفادہ کیا۔ دونوں اساتذہ خط نسخ و نستعلیق کے ماہر خطاط تھے۔

والد صاحب نے گھوڑیالہ میں مشقِ خط کی۔ ملتان میں کتابت کا آغاز کیا پھر گھوڑیالہ، سیالکوٹ اور لاہور میں دادِ فن دیتے رہے۔ آپ کے دونوں اساتذہ باکمال تھے۔ ان کی خطاطی کا شہرہ دُور دُور تھا۔ لاہور کے علاوہ دہلی اور کانپور تک سے کام آتا تھا۔ والد صاحب

بھی ایک عرصہ تک کانپور کے مطابع کا کام کرتے رہے چنانچہ اپنا پہلا قرآن مجید بھی مطبع سعیدی کانپور کے لیے لکھا۔ جو ۳۳-۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔کانپور کے دیگر مطابع مجیدی اور قیومی وغیرہ کا کام بھی کرتے رہے۔مالک مطبع قیومی کے خطوط بچپن میں میری نظر سے گزرے ہیں۔

۱۹۳۰ء میں آپ کی شادی اپنے برادرِ عم زاد زبدۃ الاولیاء سیّد السادات حضرت سیّد مُحمّد عبدالغنی شاہ صاحبؒ قادری نقشبندی (م ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء) کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سے ہوئی۔ جو ناچیز راقم سطور کی والدہ تھیں۔

۱۹۴۲ء میں راقم سطور نے جناب والد صاحب کو قرآن مجید آرٹ پیپر پر سیاہ روشنائی سے تحریر فرماتے دیکھا۔ قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) سے پہلے یہی قرآن مجید زیرِ کتابت تھا۔ جو لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں اختتام پذیر ہوا۔ لائل پور کا زمانہ قیام ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۸ء تک ہے۔ یہ عرصہ بیشتر قرآن پاک کی خطاطی ہی میں گزرا۔ والد صاحب نے یہاں لطیف برادرز کے فتح مُحمّد ٹرسٹ کے لیے قرآن مجید تحریر فرمایا۔راقم سطور کی تحقیق کے مطابق لائل پور کی تاریخ میں یہ پہلا قرآن پاک ہے جو اس شہر میں ارقام پذیر ہوا۔

اس کے بعد آپ مسلسل قرآن پاک کی کتابت میں مشغول رہے۔ زیادہ تر لاہور کے بعض اشاعتی اداروں کے لیے تحریر فرماتے۔

ستمبر ۱۹۶۸ء میں آپ مستقل طور پر لاہور منتقل ہوگئے لاہور میں بھی حسبِ معمول قرآن پاک کی خطاطی کا سلسلہ جاری رہا۔ آخری چند سالوں میں نزول الماء کی وجہ سے کتابت کا کام موقوف ہوگیا۔ معالجہ کے باوجود خطاطی کا تسلسل قائم نہ رہ سکا۔ جس کی

انھیں حسرت ہی رہی۔ آخر زمانہ میں مختلف عوارض نے غلبہ کر لیا اور آپ بیمار رہنے لگے۔ وفات سے اڑھائی ماہ پیشتر راقم سطور آپ کو اپنے پاس نفیس منزل (کریم پارک) میں لے آیا۔ معالجے کی حتی المقدور کوشش کی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ مدتِ عمر پوری ہو چکی تھی۔ چنانچہ ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۵ء کو غروبِ آفتاب سے کچھ دیر پہلے قلب ذاکر و شاغل کے ساتھ اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ راقم سطور نے عالم نزع میں ذکرِ قلبی کا ایسا مظاہرہ اپنی زندگی بھر نہیں دیکھا۔ راقم سطور نے آیت مبارکہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ سے سال وفات ۱۴۱۶ ہجری نکالا۔

شمائل و خصائل

بلند قامت و وجیہ، چہرہ بارعب، ستواں ناک قوی البدن۔ متناسب اعضاء۔ ہاتھوں کی انگلیاں نرم لوچدار مزاج میں جمال و جلال دونوں کیفیتیں موجزن۔ سر پر کلاہ دار دستار۔ آخر زمانہ میں سفید رائپوری ٹوپی۔ قبضہ بھر سفید داڑھی لباس دیسی وضع و قطع کا کرتا اور شلوار۔ کبھی کبھی تہبند بھی استعمال فرماتے۔ رفتار میں قدم مضبوط اٹھاتے اپنے والدِ ماجد سید بڈھن شاہؒ صاحب کی طرح نہایت قوی اور شہ زور تھے۔ بہادری اور شجاعت آپ کو ورثے میں ملی تھی

عالم شباب میں کبڈی آپ کا پسندیدہ کھیل تھا۔ بڑے بڑے گرانڈیل جوانوں کو آپ نے میدان میں پچھاڑا۔ عموماً سکھوں کے ساتھ آپ کے مقابلے رہتے تھے اور وہ آپ کی بہادری اور برتری کا لوہا مانتے تھے۔ راقم سطور نے خود اپنے کانوں ان سے آپ کی تعریف و تحسین سنی۔ لیکن یہ سلسلہ جوانی ہی میں ۱۹۴۳ء سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ راقم سطور نے آپ کو کھیلتے ہوئے نہیں دیکھا۔

والد صاحب کے دونوں اساتذہ حکیم سید مُحمد عالم شاہ صاحب اور حکیم سید نیک عالم شاہ مرحوم آپ کے فنِ خطاطی کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ الماس رقم مرحوم آپ کی قرآنی خطاطی کو جملہ کاتبانِ قرآن پر ترجیح دیتے تھے۔ خطِ نستعلیق خفی کے بھی وہ بیحد قائل تھے تقسیم ملک سے پیشتر لاہور کے تقریباً دس ناشروں نے ''پبلیشرز یونائیٹڈ'' کے نام سے متحدہ ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے نے قرآن مجید شائع کرنے کا فیصلہ کیا قرآن پاک کی خطاطی کے لیے پنجاب کے عُمدہ خوشنویسوں سے نمونے طلب کیے گئے والد صاحب کا نمونہَ خط الماس رقم مرحوم نے تحت اللفظ اردو ترجمہ لکھ کر پیش کیا قرآنی خطاطی اور اردو ترجمہ کی کتابت دونوں سبقت لے گئے۔ اس قرآن پاک کی کتابت ۱۹۴۲ء سے پیشتر گھوڑیالہ میں شروع ہوئی۔ اور تقسیم ملک کے بعد لائل پور (جو اب فیصل آباد ہے) میں اختتام پذیر ہوئی۔ راقم سطور ابتدا سے انتہا تک مشاہدہ کرتا رہا۔ ۵۳-۱۹۵۲ء میں منشی تاج الدین زریں رقم نے عزیز المطابع بہاولپور کے قرآن پاک کی کتابت کے لیے آپ کا نام پیش کیا۔ یہ قرآن پاک بڑے سائز میں سرائیکی ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا۔ کتابت لیتھو تھی ابتدائی پارے والد صاحب نے اور باقی حکیم سید نیک عالم شاہ صاحب نے تحریر کیے۔

اردو بازار لاہور کی ایک فرم ''ناشرانِ قرآن'' نے جب قرآن پاک شائع کرنے کا فیصلہ کیا اور خوشنویسوں سے نمونے حاصل کیے۔ دار العلوم دیوبند کے مشہور خطاط حضرت مولانا اشتیاق احمد دیوبندی لاہور تشریف لائے۔ مالکانِ ادارہ حضرت مولانا سے

عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے خطاطی کے لیے والد صاحب کا نمونہ پسند فرمایا انہوں نے کہا کہ پنجاب میں یہ خط لائقِ تحسین ہے اس قرآن پاک کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ کئی ایک ادارے اسے چھاپ رہے ہیں۔ یہ نسخہ قرآن پاک یکے بعد دیگرے مختلف اداروں کے پاس فروخت ہوتا ہوا پیر محمد اشرف مالک پیپر ایمپوریم لاہور کے ہاں پہنچا انہوں نے بھی کئی ایڈیشن شائع کیے روس کے قبضہ سے آزاد ہونے والی ریاستوں میں صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق مرحوم کے آرڈر پر طبع کرا کے بڑی تعداد میں وہاں بھیجا راقم سطور نے اس نسخہ کی اصل کتابت ان سے خرید لی ہے۔ اور اب یہ میرے ذاتی کتب خانہ "کنز النفائس" کی انتہائی گراں قدر متاع ہے۔

قرآن پاک کے مشہور مبصر و ناشر مولانا ظفر اقبال مرحوم جنہوں نے "انجمن حمایت اسلام" لاہور کی جانب سے ایک عدیم النظیر قرآن شائع کیا تھا۔ قرآن پاک کی نئی کتابت کے لیے والد صاحب کو منتخب کیا۔ مولانا نے اس سے پہلے مشہور خطاط مولوی مُحمد قاسم لدھیانوی مرحوم سے قرآن پاک لکھوایا تھا۔ مولانا نے راقم سطور سے فرمایا کہ قرآن پاک کی خطاطی کے لیے مولانا اشتیاق احمد صاحب دیوبندی کا نام بھی میرے ذہن میں تھا لیکن مجھے آپ کے والد صاحب کا خط زیادہ پسند ہے۔ اولاً انہوں نے وہ سورۃ فی احسن صورۃ لکھوایا۔ اس کے ساتھ ترجمہ اردو ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کا تھا جس کی کتابت کے فرائض راقم سطور نے انجام دیے۔ یہ تاہنوز شائع نہیں ہو سکا۔ قرآن پاک بعض وجوہ کی بنا پر منشی محمد شریف صاحب نے لکھا۔ منشی محمد شریف صاحب خود بھی والد صاحب کے خط کے معترف تھے۔ ایک مرتبہ بازار کے ایک ناشر نے قرآن

پاک کی کتابت کے لیے حافظ محمد یوسف سدیدی مرحوم سے مشورہ لیا تو انہوں نے والد صاحب ہی سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا نیز ایک مرتبہ حافظ صاحب نے والد صاحب کی قرآنی خطاطی کی چند سطروں کا ایک نمونہ مجھ سے حاصل کیا۔ پھر وہ بعض نمائشوں میں بھی رکھا مولوی ظفر اقبال صاحب فرماتے تھے ایک دفعہ میں نے سید اشرف علی صاحب اور منشی محمد شریف صاحب کا ایک ایک صفحہ کتابت مصری سفیر کو دکھایا تو انہوں نے سید اشرف علی صاحب کے خط کو ترجیح دی۔

والد صاحب کا خط نستعلیق بھی نہایت عمدہ تھا۔ طرز تحریر میں بڑی ملاحت تھی۔ قلم یکساں متناسب اور ہموار چلتا تھا۔ کسی لفظ سے اکتاہٹ کا احساس نہ ہوتا تھا۔ اپنے استاذ حکیم سید محمد عالم صاحب مرحوم کے اسلوب میں لکھتے تھے۔ ایک دفعہ راقم سطور ادارہ کتابت لاہور میں قاضی ظہور الدین صاحب سابق ہیڈ کاتب "روزنامہ احسان" کے پاس گیا۔ حسب معمول خندہ پیشانی سے ملے۔ کہنے لگے میں آپ کو بہت یاد کر رہا تھا۔ بات یہ ہے کہ ایک دن میں نے بازار ایک جگہ نہایت خوب صورت مطبوعہ فرمے دیکھے تو معلوم ہوا کہ مثنوی مولانا روم کی کسی شرح کے اوراق ہیں۔ یہ معلوم نہ ہوا کہ کس کے لکھے ہوئے ہیں۔ نہایت ہی عمدہ کتابت تھی۔ چنانچہ میں وہ لے آیا۔ یہ کہہ کر انہوں نے وہ اوراق نکال کر میرے سامنے رکھ دیے۔ میں نے نظر ڈالی تو فوراً پہچان گیا کہ یہ والد صاحب کا اعجازِ قلم ہے۔ قاضی صاحب کو بتایا تو وہ بھی بہت محظوظ ہوئے اور وہ اوراق مجھے عنایت کر دیے ایک مرتبہ حافظ محمد یوسف سدیدی میرے مکان پر آئے۔ کچھ دیر ٹھہرے۔ اور اوراق کا ذکر چھڑ گیا۔ میں نے انہیں دکھائے۔ اس پر حافظ صاحب نے بڑے ہی اصرار کے ساتھ وہ اوراق مجھ سے لے لیے اور اب وہ ان کے ہاں

نوادر خطاطی میں شامل ہیں۔

فیصل آباد میں پنڈت مری دھر شاد مالک لائل پور کاٹن ملز کو اپنا دیوان کتابت کرانا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے لاہور میں منشی تاج الدین زریں رقم سے رجوع کیا۔ شاد صاحب کی خواہش تھی کہ منشی صاحب لائل پور آکر اس دیوان کو لکھیں۔ منشی صاحب نے اس کو قبول کر لیا اس زمانہ میں والد صاحب لائل پور ہی میں مقیم تھے۔ کسی ذریعے سے شاد صاحب کو معلوم ہو گیا کہ لائل پور شہر میں بھی ایک اعلیٰ خطاط موجود ہیں تو والد صاحب سے دیوان لکھوانے کا فیصلہ کر لیا۔ فیض جھنجانوی مرحوم کے ذریعے رابطہ ہوا۔ یہ دیوان اسی زمانے میں طبع ہو گیا تھا۔

والد صاحب نے بعض مساجد کے کتبے بھی لکھے۔ خود گھوڑیالہ کی غربی مسجد میں جہاں ان کے اساتذہ کے کتبے بھی تھے انہوں نے بھی بعض کتبے بخطِ جلی لکھے۔ چراغ و مسجد و محراب و منبر۔ ابو بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ کا پہلا مصرع الماس رقم نے لکھا دوسرا مصرع والد صاحب کا تحریر کردہ تھا اسی طرح "روزِ محشر کہ جاں گداز بوَد" سید نیک عالم شاہ صاحب کا مکتوبہ اور "اوّلیں پرسشِ نماز بوَد" والد صاحب کی خطاطی کا نمونہ تھا۔ یہ سب کتبے بخط جلی لکھے گئے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی مشہور رباعی

بلغ العلی بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ وآلہٖ بھی تحریر کی۔ ہر مصرعے کو علیحدہ علیحدہ طغرائی انداز میں لکھا جو بعض کونوں کی زینت بنے، نہایت خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ یہ سب کتبے ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ تک مسجد کی زیب و زینت رہے۔ راقم سطور نے بچپن سے لے کر اب سے چند سال پہلے تک ان کتبات کو

دیکھا افسوس تعمیر نو کے لیے جب مسجد کو شہید کیا گیا تو یہ سب کتبے معدوم ہو گئے۔ پہلے سے معلوم ہو جاتا تو ان کی نقل اتار لی جاتی۔ ان کتبات کے ضائع ہونے کا سخت افسوس ہے۔ ان دنوں راقم سطور اسی مسجد کے لیے نئے کتبے لکھ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اب نئی مسجد کے کتبے راقم سطور اور فرزند عزیز سیّد انیس الحسن مرحوم نے لکھے ہیں۔

حدیث لا نبی بعدی اور درودِ ابراہیمی مرحوم کی آخری تحریر ہے۔

والد صاحب کے حلقۂ تلامذہ میں آپ کے چھوٹے بھائی سیّد محمد صادق خوش نویس مرحوم (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء)، فقیر راقم سطور اور اس کے برادران عزیز سیّد منور حسین شاہ، سیّد دلاور حسین شاہ اور سیّد غضنفر حسین شاہ کے علاوہ اور لوگ بھی شامل ہیں حافظ محمد اعظم مرحوم بھی آپ کے تلامذہ میں شامل تھے انہوں نے جو قرآن پاک طلائی کڑھائی کے لیے لکھا۔ آغاز کتابت سے پہلے والد صاحب کی خدمت میں اصلاحِ مشق کے لیے آتے رہے اور فیضیاب ہوتے رہے یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

والد صاحب کی خطّاطی غلطیوں سے مبرّا تھی قرآن مجید میں اوّل تا آخر کہیں چیپی نہ ہوتی میرے پاس ان کا قلمی قرآن مجید موجود ہے جو لفظی غلطیوں اور چیپیوں سے بالکل پاک ہے۔

حمیّت اسلامی

آپ خالص اہل سنّت وجماعت کا عقیدہ رکھتے تھے علماء دیوبند سے محبت غایت درجہ تھی۔ آپ کا نام محمد اشرف تھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تتبع میں علی کا اضافہ کیا حمیّت اسلامی کا جوہر آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا

تھا۔ جہاں کہیں کسی نے دین و شریعت یا اہل بیت و صحابہ کرام یا علماء و صلحاء کی توہین کی، آپ کی رگ ایمانی جوش میں آجاتی تھی آپ اس کو ضرب کاری لگانے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ مُشتے نمونہ از خروارے دو واقعات بیان کیئے جاتے ہیں۔

ایک دفعہ علاقہ کے قادیانی ذیلدار نے حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کہا کہ ان مولویوں نے مسجدوں کی محرابوں میں بیٹھ کر غلط ترجمے کیے ہوئے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا۔ اس کی ٹوپی اچھل کر دور جا پڑی۔ اگرچہ اس کے ہمراہ اس وقت محافظ بھی تھے لیکن کسی کو جرات نہ ہوئی کہ مقابل آسکے اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اس نے اپنا معمول کا راستہ چھوڑ کر ایک دوسرے راستے کو اختیار کرلیا۔

غلام محمد آباد (فیصل آباد) کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے محلہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ ایک شیعہ بھی وہاں رہتا تھا اُس کا کتا آپ پر بھونکا تو اس نے باہر نکل کر کتے کو "دُر معاویہ" کہہ کر ہٹایا۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ آپ جوشِ ایمانی سے غصے میں آگئے اور اس سے لڑائی شروع ہو گئی۔ آپ نے گھر سے بندوق منگوالی کہ ابھی اس کا کام تمام کرتا ہوں کہ صحابیٔ رسول اللہ ﷺ کی توہین کر رہا ہے۔ شور ہوا لوگ جمع ہوگئے اور معاملہ بڑی مشکل سے رفع دفع ہوا۔ بعد میں اُس نے آدمیوں کو اس معاملہ میں ڈال کر معافی مانگ لی۔ غلام محمد آباد (فیصل آباد) کی مشہور محمدی مسجد (سی ٹائپ کوارٹرز) کی تعمیر کا واقعہ آپ کی زندگی کا شاہکار ہے۔ ایک بد نصیب وکیل مسجد کے خالی پلاٹ کے سامنے رہائش رکھتا تھا۔ جب آپ نے وہاں مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے دھمکی دی کہ جو آدمی یہاں اینٹ رکھے گا، گولی سے اڑا دوں گا۔ ایسے موقعوں

پر آپ ہمیشہ سربکف رہتے تھے اپنے فرزند سید دلاور حسین کو ساتھ لے کر وہاں سنگ بنیاد رکھا اس طرح سنت ابراہیمی کو تازہ کیا بیٹے نے اذان دے کر سنت اسمٰعیلی کو زندہ کیا۔ معمولی سی مسجد بن گئی۔ نماز باجماعت کا اہتمام ہوگیا۔ آج یہ مسجد بڑی بارونق ہے وکیل خائب و خاسر ہوا، کچھ ہی عرصہ بعد اس کا بُرا انجام ہوا۔ وہ اپنے گاؤں گیا۔ لوگوں نے اس کی بدکرداری کی وجہ سے اس کے پاؤں میں رسا ڈال کر گاؤں میں پھرایا گھسیٹا اور قتل کردیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ قطب الارشاد حضرت مولانا و مرشدنا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ سے بیعت تھے۔

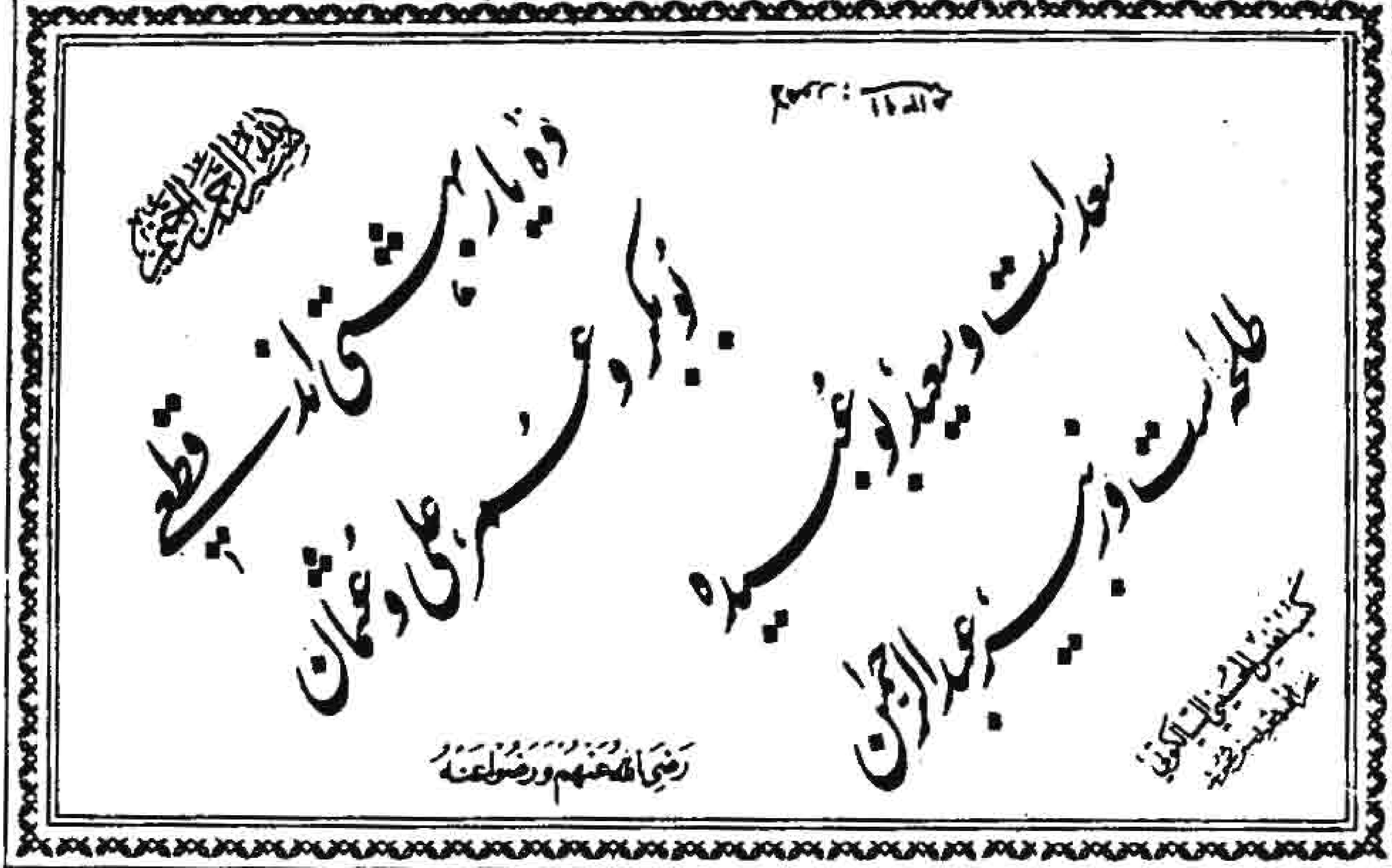

مکتوبہ نسخہائے قرآنی کی فہرست

آپ نے کتابت کا آغاز اپنے گاؤں میں ۱۹۲۲ء میں کیا۔اس کے بعد آپ نے مختلف شہروں ملتان، لاہور، راولپنڈی اور لائل پور (فیصل آباد) میں اپنا سلسلۂ کتابت جاری رکھا۔آپ نے زیادہ تر قرآن پاک اور حدیث وفقہ کی کتابیں تحریر فرمائیں۔
جلالین، صحیح مسلم شریف اور صحیح بخاری شریف میں آپ نے کچھ نہ کچھ لکھا۔
اسلامی کتب کے علاوہ آپ نے رسائل بھی لکھے ادبِ لطیف (۱۹۳۵ء) مشیر الاطباء، شمس الاطباء حقیقتِ اسلام (۳۴-۱۹۳۲ء)۔والدِ ماجد کو راقم سطور سے بے حد دلی رغبت تھی میری التماس پر آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اپنے لکھے ہوئے کلام پاک کی فہرست لکھ کر راقم سطور کو دی جو حسبِ ذیل ہے۔

۱- حاجی قمر الدین قیومی پریس محلہ پٹکا پور کانپور		۳۰-۱۹۲۹ء
۲- حاجی محمد سعید مجیدی پریس	کانپور	۳۱-۱۹۳۰ء
۳- حاجی قمر الدین قیومی پریس	〃	۳۳-۱۹۳۲ء
۴- حاجی محمد سعید مجیدی پریس	〃	۳۴-۱۹۳۳ء
۵- شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور		۴۷-۱۹۴۶ء
۶- لطیف برادرز فیصل آباد		۵۳-۱۹۵۲ء
۷- مولانا حامد میاں صاحب جامعہ مدنیہ لاہور		۵۸-۱۹۵۷ء
۸، ۹- کتابستان اردو بازار لاہور (۲ قرآنِ پاک)		۱۹۶۵ء-۱۹۶۸ء

۱۰- اسلامک پبلکشیز لاہور (۲ قرآنِ پاک ۱۹۶۸ء)
۱۲- محبوب بک ڈپو اردو بازار لاہور ۱۹۷۰ء علاوہ ازیں کچھ پارے تاج کمپنی کے، اُپل کمپنی کے پانچ پارے، بہاول پور کے چار پانچ پارے۔ دہ سورہ مترجم مولانا ظفر اقبال۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نسب نامہ سادات گیسو دراز گرٹالیہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

سید محمد اشرف علی[۱] بن سید محمد حسن شاہ بن سید محمد شاہ بن سید محمد سلیم بن سید محمد صالح بن شاہ عبد الکریم حاجی حرمین شریفین بن سید محمد حسینی بن شاہ حفیظ اللہ حسینی بن شاہ اسد اللہ حسینی بن شاہ عبد اللہ حسینی بن معصوم حسینی بن سید لال حسینی بن شاہ منن اللہ حسینی بن شاہ محمد اصغر بن خواجہ رکن بن سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز بن سید یوسف حسینی راجو قتال بن سید علی بن سید محمد بن سید یوسف بن سید حسین بن سید محمد بن سید علی بن سید حمزہ بن سید داؤد بن ابی الحسن زید الجندی بن ابی عبد اللہ الحسین بن ابی منصور محمد الاکبر بن سیدنا عمر بن سیدنا یحییٰ بن سیدنا حسین ذوالدمعہ بن سیدنا زید شہید بن سیدنا امام علی زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم زوج سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔ بنت سید الاولین والآخرین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

[۱] سید محمد اشرف علی

سید انور حسین نفیس رقم	سید منور حسین ایم اے	سید دلدار حسین جاوید	سید غضنفر حسین عرف سید سرور حسین
حافظ قاری انیس الحسن	(۱) سیدہ رقیہ	(۱) سید نسیم الرحمٰن	(۱) سیدہ سعیدہ
	(۲) سیدہ کلثوم	(۲) سیدہ سلمیٰ	(۲) سیدہ حمیرا
	(۳) سید خلیل الرحمٰن	(۳) سید حکیم الرحمٰن	(۳) سیدہ زہرا
	(۴) سید جلیل الرحمٰن	(۴) سید سلیم الرحمٰن	(۴) سیدہ آسیہ
	(۵) سیدہ سعدیہ	(۵) سید نعیم الرحمٰن	(۵) سیدہ عالیہ (فاطمہ)
	(۶) سید جمیل الرحمٰن	(۶) سیدہ سلمیٰ ثانی	
		(۷) سیدہ اسماء	
		(۸) سید وسیم الرحمٰن	
		(۹) سیدہ عظمیٰ	

سید محمد اشرف علی حال مقیم میانی صاحب لاہور

۴ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ [illegible]

مولانا مُحمد اکرم کاشمیری مدیر "الحسن" (ترجمان جامعہ اشرفیہ لاہور)

امام الخطاطین کا سانحہ ارتحال

معروف اور ممتاز خطاط جناب محمد اشرف علی شاہ زندگی کی نوّے سے زائد بہاریں دیکھ کر ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ بمطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۵ء بروز پیر مغرب سے تھوڑی دیر قبل دار فانی سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم برصغیر کی مشہور شخصیّت جناب انور حسین نفیس رقم کے والدِ ماجد تھے خود بھی خطاطی کا فن اختیار کیا تھا اور فرزند اکبر حضرت شاہ صاحب کی بھی اسی فن میں تربیت فرمائی۔ تربیت بھی ایسی کی، فنی مہارت میں بیٹا باپ سے سبقت لے گیا۔ کسی حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں کوئی بھی اس بات پر خوش نہیں ہوتا کہ دوسرا مجھ سے آگے نکل جائے ماسوائے باپ اور استاد کے، باپ یہ چاہتا ہے کہ میرا بیٹا مجھ سے آگے نکل جائے اور استاد چاہتا ہے کہ میرا شاگرد مجھ سے سبقت لے جائے اس طرح مرحوم اپنے بیٹے کے فن سے انتہائی خوش تھے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے روحانی طور پر بھی انہیں بڑے عروج سے نوازا تھا۔ مرحوم کا اصلاحی تعلق حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ اور ان سے آپ بیعت بھی تھے آپ کو حضرت تھانویؒ کے ساتھ بھی انتہائی درجے کی عقیدت تھی یہاں تک کہ اپنا نام محمد اشرف علی رکھا جب کہ مرحوم پہلے صرف محمد اشرف سے پکارے جاتے تھے۔ مرحوم صاحب طرز خوشنویس تھے اپنی زندگی میں مختلف انداز میں سولہ قرآن پاک کی کتابت کا شرف حاصل کیا جن میں سے اکثر زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ آپ اگرچہ باقاعدہ فارغ التحصیل عالم نہیں تھے مگر علماء کرام کی صحبت نے ان کو علماء کرام کی صف میں لاکھڑا کیا تھا۔ زہد، تقویٰ

اور ورع میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ جتنا علم تھا اس پر عمل کے لئے بے چین رہا کرتے تھے۔ حضرت مفتی محمد حسن امرتسری نور اللہ مرقدہٗ علم کی تعریف یوں فرمایا کرتے تھے کہ علم نام ہے اس کیفیت کا جس کے حاصل ہوجانے کے بعد دل عمل کے لئے بے قرار ہوجائے مرحوم اس کی عملی تصویر تھے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ والدِ ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا بہن بھائیوں سے محروم تنہائی کی زندگی بسر کی۔ محنت و مشقت سے اپنا بھی وقت گذارا اور اولاد کی بھی پرورش کی۔ اولاد میں چار صاحبزادگان چھوڑے ہیں۔ جن میں بڑے حضرت نفیس شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔ آپ کی نماز جنازہ اوّل جامعہ مدنیہ میں پھر قبرستان میانی صاحب میں ادا کی گئی اور اسی قبرستان میں دفن کئے گئے۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

۷۸۶

زِندگی کیا ہے مدینے کے کسی کُوچہ کی موت

مَوت کیا ہے ہند کے ظُلمت کدہ کی زندگی

(اشرف رقم)

مولانا محمد ازہر مدیر "الخیر" (ترجمان جامعہ خیر المدارس ملتان)

خطاط القرآن سید محمد اشرف علی زیدیؒ کی رحلت

جامعہ خیر المدارس کی مجلس کے رکنِ رکین مخدوم ومکرم مخدوم الصلحاء عارف باللہ حضرت سید انور حسین نفیس مدظلہ کے والد ماجد اور پاکستان کے نامور خوشنویس و خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی زیدیؒ ۳۰، ربیع الاول ۱۴۱۶ھ، ۲۸، اگست ۱۹۹۵ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت سید صاحبؒ نے ۹۰ سال سے زائد عمر پائی اور یہ اُن کی خوش بختی خوش نصیبی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے طویل عمر کے ساتھ عمر بھر قرآنِ پاک کی کتابت جیسی سعادت ان کی مقدر میں لکھ دی۔ آپؒ نے تقریباً ۱۶ قرآن مجید مکمل کتابت فرمائے جو مختلف اداروں نے شائع کئے آپؒ کے فرزند ارجمند حضرت سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم نے آپؒ کی "یاد" میں جو مرثیہ تحریر فرمایا اس میں بھی اس سعادت کا ذکر فرمایا ہے۔

وہ خوشا نصیب، قرآں کی حسیں حسیں نگارش

زہے وہ صریر خامہ، کہ ملک بھی جھوم جائیں

حضرت سید صاحبؒ کے کتابت کردہ قرآن کریم کے نسخوں کو کروڑوں انسانوں نے پڑھا سمجھا اور اُن پر عمل کیا ہوگا۔ شرعی ضابطہ کے مطابق نیکی کا سبب بننے والے کو بھی عامل کے برابر اَجر ملتا ہے۔ اس لحاظ سے سفرِ آخرت پر روانہ ہونے والے اس مسافر کی نیکیوں کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ خدا کی آخری کتاب کی عمر بھر خدمت کرنے والا اُن کے لطف و التفات سے بھلا کہیں محروم ہو سکتا ہے؟ یقیناً ان کو بلند سے بلند تر مقام رفیع سے نوازا گیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس عظیم خدمت کے عوض اپنا قربِ خاص اور رضائے عالی عطا فرمائیں۔ آمین۔

آپ کے نامور فرزند اور حضرت اقدس رائپوری قدس سرہ کے خلیفۂ ارشد حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ اور دیگر پسماندگان ہماری دلی تعزیت کے مستحق ہیں اور خدا کے ایک مقبول و محبوب بندے کے لئے رفع درجات و عفو و مغفرت کی دعا ہمارے لئے باعثِ شرف وسعادت۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ وارضہ وارض عنہ. وآمین

مولانا نعیم الدین مدیر انوار مدنیہ (ترجمان جامعہ مدنیہ لاہور)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

دنیا کا سدا سے یہ دستور ہے کہ یہاں جو آتا ہے جانے ہی کے لیے آتا ہے، چنانچہ روز آنے والے آ رہے ہیں اور جانے والے جا رہے ہیں، لیکن کچھ جانے والے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے پیچھے بہت سی یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ انہیں افراد میں سے ایک محترم جناب سید اشرف علی زیدی صاحب بھی ہیں جو ۳۰ ربیع الاوّل ۱۴۱۶ھ / ۲۸ اگست ۱۹۹۵ء بروز پیر مغرب کی نماز سے قبل اس دنیا سے چلے گئے اور اپنی بہت سی یادیں دلوں میں چھوڑ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی شرافتوں اور سعادتوں سے نوازا تھا۔ آپ حسینی سید ہیں۔ آپ کے سلسلۂ نسب میں کبار مشائخ کا نام آتا ہے۔ حضرت خواجہ سید محمد حسینی گیسو دراز رحمہ اللہ آپ کے چودھویں جد امجد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو اولاد عطا فرمائی ان میں حضرت سید نفیس شاہ صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

آپ کا شمار اس دور کے ممتاز خوشنویسوں اور اساتذۂ فن میں ہوتا ہے۔ آپ نے یہ فن اپنے تایا زاد بھائیوں حکیم سید محمد عالم شاہ صاحب اور سید نیک عالم شاہ[1] صاحب سے سیکھا تھا اور اسی کو آپ نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ قرآن پاک کی کتابت سے خاص شغف تھا۔ سولہ[2] قرآن پاک اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔

قیام پاکستان سے پہلے کی بات ہے کہ لاہور میں چند اداروں نے مل کر پبلشرز یونائیٹڈ کے نام سے ایک

---

[1] آپ اسم بامسمّٰی تھے اپنے دور کے زود نویس اور مشاق خطاطین میں شمار ہوتے تھے۔ [2] سولہ قرآن پاک اپنے ہاتھ سے لکھے تھے جن میں سے ایک قرآن پاک صرف ۲۶ دن میں لکھا تھا جو قرآن کا اعجاز اور آپ کی کرامت ہے۔

اشاعتی ادارہ قائم کیا تھا۔ انہوں نے قرآنِ پاک کی طباعت کا پروگرام بنایا تو وقت کے ماہر خوشنویس حضرات سے قرآن پاک کے متن اور ترجمے کے نمونے طلب کیے۔ آپ نے بھی اپنا نمونہ پیش فرمایا۔ خدا کی شان کہ آپ کا نمونہ عربی خط کے لیے منتخب کیا گیا اور اردو ترجمہ کے لیے جناب الماس مرحوم کا نمونہ منتخب ہوا۔ ہمارے ہمارے حضرت بانیٔ جامعہ (رحمہ اللہ) نے بھی آپ سے ایک قرآنِ پاک بڑے ذوق و شوق سے لکھوایا تھا۔ حضرت کا ارادہ تھا کہ ایک قرآن پاک اس طرح چھاپا جائے کہ عربی متن کے ساتھ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ترجمہ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تفسیر ہو اور تفسیر کے ساتھ نیچے حلِ لغات کا اضافہ ہو۔ یہ اضافہ آپ خود فرمانا چاہتے تھے، لیکن مصروفیات کی وجہ سے آپ کو اس کا موقع نہیں مل سکا، تاہم وہ قرآن پاک بہترین کتابت کے ساتھ محفوظ ہے جو اب نوادرات میں شامل ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو طویل عمر عطا فرمائی تھی۔ تقریباً نوّے بانویں سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔ آپ کی صحت قابلِ رشک، آپ کا عزم پختہ اور ہمت جوان تھی۔ ضعف و کمزوری کو پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتے تھے۔ اس پر یہ خوبی مستزاد تھی کہ اس پیرانہ سالی کے باوجود مزاج میں کسی قسم کا چڑچڑا پن نہیں تھا، بلکہ طبیعت میں ظرافت اور خوش مزاجی تھی۔

آپ اکثر اردو بازار تشریف لایا کرتے تھے۔ بسا اوقات راقم الحروف پر شفقت فرماتے ہوئے مکتبہ پر بھی قدم رنجہ فرماتے، چائے کا دَور چلتا اور آپ گھنٹوں خوش مزاجی کے ساتھ زندگی کے واقعات سناتے اور ہم جیسے کم ہمتوں کی ہمت بندھاتے۔

آپ کا تعلق حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ سے تھا اسی تعلق کی برکت تھی کہ آپ میں مذہبی حمیت و غیرت، اصابتِ رائے اور دین میں پختگی کمال درجے کی پیدا ہو گئی تھی آپکی مذہبی حمیت و غیرت کے بہت سے واقعات ہیں جن کے بیان کے لیے ایک مستقل دفتر درکار ہے۔ ذیل میں دو ایک واقعات ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) فیصل آباد میں ایک مشہور مقام ہے "غلام محمد آباد" آپ کی وہیں رہائش تھی۔ قریب میں کوئی مسجد نہ تھی۔ ایک خالی جگہ جو کارپوریشن نے مسجد کے لیے چھوڑی ہوئی تھی اس جگہ آپ نے چند احباب کے ساتھ مل کر نماز باجماعت شروع کر دی، کچھ عرصہ بعد آپ کو خیال ہوا کہ اس جگہ مسجد بننی چاہیئے۔ اس کا آپ

نے اپنے دوست احباب سے تذکرہ کیا تو سب نے آمادگی ظاہر کی۔ سنگِ بنیاد رکھنے کی تیاری کی گئی اور تاریخ طے کردی گئی۔ اس خالی جگہ کے سامنے ایک متعصب رافضی رہا کرتا تھا جو وکیل بھی تھا وہ مسجد بنانے کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے لگا۔ اس نے ایک درخواست لکھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ یہاں مسجد نہیں بننی چاہیے۔ بعض سادہ لوح مسلمانوں سے اس پر تائیدی دستخط بھی کروا لیے اور اس مقام پر اچھا خاصا اشتعال پیدا کر دیا۔ اس نے اعلان کیا کہ اگر کوئی یہاں مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے آیا تو گولیاں چل جائیں گی۔ آپ نے فرمایا میں ضرور اس کا سنگِ بنیاد رکھوں گا، چنانچہ اس شخص کی دھمکیوں کی پروا کیے بغیر بندوقوں کے سایہ میں تنِ تنہا جا کر مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ آج محمدی مسجد کے نام سے خوبصورت جامع مسجد آپ کی یادگار مسلکِ حق کی اشاعت کا مرکز اور آپ کے لیے بہترین صدقۂ جاریہ ہے۔

(۲) ایک دفعہ آپ اپنے محلے میں کہیں جا رہے تھے کہ ایک غالی قسم کے رافضی کے گھر کے سامنے سے آپ کا گزر ہوا۔ اس رافضی کے گھر کے باہر کتا تھا اس نے بھونکنا شروع کر دیا۔ وہ رافضی یہ دیکھنے کے لیے کہ میرا کتا کس پر بھونک رہا ہے باہر آیا اور ظالم بدھن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر دُر دُر کرنے لگا۔ آپ کی مذہبی غیرت بھڑک اٹھی اور آپ اس سے الجھ پڑے اسے مارا بات بڑھ گئی اور اشتعال پھیل گیا۔ آپ گھر تشریف لے گئے اور اپنی بندوق لانے لگے کہ اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑنا۔ لوگوں کو پتہ چلا تو مشکل سے بیچ بچاؤ کرایا اور اس شخص سے معافی منگوائی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

اس واقعہ سے جہاں آپ کی مذہبی غیرت کا پتہ چلتا ہے وہیں اصابتِ رائے کا بھی صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

آپ لاہور میں اپنے سب سے چھوٹے صاحبزادے سید سرور حسین صاحب کے ساتھ رہا کرتے تھے۔

وفات سے تقریباً ڈھائی ماہ پیشتر فجر کی نماز کے لیے اٹھے تو پھسل کر گر گئے جس کی وجہ سے گھٹنے میں سخت چوٹ آئی جس نے آپ کو صاحبِ فراش بنا دیا۔ حضرت شاہ صاحب آپ کو اپنے گھر لے آئے اس وقت سے لے کر وفات تک آپ حضرت شاہ صاحب کے گھر ہی رہے علاج ہوتا رہا وفات سے ایک روز قبل مغرب سے پہلے حضرت شاہ صاحب سے فرمایا "مبارک ہو" شاہ صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

الاحزاب ۲۱

کتبہ
ابن حضرت شاہ نفیس عفی عنہ
ادارہ نفائس العلم لاہور پاکستان

فرماتے ہیں مغرب کی اذان ہو رہی تھی میں نے عرض کیا کہ میں نماز سے فارغ ہو کر آتا ہوں۔ چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر آیا تو میں نے پوچھا کیا فرما رہے ہیں۔ فرمایا "مبارک ہو" میں نے عرض کیا کاہے کی مبارک فرمایا "میرا علاج بالکل صحیح اور مکمل ہو گیا"۔ ۳۰ ربیع الاوّل کی صبح بہت جلد آنکھ کھل گئی۔ فرمانے لگے ٹائم ہو گیا میں نے فجر کی نماز پڑھنی ہے، حالانکہ ابھی تہجد کا ٹائم تھا۔ تھوڑی دیر بعد نماز پڑھ کر سو گئے۔ کمزوری حد درجہ بڑھ گئی۔ ظہر بعد ہسپتال لے جایا گیا، لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی وقتِ موعود آچکا تھا۔ آپ کا قلب پوری قوت کے ساتھ ذکرِ اسم ذات میں مشغول تھا اسی مشغولیت کے عالم میں مغرب سے کچھ لمحے پہلے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگلے دن صبح جامعہ مدنیہ میں آپ کی نمازِ جنازہ ہوئی اور قبرستان میانی صاحب میں اہلیہ محترمہ کی قبر کے ساتھ آپ کی تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ آپ کے درجے بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

یاد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ

۶ ۱ ۴ ۱ ۵

دلِ زخم زخم لوگو! کوئی ہے، جسے دکھائیں
کوئی ہم نفس نہیں ہے، غمِ جاں کسے سُنائیں

یکایک جو چھا گئی ہیں، غم و درد کی گھٹائیں
گیا کون اِس جہاں سے کہ بدل گئیں فضائیں

اُٹھا سائبانِ شفقت، بڑی تیز دھوپ دیکھی
نہیں دُور دُور چھاؤں، کہاں اپنا سَر چھپائیں

رہِ زندگی کی مُونس، اِنھی محسنوں کی یادیں!
شبِ زیست کے ستارے، وہ خلوص کی دُعائیں

وہ رفاقتوں کی راتیں، وہ ہر اک سے دِل کی باتیں
گئے دَور کے وہ قصّے، ہمیں یاد کیوں نہ آئیں

وہ شجاعتوں کے پالے، بڑے صبر و شکر والے
وہی حوصلے حسینیؓ، وہی زینبؓ کی ادائیں

وہ خوشا نصیب قرآں کی حسین حسین نگارش
زہے وہ صریرِ خامہ، کہ مَلک بھی جھوم جائیں

دمِ مرگ تھی تسلّی، سرِ قبر ہے تجلّی
ہوں مدام عنبر افشاں، یہاں خُلد کی ہوائیں

ہو نصیب جامِ کوثر، یہ نفیس کی دُعا ہے
مگر اک حسین تمنّا کہ حضورؐ خود پلائیں

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نفیس الحسینی
۴ شعبان
۱۴۱۶ھ

حافظ عبدالرشید ارشد مدیر "الرشید" لاہور

مخدوم سید اشرف علی شاہؒ

گزشتہ شمارہ کم پڑ گیا تھا لہٰذا واشدات اور مخدوم سید اشرف علیؒ کے متعلق دونوں مضمون دوبارہ شامل ہیں۔

وقت کے ایک بڑے شیخ کے والد ماجد کا انتقال

مخدوم و محترم حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ، اس وقت قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (سہارنپوری) قدس سرہ کی بارگاہ تربیت کے بڑے شیخ ہیں۔ "الرشید" کی مجلسِ ادارت کے صدر نشین، ختم نبوت کی شوریٰ کے ممبر اور پاکستان کے بیشتر دینی مدارس کے سرپرست ہیں۔ افسوس کہ آپ کے والد ماجد حضرت سید محمد اشرف علی شاہ نوے سال سے زائد عمر پا کر ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۵ء کو مغرب کے قریب انتقال فرما گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ سید مرحوم کی صحت انتقال سے چند ماہ قبل قابلِ رشک تھی۔ بہت اونچی نسبت رکھنے والے تھے۔ سن شعور سے قرآن پاک کی کتابت کو حرزجاں بنا لیا۔ گو مختلف اور کام بھی کر لیتے تھے۔ لیکن قرآن پاک لکھنے سے خاص شغف اور محبت تھی۔ تقریباً سولہ قرآن مجید مکمل کتابت کیے جو مختلف فرموں اور اداروں نے شائع کیے۔ آپ کا اصل نام سید محمد اشرف تھا لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام سے تبرک حاصل کرنے کے لیے محمد اشرف علی اختیار کر لیا اور ہمیشہ یہی لکھتے رہے۔

قیامِ پاکستان سے قبل چند مختلف اداروں نے مل کر پبلشرز یونائیٹڈ کے نام سے لاہور میں اشاعتی ادارہ قائم کیا اور اشتہار کے ذریعے خوشنویس حضرات سے قرآن مجید کے متن اور اردو کے نمونے طلب کیے۔ عربی خط (قرآن پاک کا متن) آپ کا منتخب کیا اور اُردو جناب الماس رقم مرحوم کا پسند کیا گیا۔ یہ قرآن مجید قیامِ پاکستان کے بعد مکمل ہوا۔ قرآنِ پاک کی یہ خدمت ایسی ہے جس پر فرشتوں کو بھی رشک آئے۔ جتنے قرآن مجید لکھے گئے ان کے کتنے کتنے ایڈیشن شائع ہوئے اور کتنے کروڑ انسانوں نے ان کو پڑھا کتنے ہزار افراد نے حفظ کیا اور پھر قرآن پاک حفظ کرانے کی خدمت میں لگ گئے اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل قیامت تک چلتا رہے گا۔ اگر الم پڑھنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں تو جو سولہ قرآن پاک لکھے گئے اور وہ لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئے ان کو پڑھنے پڑھانے، حفظ کرنے اور کرانے والے سب کی نیکیوں اور اجر و ثواب کا سبب ہمارے مخدوم ہوئے۔ کیا زمین کے ذروں اور زمین پر اگنے والے اشجار کے پتوں کو گنا جا سکتا ہے؟ یقیناً نہیں تو پھر سولہ قرآن مجید لکھنے والے نیک نہاد انسان کی نیکیوں کا بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ مختلف احادیث کے مجموعی مفہوم کے مطابق نیک روح کو لینے آسمان سے فرشتے ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ اس سید زادے کی روح کو لینے کے لیے بھی ہزاروں لاکھوں ملائکہ نے پرواز کی ہو گی۔

که رحمت حق بہا نمی جوید بہانہ می جوید

اور یہاں تو بہا (قیمت) اور بہانہ دونوں موجود ہیں۔ سیدالرسل ﷺ پر اترنے والی آخری کتاب جو اولاً صحابہؓ نے لکھی۔ پھر تابعین نے لاکھوں کی تعداد میں لکھی اور جس کو اپنی عاقبت کا خیال کرنے والے خلفاء اسلام اور سلاطین نے لکھا اس کو سولہ دفعہ لکھنے کا شرف، سید زادے مخدوم سید محمد اشرف علی کو حاصل ہوا۔

ان کی اپنی تحریر و یادداشت کے مطابق ان کے والد ماجد نے ۱۳۳۲ھ میں انتقال کیا جب کہ ان کی عمر ان دنوں نودس سال ہو گی۔ ایک بھائی تھے جو جوانی میں انتقال کر گئے پھر ساری عمر اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ اپنی اولاد کی پرورش اور تربیت میں بتادی اور اپنی زندگی میں بڑے بیٹے کو لوگوں کا مخدوم دیکھا۔ حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ ہمارے پرچے کے سرپرست ہیں۔ لہذا میں اپنے پرچے میں اس سے زیادہ اور نہیں لکھتا کہ آپ سے اس وقت ہزاروں افراد تربیت و اصلاح حاصل کر رہے ہیں اور ویسے بھی

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

اور حضرت شاہ صاحب مدظلہ عطار بھی ہیں اور مشک بھی، جو ان کی محفل و مجلس میں بیٹھتا ہے وہ بقدر ظرف و استطاعت اور ہمت و استعداد اپنے جسم و روح کو عطر میں بساتا ہے۔ مقصد عرض کرنے کا یہ ہے کہ مخدوم و محترم حضرت سید محمد اشرف علی شاہ صاحبؒ کے قرآن پاک سے شغف و محبت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں مادی آنکھوں سے دکھا دیا کہ ان کے اس قرآنی انہماک نے کیا کچھ عطا فرمایا۔ وفات سے دو دن قبل فرمایا کہ میرا مکمل علاج ہو گیا اور صحت حاصل ہو گئی ہے۔ وہ کیا دیکھ رہے تھے اور انہیں کیا محسوس ہو رہا تھا اس کی تفصیل انہیں خوب معلوم ہو گی بس ایک جامع فقرہ ادا فرما دیا۔ آخری دن سحر ہونے پر فوراً اول وقت نمازِ فجر ادا کی اور پھر ایسی حالت میں چلے گئے جسے صوفیاء کی اصطلاح میں استغراق کہا جاتا ہے۔ نبض کمزور ہوتی جا رہی تھی اور ضعف بڑھتا جا رہا تھا لیکن لسان و قلب پوری قوت سے ذکر اللہ میں مصروف تھے۔ اور جب روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تو چہرہ دمکنے لگا۔ آپ کے صاحبزادے سنن نبوی پر بڑی سختی سے پابند ہیں۔ لہذا اسی وقت غسل و تکفین کا اہتمام کر دیا گیا اور وصال کے ساڑھے تیرہ گھنٹے بعد اگلے دن صبح آٹھ بجے جامعہ مدنیہ میں نماز جنازہ حضرت شاہ صاحب نے خود پڑھائی اور اہلیہ مرحومہ کی قبر کے ساتھ تدفین عمل میں آئی۔ اہلیہ مرحومہ نے ۷، رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ مطابق ۵، مئی ۱۹۸۷ء کو انتقال فرمایا تھا۔

آپ نے اپنے پیچھے چار بیٹے حضرت سید انور حسین نفیس الحسینی مدظلہ، سید منور حسین ایم اے، سید دلاور حسین جاوید، سید غضنفر حسین عرف سید سرور حسین چھوڑے ہیں۔

مرحوم نے اولاد کو بالغ ہونے اور نکاح ہونے سے پہلے علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا تاکہ بھائیوں میں دور رہ کر آپس میں مودت و محبت قائم رہے اور آپس میں رشتہ داریاں ہوں کہ ایک ساتھ رہنے سے رنجشیں پیدا ہوتی ہیں اور خود چھوٹے بیٹے سید سرور حسین سلمہ کے ساتھ رہتے تھے۔

اپنی اہلیہ کے فوت ہونے پر جو کہ رابعہ وقت تھیں فرمایا کہ انشاء اللہ اس کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ (کہ خود اس کے

اپنے اعمال حسنہ بہت ہیں) البتہ اس کے ارد گرد والوں کو اس سے فائدہ ہوگا۔

ایک دن اپنے پوتے سید جمیل الرحمان سلمہ کی فرمائش پر کہ داداجی آپ کس طرح لکھتے ہیں لکھ کر دکھایا۔ نوے سال سے اوپر عمر میں بھی قلم پر پوری گرفت ہے اور لکھ کر نیچے تاریخ ڈالی اور دستخط فرمائے یہ تحریر اس اشاعت میں شامل ہے۔ اور خود ان کے ہاتھ سے لکھا ہوا شجرہ نسب بھی شریکِ اشاعت ہے۔ حضرت گیسو دراز آپ کے اجداد سے ہیں۔ میں برطانیہ سے حضرت گیسو دراز کی تفسیر عربی الملتقط کی مائیکرو فلم لایا۔ زندہ ہوتے تو بہت دعائیں دیتے۔

فرمانبردار اور اطاعت شعار اولاد کے لیے نیک والد کی جدائی بہت بڑا صدمہ ہے حضرت شاہ صاحب مدظلہ جو ایک دنیا کی تربیت و رہنمائی فرما رہے ہیں اس حادثے سے خاصے دل گرفتہ ہیں۔ شاید میں نے پہلے بھی کسی جگہ لکھا تھا کہ جامعہ رشیدیہ کی نشاۃ اولیٰ مدرسہ رشیدیہ رائے پور (نکودر) کے مہتمم حضرت مولانا فضل احمد صاحبؒ جو امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بذریعہ خط بیعت ہوئے۔ پھر ان کے جانشین حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ (سہارنپوری) کے بیعت ہوئے اور حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہ سے خلیفہ مجاز ہوئے۔ ان کے دو جوان بیٹے مولانا رشید احمد اور مولانا مقبول احمدؒ فوت ہوئے تو بہت صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا لیکن اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال پر زار و قطار رو رہے تھے پوچھنے پر فرمایا کہ دنیا مجھے القابات اور خطابات سے پکارے گی لیکن جو آواز "فضل احمد" کہہ کر پکارتی تھی وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ اور اس "فضل احمد" کہنے میں جو مجھے مٹھاس، شفقت اور محبت محسوس ہوتی تھی وہ اب نہ ملے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم مخدوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ اللھم اغفرلہ و ارحمہ و عافہ واعف عنہ۔

مرحوم نے سولہ قرآن مجید کی کتابت اور اپنی نیک اولاد کی صورت میں جو صدقہ جاریہ چھوڑا ہے وہ آپ کے لیے بہت اچھا اور عمدہ ذخیرہ ہے۔

مخدوم مرحوم، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ صاحب سے بیعت تھے جب کہ آپ کے نامور فرزند حضرت سید نفیس الحسینی حضرت رائے پوریؒ کے خلیفہ ہیں۔ حضرت شاہ صاحب مدظلہ برصغیر کے چوٹی کے خطاط اور نفیس القلم ہیں اور آپ نے یہ دولت اپنے گھر میں سن شعور سے ہی پائی ---- اور پھر والد ماجد سے ہی اصلاح قلم لیتے رہے۔ والد مرحوم جو سید الخطاط اور خطاط القرآن تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کے علم و عمل اور قلم کی معراج دیکھی۔ حضرت شاہ صاحب مدظلہ نے میری خواہش پر تاریخ وفات نکالی اور رات ۸ ستمبر فون پر بتائی۔

عاقبت بالخیر ۱۴۱۶ھ ان رحمت اللہ قریب من المحسنین ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سید محمد اشرف علی

(۱۳ اگست ۱۹۹۵ء)

مخدوم و محترم حضرت سید محمد اشرف علیؒ کی آخری تحریر جو وفات سے چند روز قبل لکھی گئی۔

آیاتہا ۵ سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۲۰ ۱۱۳ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ
شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى
الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵

آیاتہا ۶ سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ ۲۱ ۱۱۴ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ
النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِىْ
يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ
وَالنَّاسِ ۝۶

دُعَاءُ خَتْمِ الْقُرْاٰنِ

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِىْ فِىْ قَبْرِىْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِىْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِىْ
اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِىْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِىْ مِنْهُ
مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِىْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَاءَ الَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِىْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

کتبہ محمد اشرف علی بن السید محمد حسن شاہ الحسینی السیالکوٹی

سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ گیسو درازیہ قدوسیہ امدادیہ

قطب الارشاد حضرۃ مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ		○	قطب العالم حضرۃ مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہٗ	
قطب الارشاد حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی	〃	○	قطب الاقطاب حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی	〃
حضرۃ میانجیو نُور محمد جھنجھانوی	〃	○	حضرۃ شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی	〃
حضرۃ شاہ عبدالباری امروہی	〃	○	حضرۃ شاہ عبدالہادی امروہی	〃
حضرۃ شاہ عضدالدین امروہی	〃	○	حضرۃ محمد مکّی	〃
حضرۃ سیّد شاہ محمدی	〃	○	حضرۃ شیخ محب اللہ الٰہ آبادی	〃
حضرۃ شیخ ابوسعید گنگوہی	〃	○	حضرۃ شیخ نظام الدین بلخی	〃
حضرۃ شیخ جلال الدین تھانیسری	〃	○	حضرۃ شاہ عبدالقدوس گنگوہی	〃
حضرۃ شیخ ابن حکیم اودھی	〃	○	حضرۃ شیخ علاءالدین اودھی	〃
حضرۃ شیخ صدرالدین اودھی	〃	○	حضرۃ سیّد محمد حسینی گیسو دراز گلبرگوی	〃
حضرۃ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی	〃	○	حضرۃ شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی	〃
حضرۃ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر اجودھنی	〃	○	حضرۃ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی	〃
حضرۃ خواجہ معین الدین حسن سجزی	〃	○	حضرۃ خواجہ عثمان ہارونی	〃
حضرۃ حاجی شریف زندنی	〃	○	حضرۃ خواجہ قطب الدین مودود چشتی	〃
حضرۃ خواجہ ابو یوسف چشتی	〃	○	حضرۃ خواجہ ابو محمد چشتی	〃
حضرۃ خواجہ ابواحمد ابدال چشتی	〃	○	حضرۃ خواجہ ابواسحاق شامی	〃
حضرۃ خواجہ ممشاد علی دینوری	〃	○	حضرۃ خواجہ ابوہبیرہ بصری	〃
حضرۃ خواجہ حذیفہ مرعشی	〃	○	حضرۃ سلطان ابراہیم ادھم بلخی	〃
حضرۃ خواجہ فضیل بن عیاض	〃	○	حضرۃ خواجہ عبدالواحد بن زید	〃
حضرۃ خواجہ حسن بصری	〃	○	حضرۃ امیرالمومنین سیّدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ	

شفیع المذنبین رحمۃ للعلمین خاتم النبیین حضرۃ سیّدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہ و بارک و سلّم

مولانا سعید احمد جلالپوری مدیر "بینات" (ترجمان جامعہ العلوم الاسلامیہ کراچی)

ہفت قلم خطّاط:
حافظ سید انیس الحسن شاہؒ کی رحلت

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کا عجیب نظام ہے کہ جس کو جتنا بلند مقام عطا فرمانا چاہتے ہیں اسے اتنا ہی آزمائشوں اور مصائب و آلام کی بھٹی سے گزارتے ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"عن مصعب بن سعد عن ابیه قال قلت: یا رسول الله! ایُّ الناس اشدُّ بلاءً؟ قال: الانبیاء ثم الامثَل فالامثَل، یُبتلَي الرّجل علیٰ حسب دینه، فان کان دینه صُلبًا اشتدّ بلائه، وان کان في دینه رِقَّةً اُبتلِيَ علی قدر دینه، فما یبرح البلاء بالعبد حتی یترکه یمشي علی الارض وما علیه خطیئة." (ترمذی ج:۲ ص:۶۵)

ترجمہ:...... "حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ فرمایا: انبیأ علیہم السلام کی، پھر جو ان سے قریب تر ہو، پھر جو ان سے قریب تر ہو، آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے، پس اگر وہ اپنے دین میں پختہ ہو، تو اس کی آزمائش بھی کڑی ہوتی ہے، اگر اس کے دین میں کمزوری ہو، تو اسے اس کے دین کی بقدر آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پس آزمائش بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے یہاں تک کہ ایسا کر چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر ایسی حالت میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔"

اسی طرح ترمذی شریف میں دوسری حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی سے محبت فرماتے ہیں تو اسے مصائب و آلام سے آزماتے ہیں، پس جو شخص اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی رضا لکھ دیتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے راضی رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہوجاتے ہیں۔

کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے مخدوم، مخدوم العلماء اور سلسلۂ عالیہ رائے پور کے سرخیل حضرت اقدس سید انور حسین نفیس الحسینی زیدہ مجدہ کے ساتھ بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کا معاملہ ہے کہ اس پیرانہ سالی میں گزشتہ سال انہیں اپنی رفیقۂ حیات کی رحلت کے سانحہ سے دوچار ہونا پڑا اور اب اس سال اپنے ہونہار اور لائق و فائق اکلوتے بیٹے حافظ و قاری، عالم اور عظیم خطاط جناب حافظ قاری سید انیس الحسنؒ کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا۔

جناب سید انیس الحسنؒ ۸/صفر المظفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۴/ستمبر ۱۹۵۶ء کو فیصل آباد میں پیدا ہوئے، آپ نے ابتدائی تعلیم گھر سے شروع کی، آپ نے ابتداً قرآن پاک حفظ کیا، فن تجوید میں رسوخ حاصل کیا، پھر درس نظامی کی تعلیم شروع کی اور آخر میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے درج ذیل مدارس میں مختلف اوقات میں تعلیم حاصل کی:

۱:...... مدرسہ ترتیل القرآن لیٹن روڈ لاہور۔

۲:...... جامعہ رحمانیہ عبدالکریم روڈ لاہور۔

۳:...... مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور۔

۴:...... جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔

۵:...... جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

خطاطی آپ کا موروثی فن تھا، زمانۂ تعلیم ہی میں، آپ کا رجحانِ طبع خطاطی کی طرف زیادہ مائل ہوگیا۔ آپ نے فن خطاطی میں اپنے والد بزرگوار سے تعلیم و تربیت پائی پھر اپنی خداداد صلاحیت سے ترقی کی منزلیں طے کیں، یہاں تک کہ اپنے معاصرین سے گوئے سبقت لے گئے۔ انہوں نے خطِ نستعلیق میں نفیسی اسلوب اختیار کیا اور یہ حقیقت ہے کہ نفیسی نستعلیق جلی و خفی کو ان سے بہتر کسی نے نہیں لکھا۔ متعدد مساجد پر لکھے ہوئے کتبے ان کے کمالِ فن کی شہادت دیتے ہیں۔ اپنے فن کی ترویج کے لئے انہوں نے ''ادارہ نفائس القلم'' قائم کیا۔ انہوں نے بے شمار کتبے اور کتابوں کے سرورق نہایت خوبصورت انداز میں لکھے، بہت سے رسائل کی لوحیں بھی لکھیں۔ کچھ عرصہ آپ ماہنامہ ''بینات'' سے بھی منسلک رہے، انہوں نے اپنے بہت

سے فنی شاہکار یادگار چھوڑے ہیں، جو ان کے نام کو زندہ و پائندہ رکھیں گے۔ ان کے کتبے خطِ نستعلیق، خطِ نسخ، خطِ ثلث، اور خطِ کوفی میں اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ حافظ سید انیس الحسن ہفت قلم خطاط تھے۔ زندگی کے آخری دنوں میں ''فاسٹ کمپیوٹر یونیورسٹی، لاہور'' میں خطاطی کی تعلیم و تدریس پر مامور تھے۔ ان کی آخری تحریر درود شریف ابراہیمی کے دو کتبے تھے، جو چھ فٹ سائز کے ہیں، اور آخر میں ایک اور کتبہ ''انا خاتم النبیین لا نبی بعدی'' ان کی آخری یادگار ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے اور ان کی مغفرت کا ذریعہ بنائے، آمین۔ اللہ پاک آخرت میں حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً، آمین۔

حافظ سید انیس الحسن فنِ خطاطی کی خوبیوں کے علاوہ بہترین ادبی ذوق بھی رکھتے تھے، انہوں نے اپنے والد ماجد زید مجدہم کے فن پاروں کو ترتیب دیکر کتابی شکل بھی دی ہے۔

حافظ سید انیس الحسن مرحوم نے دو مرتبہ زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی۔ ایک بار تو ڈیڑھ ماہ سے زیادہ عرصہ اپنے والد ماجد کے ہمراہ مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ مسجد نبوی شریف اور روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فیوض و برکات سے مالامال ہوئے۔ اسی سال ۲۰۰۱ء میں اپنے والد صاحب کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، آپ نے دو بیٹے، پانچ بیٹیاں اور بیوہ اپنے پیچھے سوگوار چھوڑے ہیں۔ اولاد:

۱:......کنیز فاطمہ بدری (صوفیہ)

۲:......سیدہ عائشہ (حافظہ)

۳:......سید زید (اقرأ روضۃ الاطفال لاہور میں گیارہواں پارہ حفظ کر رہے ہیں)

۴:......سیدہ سکینہ (اقرأ میں حفظ قرآن پاک شروع کیا ہے)

۵:......اُمامہ

۶:......زینب

۷:......شاہ بلال (کمسن ہیں)

آپؒ گزشتہ ایک سال سے تقریباً بیمار چلے آ رہے تھے، مگر موصوف کی ہمت مردانہ کا کمال ہے کہ انہوں نے کبھی اپنے آپ کو بیمار تصور نہیں کیا، وہ علاج و معالجہ کے ساتھ ساتھ خطاطی اور خصوصاً قرآنی آیات اور درود شریف کے کتبوں کو خوبصورت انداز سے لکھ کر گویا اپنی روح کی تسکین اور نجاتِ آخرت کا سامان کرتے رہے، بالآخر ۲۰ رجب ۱۴۲۲ھ مطابق

۸/اکتوبر ۲۰۰۱ء کو ان کا وقت موعود پورا ہوگیا اور انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور میانی صاحب کے قبرستان کے احاطۂ سادات گیسو دراز میں اپنے دادا بزرگوار خطاط القرآن جناب سید محمد اشرف علی شاہ صاحبؒ کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل عندہ باجل مسمّی، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر ان کے ساتھ رضا و رضوان کا معاملہ فرمائے، ان کے کمسن بچوں کی کفایت و کفالت فرمائے اور حضرت شاہ صاحب زید مجدہ کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور اس عظیم صدمہ پر انہیں اپنی رضا نصیب فرمائے، آمین۔ ادارہ ''بینات'' کے کارکنان حضرت شاہ صاحب کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور ان کے اس سانحہ کو اپنا ذاتی سانحہ تصور کرتے ہیں۔

بشارت:

قبر کا معاملہ یوں تو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہے، مگر بعض اوقات آثار و قرآئن سے بعض حضرات کے بارے میں حسن معاملہ کی بشارت دے دی جاتی ہے۔ چنانچہ جناب مولوی حافظ سید انیس الحسن شاہ صاحبؒ کے بارے میں بھی کچھ اسی طرح کی بشارتیں سامنے آئی ہیں۔

حضرت نفیس شاہ صاحب زیدہ مجدہ کے توسط سے ان کے خدام و مسترشدین اور عزیزوں میں سے ایک صاحب کا خواب پیش خدمت ہے:

ایک عزیز دوست کا خواب

حضرت میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اور منیر صاحب قبرستان میں انیس بھائی جان رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گئے ہیں اور انہوں نے اپنی قبر والی جگہ پر دفتر بنایا ہوا ہے، جہاں وہ خطاطی کا سارا سامان لے گئے ہیں، اور انیس بھائی جان رحمۃ اللہ علیہ بتارہے ہیں کہ انہوں نے لکڑی والا بھی اپنے ساتھ بٹھالیا ہے، اور یہیں سے کام کرواکر بھیجیں گے۔ اور بتاتے ہیں کہ مجھے سعودی عرب سے فون آیا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ سے آرڈر آیا ہے کہ وہ خطاطی کا سارا کام مجھے (انیس بھائی جان رحمۃ اللہ علیہ) سے ہی کروائیں گے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے منیر صاحب کو بتایا کہ میں نے صحت یابی کے بعد جو پہلا کام کیا ہے، وہ لکھا ہوا تھا: ''ان اللہ وملئکتہ یصلّون علی النبي یٰا ایھا الذین آمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیمًا۔'' خط ثلث میں، اور کہتے ہیں کہ اباجان کو یہ دے دیں اور ان کے دستخط کروادیں اور ان سے کہیں کہ اس کو مدینہ منورہ بھجوادیں۔ اور جس جس طرح آگے کام کرتا جاؤں گا، اس کی تفصیل اسی طرح آپ کو بھجواتا جاؤں گا۔''

خواب میں ان کی صحت یابی اور درود شریف پر مشتمل آیت مبارکہ کا لکھنا اور مدینہ منورہ اور مسجد نبوی سے خطاطی کا آرڈر آنا انشاء اللہ مقبولیت عند اللہ کی بشارت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَآلِهِ وَصَحبِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعدِي

١٤٢٢م

أَللّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيتَ عَلَى
إِبرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

١٤٢٢هـ

أَللّهُمَّ بَارِك عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكتَ عَلَى
إِبرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

١٤٢٢هـ

حضرت اقدس سید انور حسین نفیس رقم مدظلہ

اللہ رے قلم تیرا

باسمہٖ سبحانہٗ

ترے قلم نے کھلائے سدا گلاب کے پھول
خدا کی دین، بہار آفریں قلم تیرا

حدیثِ ختمِ نبوت ہے آخری شہکار
خدا قبول کرے کلکِ خوش رقم تیرا

قلم رکا ہے ترا لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ پر
یہ حسنِ خاتمہ، اللہ رے قلم تیرا

الٰہی میری دُعا ہے انیسِ جاں کے لئے
ہمیشہ اُس پہ رہے سایۂ کرم تیرا